

اتِّبَاهُ الْحِكْمَةِ وَفَضْلُ

# المحطبات

ALL INDIA MUSLIM EDUCATIONAL CONFERENCE  
SULTAN JAHAN MANZIL, ALIGARH

۱۹۱۲ء کی یادگار تقریر

مع

خطبہ صدارت

خان بہادر سرحدی

فائل سالانہ اجلاس آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس راولپنڈی

پروفیسر محمد سلیمان اشرف



التَّيَّاهُ الْحِكْمَةُ وَفَضْلُ  
الْخَطِّ

پروفیسر محمد سلیمان اشرف

۱۹۱۳ء کی یادگار تقریر  
مع

خطبہ صدارت: خان بہادر سر رحیم بخش

۲۸ وال سالانہ اجلاس آل انڈیا مسلم کونگریس کانفرنس لاہور

اَلَا بِاِكْبَادِ نَاشِئَاتِ لَاقِ



کتاب :	الخطاب
تقریر :	مولانا محمد سلیمان اشرف
خطبہ صدارت :	خان بہادر سررجم بخش
بار اول :	علی گڑھ، ۱۹۱۵ء
طبع جدید :	اکتوبر ۲۰۱۶ء
تقدیم و تشیہ :	ظہور الدین امرتسری
ترجمہ فارسی اشعار :	ڈاکٹر معین نظامی
کمپوزنگ :	محمد نعیم اصغر ۳۹۵۹-۴۲۷-۳۳۳۰
صفحات :	۱۸۸ صفحات
تعداد :	گیارہ سو
مطبع :	ایوب پرنٹنگ پریس، لاہور
ناشر :	ادارہ پاکستان شناسی، ۲۴/۲ سوڈھیوال کالونی، ملتان روڈ، لاہور ۵۴۵۰۰
	فون: ۳۲۲-۴۰۰۵۹۵۲
ہدیہ :	۳۵۰ (تین صد پچاس روپے)

### ڈسٹری بیوٹرز

خان بک کمپنی:	۳ کورٹ اسٹریٹ، لوئر مال، لاہور فون: ۳۲۵۴۶۳-۳۷۲-۴۲
ادبستان:	۶-سی دربار مارکیٹ، لاہور فون: ۴۱۴۰۲۰۷-۳۰۰
ہیکن بکس:	گلگشت، ملتان فون: ۷۹۱-۷۵۲۰۷۹۰-۶۱
دارالعلوم نعیمیہ:	فیڈرل بی ایریا، دنگیر بلاک نمبر ۱۵، کراچی فون: ۳۶۳۲۲۳۶-۳۶۱-۲۱



## پہلی وحی اور علم

صرف اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے علم و تعلیم پر ہر مذہب سے زیادہ زور دیا ہے۔ حتیٰ کہ قرآن مجید کی پہلی وحی کا سب سے پہلا لفظ ”اقْرَأْ“ ہے، جس کے معنی ہیں پڑھو۔ یعنی قرآن مجید سب سے پہلے پڑھنے ہی کا حکم دیتا ہے۔ پڑھنے کے علاوہ لکھنے کو بھی بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے، چنانچہ اسی اولین وحی میں اللہ کے مقدس اوصاف کا علم عطا فرماتے ہوئے کہتا ہے:

اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ  
پڑھو، اور تمہارا رب بے حد کریم ہے جس  
نے قلم کے ذریعہ علم عطا فرمایا ہے۔  
بِالْقَلَمِ ۝

قلم اور لکھنے کی راہ سے علم کی اشاعت اسلام کی نگاہ میں اس قدر اہم ہے کہ اس کو اللہ کا بہت بڑا عطیہ فرماتا ہے۔ اتنا بڑا عطیہ کہ اولین وحی میں تخلیق انسانی کے ذکر کے بعد اسی عطیہ کو بیان کرتا ہے۔ اب انداز لگاؤ اس کی اہمیت کا! یوں تو اللہ کے لامحدود عطیے ہیں لیکن قلم اور کتابت کی راہ سے علم عطا فرمانا وہ عطیہ خاص ہے کہ اولین وحی میں صرف تین عطائے الہی کا ذکر ہے جن میں ایک یہ ہے۔

ان تین عطایا کا ذکر بہ ترتیب ذیل ہے:

- ۱ انسان کو علق سے پیدا فرمایا۔ (خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ)
- ۲ قلم کے ذریعہ علم عطا فرمایا۔ (عَلَّمَ بِالْقَلَمِ)
- ۳ اور ذرائع سے بھی علم دیا۔ (عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ)

(جواہر البیان فی تفسیر القرآن، جلد دوم: علامہ عزیز الحق کوثر ندوی،

مطبوعہ بنارس (یو پی) بھارت، ۲۰۰۹ء)



# تحریک آزادی میں اسلامیان ہند کے لیے جدید تعلیمی استعداد کی اہمیت اور علماء کرام کا کردار

سب سے اوّل ضرورت یہ ہے کہ مسلمانوں کے دلوں پر سے اُن خیالات کا اثر دور ہو جو اُن کو جدید تعلیم میں ترقی کرنے سے باز رکھتے ہیں۔ یہ کام فی الحقیقت ہماری قوم کے علما کا ہے کیوں کہ وہی مسلمانوں کو سمجھا سکتے ہیں کہ یہ عین مذہب کا منشا ہے کہ ہم علمی اور اخلاقی میدان میں ترقی کریں۔ اسلام نے علم کی ضرورت اور وقعت کو جس قدر سمجھایا ہے کسی ملت نے ایسا نہیں کیا۔ کلام پاک میں ارشاد ہے۔ ”وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا“ (اور اے پیغمبر) دعا کرتے رہا کرو کہ اے میرے پروردگار مجھے اور زیادہ علم نصیب کرنا۔“ دولت کے لیے نہیں کی، اولاد کے لیے نہیں، ملک کے لیے نہیں، دنیاوی سر و سامان کے لیے نہیں، ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا اگر کی تو زیادتی علم کے لیے۔ اب یہ ہمارے علما کا کام ہے کہ وہ یہاں کے مسلمانوں کو سمجھائیں کہ جدید تعلیم میں اعلیٰ مدارج حاصل کرنا عین دین کا منشا ہے۔

(رپورٹ متعلق اٹھائیسواں سالانہ اجلاس ۱۹۱۴ء۔ آل انڈیا محمدن ایگلو اور نیشنل ایجوکیشنل



## مولانا زبیری کے دیباچہ کی چند سطور

اٹھارھویں صدی کے آخر سے اُنیسویں صدی کے چوتھائی سے زیادہ عرصہ تک مسلسل چالیس یا پچاس برس کی مدت میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے مسلمانانِ ہندوستان میں جس استقلال و استقامت کے ساتھ تعلیم منادی کا فرض انجام دیا ہے اور جس طرح قوم کے اندر علوم جدیدہ کی اشاعت و تبلیغ میں پانی کی طرح روپیہ بہایا ہے جو بلاشبہ یہ ایک بیش بہا قومی خدمت ہے۔ جس زمانہ میں اور جن حالات کے اندر کانفرنس قائم ہوئی اس وقت دنیا متحرک تھی اور مسلمان ساکن و جامد۔ قومی تعلیم کے لحاظ سے وہ ایک تاریک زمانہ تھا جس کے اندھیرے میں ہماری تمام حیاتِ ملی مُردہ ہو رہی تھیں۔ اس مجلس کے میرِ مجلسوں نے دورِ حاضرہ کی ضرورت اور حقائقِ حالات کی بنا پر اپنے زبردست خطبوں کے ذریعہ سے قوم کو تعلیم پر متوجہ کرنے کی اہم کوشش کی۔

دیباچہ: خطباتِ عالیہ، حصہ اول

مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ، ۱۹۲۷ء



## ایک اور اقتباس

ہر زبان کے خطیبوں کے خیالات اور افکار ذہنی و دماغی کا ذخیرہ اُس زبان کا بیش بہا سرمایہ متصور ہوتا ہے جس زبان میں کہ وہ ادا کیے جاتے ہیں۔ جو اپنے زمانہ کے لحاظ سے راہِ عمل اور مستقبل کے لیے قوم کی ہمت اور جوش کا افسانہ تاریخی صفحہء عالم پر اُن کے کارنامہء عمل کی زندہ یادگار بن کر چمکتا ہے۔ موجودہ نسلیں اُن کے ساتھ خواہ کچھ ہی سلوک کیوں نہ کریں، لیکن یقیناً آنے والی نسلیں اُس کو شوق سے پڑھتی ہیں اور اپنے ماحول کے مطابق گزرے ہوئے حالات کے لحاظ سے استخراجِ نتائج میں اپنے پیش روؤں کے ٹھوس اور عمیق افکار سے مدد لے کر اُن کی دماغی کاوشوں کا (خواہ وہ ملکی پالیٹکس سے تعلق رکھتی ہوں خواہ تعلیماتِ عامہ یا بہبودی قوم کے دیگر امورِ مہمات سے) غرض ہر طرح سے خیر مقدم کرنے میں پیش قدمی کی کوشش کرتی رہتی ہیں۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ مہذب اور تعلیم یافتہ دنیا طرح طرح سے اپنی قوم کے دانشوروں کے خیالات کی اشاعت کرتی رہتی ہیں؛ گویا اس طریقہ سے گزرے ہوئے لوگوں کا پیغام آنے والی نسلوں کو پہنچا کر ان میں عمدہ تعلیم، بہتر تربیت، پاکیزہ اخلاق کی تخم ریزی کر کے اُن کی نشوونما میں مصروف نظر آتی ہے۔



# الفہرست

۵۹-۷

دیباچہ

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس۔ قیام اغراض و مقاصد..... مسلم ایجوکیشنل کانفرنس۔  
 کاٹھیاواڑ کے بارہ میں استفتا..... یکے از جواب مولانا عبد العظیم صدیقی میرٹھی.....  
 وقت تفہیم کی راہیں بنانا ہے..... سید سلیمان اشرف کا چشم کشا خطاب..... ایک غلط  
 فہمی کا ازالہ..... مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی علم افروز سرگرمیاں اہل علم کی نظر  
 میں..... مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اور قیام آل انڈیا مسلم لیگ..... وابستگان علی گڑھ کا  
 مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے ساتھ والہانہ تعلق خاطر..... علی گڑھ کا طلبہ مجاز  
 قائد اعظم کی نظر میں..... تحریک پاکستان کے سنگ ہائے بنیاد میں ایک اہم ترین نام  
 آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس..... آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے تعلیمی  
 اثرات..... معاشی اثرات..... معاشرتی اثرات..... سیاسی اثرات.....

۶۲-۶۰ پروفیسر سلیمان اشرف بطور معلم، مبلغ اور قومی راہنما اکابر ملت کی نظر میں

۶۶-۶۳ مولانا سلیمان اشرف ایک بالغ نظر مصلح

۷۲-۶۷ حیات مولانا سید سلیمان اشرف کی چند جھلکیاں حکیم محمد خلیل احمد قادری

۸۰-۷۳ محمد تنزیل الصدیقی الحسینی سخن ہائے گفتنی

۱۲۴-۸۱

الخطاب (تقریر: اجلاس آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ ۱۹۱۴ء)  
(فہرست مضامین اندر ملاحظہ فرمائیں)

۱۲۸-۱۲۶

بہ زبان ناشر

۱۳۲-۱۳۰

تعارف صدر اجلاس مولوی حاجی سر رحیم بخش خان بہادر

۱۶۰-۱۳۳

خطبہ صدارت

خطبہ کے ذیلی عنوانات:

اکابرین قوم کا اثر..... یورپ میں لڑی جانے والی ہولناک جنگ (۱۹۱۳-۱۳).....  
ٹرکی کے بارہ میں انگلستان اور اتحادیوں کی ہندی مسلمانوں کو یقین دہانی.....  
سلطنت برطانیہ اور ہماری وفاداری..... ایجوکیشنل کانفرنسوں کی قدر و قیمت.....  
مسلمانوں کا اخلاقی معیار..... تعلیمی عقدہ ہنوز حل طلب ہے..... تعلیمی پالیسی  
۱۹۰۴ء..... مقررہ دستور العمل پر کاربند ہونا لازم ہے..... مذہبی تعلیم..... مشرقی  
تعلیم کی اہمیت..... تعلیم عربی بہ مقابلہ فارسی زبان..... ایک صحت مند اور خوددار  
قوم بننے کی شرائط..... اعلیٰ تعلیم/یونیورسٹی کے نظام تعلیم میں استحکام..... ہمارے  
تعلیمی مستقبل کے لیے لارڈ ہارڈنگ کی مدبرانہ سعی..... صنعتی و حرفتی تعلیم.....  
خواتین کی تعلیم..... انجمن ترقی تعلیم امرتسر کی قابل تقلید مثال.....

اجلاس مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ راولپنڈی میں منظور ہونے والی قرارداد ہائے

۱۸۷-۱۶۳

ضمیمہ

۱۸۸

پنڈت جواہر لال نہرو مدح سرسید میں



## عکسی خزانہ نوادر

- ۱۔ رسالہ الدلائل القاہرۃ کے صفحہ ۳۵ کا عکس ۱۹
- ۲۔ رسالہ الدلائل القاہرۃ علی الکفرۃ النیاشرۃ از حاجی قاسم میاں،  
مطبوعہ بریلی، بار اول۔ ۱۹۱۷ء..... عکس سرورق ۲۰
- ۳۔ الدلائل القاہرۃ علی الکفرۃ النیاشرۃ، طبع بمبئی، اشاعت دوم۔ ۱۹۳۲ء.....  
عکس سرورق ۲۱
- ۴۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کی عمارت سلطان جہاں منزل  
(تعمیر شدہ ۱۹۱۵ء) کا اندرونی منظر ۳۸
- ۵۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے صدر دفتر (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی  
علی گڑھ) کا بیرونی منظر ۳۹
- ۶۔ Thesis, All India Muslim Educational  
Conference By Afzal Usmani ۵۵-۳۹
- ۷۔ تصویر جامع مسجد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ..... متصل صفحہ ۶۲
- ۸۔ تصویر آدم جی پیر بھائی منزل علی گڑھ کی بلڈنگ کے سامنے کا منظر..... مقابل صفحہ ۶۸
- ۸۔ تصویر آدم جی پیر بھائی منزل کے اندر یادگار پتھر..... مولانا سید سلیمان اشرف ۶۹
- ۱۰۔ تصویر مزار مبارک مولانا سلیمان اشرف..... مقابل صفحہ ۷۰

- ۷۱- تصویر لوح مزار کا کتبہ.....مقابل صفحہ ۷۱
- ۷۲- تصویر پتھر بیا دگار مولانا سید سلیمان اشرف مرحوم و مغفور کا واضح منظر.....متصل صفحہ ۷۲
- ۸۱- الخطاب.....نسخہ مطبوعہ انشی ٹیوٹ پریس، علی گڑھ (۱۹۱۵ء).....عکس سرورق ۸۱
- ۱۲۵- کتب خانہ مولانا آزاد علی گڑھ کے ذخیرہ میں نسخہ الخطاب کے Issue ۱۲۵  
اجراء کارڈ کا عکس
- ۱۲۹- خطبات عالیہ حصہ دوم، مرتبہ: مولانا انوار احمدی زبیری، طبع مسلم یونیورسٹی پریس، علی گڑھ (۱۹۲۸ء).....عکس سرورق ۱۲۹
- ۱۶۲- آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سوسال از امان اللہ خاں شیروانی۔ علی گڑھ، طبع اول ۱۹۹۴ء.....عکس سرورق ۱۶۲
- ۱۶۳- رپورٹ متعلق اجلاس بست و ہشتم آل انڈیا محمدان اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس بمقام راولپنڈی مورخہ ۲۷ تا ۲۹ دسمبر ۱۹۱۴ء، مطبوعہ علی گڑھ.....عکس سرورق ۱۶۳
- ۱۶۳- آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس منعقدہ راولپنڈی ۱۹۱۴ء کے مندوبین کا گروپ فوٹو.....مقابل صفحہ (۱۶۳)
- ۱۶۹- مذکورہ بالا مطبوعہ رپورٹ کے متعدد صفحات کا عکس (۱۸۷ تا ۱۸۹) ۱۶۹



## دیباچہ

مولانا سید سلیمان اشرف کا یہ خصوصی خطاب آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اٹھائیسویں سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۹۱۴ء بمقام راولپنڈی ہوا۔ اس اجلاس کی صدارت مولوی حاجی سر رحیم بخش مرحوم نے کی۔ یہاں یہ عرض کرتا چلوں کہ ایجوکیشنل کے تمام اجلاس ہر سال باقاعدہ متحدہ ہندوستان کے مختلف مقامات پر منعقد ہوتے رہے، جن میں پورے ہندوستان سے مختلف علاقوں میں رہنے والے

۱۔ رحیم بخش، مولوی سر: (تقریباً ۱۸۶۱ء-۴ مئی ۱۹۳۵ء): وطن ٹھکانا میراں جی (ضلع کرنال)۔ نازل اسکول سے تعلیم حاصل کی۔ شہر انبالہ میں پندرہ روپے ماہوار پر مدرس مقرر ہوئے ترقی کر کے چیفس کالج لاہور میں ۱۴۵ روپے مشاہرے تک پہنچے۔ نواب صادق محمد خاں رابع والئی بہاولپور چیفس کالج میں آئے، تو مولوی صاحب ان کی توجہ کا مرکز بن گئے۔ چنانچہ وہ انھیں بہاولپور لے گئے جہاں ۱۸۹۷ء تک ۴۰۰ روپے ماہوار تنخواہ ہوئی۔ پھر کسی معاملے میں اختلاف رائے کی بنا پر مولوی رحیم بخش صاحب نے استعفا دے دیا۔ نواب صاحب نے پچاس روپے ماہوار وظیفہ تاحیات مقرر کر دیا۔

۱۹۰۳ء میں نواب بہاول خاں پنجم نے پھر بہاول پور بلایا، جہاں مشیر امور خارجہ مقرر ہوئے۔ نواب موصوف نے حج سے واپسی پر انتقال کیا تو ان کے جانشین کی کم سنی میں مجلس نیابت (کونسل آف ریجنسی) بنی جس کے صدر مولوی صاحب مقرر ہوئے۔ اپریل ۱۹۲۳ء میں ۲۰,۰۰۰ روپے نقد انعام اور ۱۰,۰۰۰ سالانہ وظیفہ پر ریاست کی خدمات سے سبکدوش ہوئے۔ تمام تعمیری، اصلاحی، تعلیمی اور مذہبی اداروں سے انھیں وابستگی تھی۔

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، 'مندیۃ العلماء'، راجپوت کانفرنس، سب کی صدارت کی۔ ان کا بڑا کارنامہ یہ تھا کہ 'مرکزی انجمن تبلیغ اسلام' کی بنیاد استوار کی۔ انجمن اصل میں میر غلام بھیک نیرنگ، کنور عبدالوہاب خاں اور مولوی رحیم بخش ہی کی ممنون احسان تھی۔ مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور کے لیے یک مشت ۱۰,۰۰۰ روپے جب سے دیے۔ ہزاروں روپے مساکین کو بھی دیتے تھے۔ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد حکومت پنجاب نے انھیں پے اصرار مجلس وضع قانون کارکن نامزد کیا۔ (اردو جامع انسائیکلو پیڈیا، جلد اول۔ ناشر شیخ غلام علی اینڈ سز، لاہور ۱۹۸۷ء، ص ۶۶۲)

اور قومی ترقی کے خواہش مند افراد شرکت کرتے۔ کانفرنس کے شاندار اجلاس پشاور اور راولپنڈی سے ڈھاکہ اور رنگون تک اور دلی سے کراچی، بمبئی اور مدراس تک منعقد ہوئے جن سے ملک کے طول و عرض میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ کل ہند سطح پر مذکورہ کانفرنس کب اور کیوں کر قائم ہوئی، کانفرنس کے اغراض و مقاصد کیا تھے؟ تفصیلاً بیان کرتے ہیں کہ نسل نو آگاہ ہو سکے۔

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس قیام اور اغراض و مقاصد:

آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کا قیام (جسے بعد میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا نام دیا گیا، مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے قیام ۲۳ مئی ۱۸۷۵ء کے گیارہ سال سات مہینے بعد) دسمبر ۱۸۸۶ء میں عمل میں آیا۔ اس ادارے کے بنیادی مقاصد میں علی گڑھ کے علاوہ دیگر علاقوں کے مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات پر غور و خوض کرنا اور ان میں مغربی تعلیم کے حصول کا شوق اور اپنی تعلیمی پس ماندگی کو دور کرنے کا شعور پیدا کرنا شامل تھے۔

سید الطاف علی بریلوی (م: ۲۳ ستمبر ۱۹۸۶ء) علی گڑھ یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ تھے۔ وہ سرسید کی انجمن آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سے پندرہ سال (۱۹۳۵ء سے ۱۹۵۰ء تک) وابستہ رہے۔ وہ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

’سرسید علیہ الرحمۃ کی زندگی کے اہم کاموں میں سے ایک عظیم الشان کارنامہ ’مسلم ایجوکیشنل کانفرنس‘ کا بھی ہے، جس کو انھوں نے

۱۔ متحدہ ہندوستان میں مسلمان تعلیمی لحاظ سے کس قدر پس ماندہ تھے۔ مولانا سلیمان اشرف نے اس پر ہندو اور مسلم تعلیمی تناسب کا ایک جائزہ پیش کیا ہے۔ (تفصیلی مطالعہ کے لیے دیکھیے: ’التور‘ علی گڑھ، ۱۹۲۱ء اور محمد صدیق: ’پروفیسر مولوی حاکم علی‘ لاہور، جنوری، ۱۹۸۳ء)۔

۲۔ ’دارالعلوم علی گڑھ میں کانفرنس کے صدر دفتر کی عظیم الشان ذاتی عمارت سلطان جہاں منزل، اس کا خوشنما ہال اور نادر کتاب خانہ زمانہ دراز سے مرجع خلائق اور صاحبان علم و عمل کا جلوہ ماوارہا۔ بڑے بڑے قومی اجتماعات ہوتے رہے، اور ترقی و فلاح ملی کی جدوجہد جاری و ساری رہی۔ (آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی صد سالہ تاریخی ازاری ۱۸۸۶ء لغایہ جون ۱۹۸۶ء، طبع کراچی، ص ۸)



علی گڑھ کالج کھولنے کے گیارہ سال بعد ۲۷ دسمبر ۱۸۸۶ء کو قائم کیا۔ گزشتہ پینٹھ سال سے اس کانفرنس کے مقاصد کی تشریح اور ان کا اعلان مسلسل طور پر جس بلند آہنگی سے ہوتا رہا ہے اس سے مسلم قوم کا ہر فرد واقف ہے۔

اب سے ساٹھ پینٹھ سال قبل مسلمانوں میں ایک دوسرے کے حال سے بے خبری کا یہ عالم تھا کہ ایک صوبہ تو درکنار، ایک شہر کے مسلمان بھی قومی اغراض اور قومی بھلائی کی خاطر ایک جگہ جمع ہونا اور قومی اصلاح و ترقی کی تدابیر پر کچھ سوچنا اور غور کرنا نہ جانتے تھے۔ ہندوستان کے دوسرے باشندے زمانہ کی رو کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ اور مسلمان تعلیمی، اخلاقی، مادی غرض ہر قسم کے ترقی بخش وسائل سے نا آشنا محض تھے۔ یہ وہ حالات تھے جن سے متاثر ہو کر مسلمانوں میں تعلیمی بیداری اور سیاسی شعور پیدا کرنے کے لیے قومی ادارہ وجود میں لایا گیا۔ اور بے شبہ آج کی تمام حیثیات فنی اور انقلاب خیالات اس کانفرنس ہی کے رہن

۱۔ علی گڑھ ایک پیارا نام ہے۔ سرسید ایک حدیث شریف کے حوالے سے لکھتے ہیں: ”ہمارے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشہور یہ قول ہے کہ اتامدینہ العلم علی بابہا۔ پس یہ پہلا مدرسہ ہم مسلمانوں کا، جو درحقیقت علم کا دروازہ ہوگا، علی گڑھ ہی میں ہونا چاہئے۔“ (اقتباس از کمیٹی خزینۃ البھاء، اجلاس نہم منعقدہ ۱۸۷۲ء بحوالہ ایم۔ والی انصاری، پروفیسر: سرسید اور فن تعمیر، مشمولہ: مقالات سرسید صدی (مارچ ۱۹۹۸ء) کراچی۔ سرسید یونیورسٹی پریس، ص ۵۰)

نوٹ: سرسید، کمیٹی خزینۃ البھاء تاسیس مدرسۃ المسلمین کے لائف سیکرٹری تھے۔ اس کمیٹی کا دفتر علی گڑھ کالج کے قیام تک بنارس میں رہا جو کہ سرسید بسلسلہ ملازمت (۱۸۷۰ء) بنارس میں ہی مقیم تھے (حیات جاوید، حصہ اول، طبع ثانی، ص ۱۳۰)۔ سرسید نے اپنے مشن کی تکمیل اور اعلیٰ تعلیم کے حصول کو عام کرنے کی غرض سے مذکورہ کمیٹی قائم کی تھی۔ کمیٹی کا مقصد مجوزہ کالج (اینکلو اور نیشنل کالج) کے قیام کے لیے چندہ جمع کرنا تھا۔ کمیٹی نے سرسید کو کالج کے لیے فنڈ (چندہ، عطیات) جمع کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ (انجی۔ بی۔ خان، ڈاکٹر: تحریک علی گڑھ تا قیام پاکستان و قرارداد مقاصد۔ الحمد اکادمی، کراچی، ۱۹۹۸ء، ص ۳۵)

منت ہیں جس نے اجتماع ملی پر سب سے پہلے آواز بلند کی۔ جلسوں کے آئین و

۱۔ اس حقیقت سے انکار نہیں چتاں چمولا ناسلیمان اشرف نے بھی ایک موقع پر علی گڑھ کے ہی فیض یافتگان (علوم مغربیہ) جنہوں نے مسلمانوں کے حقوق کے لیے اکثر آواز بلند کی، اور مستقبل میں ملک و ملت کی راہنمائی کا فریضہ انجام دیا، کا تذکرہ کیا ہے، آپ فرماتے ہیں:

’یہ واقعہ ہے، حقیقت ہے اس سے انکار کرنا سورج کی روشنی سے انکار کرنا ہے کہ ہندوستانوں کا حکومت کے سامنے آنا اپنے مطالبات کو موثر پیرایہ میں پیش کرنا ثبات و قرار سے اپنے حقوق کے طلب میں مسلسل سرگرم کار رہنا اور پھر اپنی کامیابی کے لیے ایثار و قربانی سے دریغ نہ کرنا یہ سب تعلیم انگریزی کا ثمرہ ہے۔ آئین سلطنت پر جنہوں نے نکتہ چینی کی ہے وہ انگریزی خواہ ہیں حکومت خود اختیاری کا جنہوں نے نعرہ بلند کیا ہے وہ انگریزی خواہ ہیں غلامی کی زلزلوں کا جس نے احساس پیدا کیا ہے وہ انگریزی خواہ ہیں۔..... طریقہ یہ کہ سارے انگریزی خواہ انھیں کالجوں کے تعلیم یافتہ اور سندیاہ ہیں جن کا الحاق گورنمنٹ کی یونیورسٹیوں سے ہے سرکاری کالج یا امدادی کالج میں تعلیم پانے سے اُن کے جذبات قومی نہ فنا ہوئے نہ مٹے۔‘ (النور: ۱۹۳۰)

..... لیکن متذکرہ طبقہ کو انگریز کی غلامی کا طعنہ دینے والے اراکین خلافت کمیٹی اور جمعیت العلماء ہند کے قائدین (بالخصوص مفتیان سیاسی) نے جب تحریک ترک موالات (۱۹۲۰ء) کے دوران آزادی یونیورسٹی کے قیام کی آڑ میں مسلمانوں کے تعلیمی اداروں جیسے اسلامیہ کالج لاہور کو نشانہ بنایا، اور اسلامیان ہند کی عظیم درس گاہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پر حملہ آور ہوئے (حال آں کہ بقول ڈاکٹر سر فیاض الدین احمد: ’خلافت کا کام کرنے والوں میں ۳/۴ علی گڑھ کے طلبا تھے۔ اور علی گڑھ ہی ان کی فیکلٹی تھی اگر اس کو ہی تباہ کر دیا جائے تو کام کرنے والے کہاں سے ملیں گے‘)، تو مولانا سلیمان اشرف نے اُس وقت حقیقت حال سے پردہ اٹھاتے ہوئے ان حضرات کو خیردار کیا کہ..... اُس وقت (یعنی تحریک خلافت و ترک موالات کے دوران) علماء سیاسی میں جو خروش و جوش ہے وہ بھی نتیجہ انھیں انگریزی خوانوں کا ہے انھیں کے ہاتھوں نے انھیں جھنجھوڑا، جب ان کی آنکھیں کھلیں انھیں کے ہاتھوں نے سہارا دیا جب ان کے قدم اٹھے انھیں کی آوازوں نے ان کی زبانیں کھولیں، جب یہ بولنے لگے..... اس وقت بھی اگر انگریزی خواہ جماعت ان تحریکات سے الگ ہو جائے تو سارے جمعیت العلماء کے فضلاء یگانہ پائی اپنی درسا گاہوں میں ہوں گے یا منبر و محراب میں کسی یتیم خانہ یا مدرسہ یا مسجد یا انجمن اسلامیہ کا وعظ فرما کر آخر میں تحریک چندہ فرماتے ہوں گے۔ وزراء انگلستان کے آپر تفتید اور سیاست ہند پر مباحثہ کسی کے وہم میں بھی نہ آئے گا۔‘ (دہلی حوالہ: ۱۹۳۰)



ضوابط اور مطالبات قومی پر بحث و مباحثہ کے طریقے سکھائے، اور اعلیٰ خیالات کا ایک ایسا بلند مینار تیار کیا جس پر چڑھ کر قوم نے اپنی حالت کو دیکھا، اور تباہ کن راہوں کو ترک کر کے ترقی پزیر شاہراہوں پر گامزن ہوئی۔ ۱۔  
آگے چل کر سید بریلوی (علیگ) مرحوم رقمطراز ہیں:-

’کانفرنس نے اپنے مقصد اور نصب العین کے مطابق مسلمانوں میں ہر ممکن اور مناسب طریقہ سے صحیح تعلیم کو رائج کیا نہایت استقلال کے ساتھ تصنیف و تالیف و تراجم کے ذریعہ اسلامی لٹریچر اور تاریخ کی حفاظت، اردو کی ترویج و اشاعت کے ذرائع کی بہم رسانی، معلومات تعلیمی کے لیے اعداد و شمار کی ترتیب و تدوین، اصلاح تمدن کے وسائل کی فراہمی، ہزار ہا ضرورت مند طلبا کو لاکھوں روپے وظائف، مدارس و انجمن ہائے اسلامی کا قیام، اور ان کی ہر قسم کی امداد کے علاوہ سب سے بڑی خدمت مسلم یونیورسٹی کو وجود میں لانے کی انجام دی۔ اسی طرح مسلم گرلس کالج علی گڑھ، ڈھاکہ یونیورسٹی، انجمن ترقی اردو اور مسلم لیگ جیسے قابل فخر مسلمانوں کے قومی ادارے کانفرنس ہی کی تحریک و تشویق سے معرض وجود میں آئے۔ تعلیم عربی اور مذہبی تعلیم کے مشہور اداروں مثلاً ندوۃ العلماء لکھنؤ وغیرہ کی امداد و اعانت میں بھی کانفرنس نے بہت بڑا حصہ لیا۔ ۲۔

آئندہ سطور میں ایک اہم حوالہ ملاحظہ فرمائیں، سید معروف لکھتے ہیں:  
’سرسید احمد خاں کو جب ’مؤذن کالج‘ کے قیام ۲۴ مئی ۱۸۷۵ء کی جانب سے

۱۔ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی صد سالہ تاریخی ڈائری: ۱۸۸۶ء لغایت جون ۱۹۸۶ء، مرتبہ: سید الطاف علی بریلوی (علیگ)، طبع کراچی، ص ۹۸۔

۲۔ ’سالہا سال تک کانفرنس کے ساتھ ہی لیگ کے اجلاس ہوتے رہے تا آنکہ حضرت قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں مسلم لیگ اس قدر بڑھی کہ اس کی جہد خاص سے پاکستان وجود میں آیا جو آج دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت ہے۔‘ (ایضاً، ص ۹)

اطمینان ہوا تو انھوں نے سوچا کہ صرف ایک کالج سے قومی تعلیم کا مسئلہ حل نہیں ہوگا اس لیے کہ دور دراز علاقوں میں رہنے والے مسلمان ایک دوسرے کے حالات سے بے خبر ہیں اور کوئی ایسا ذریعہ نہیں کہ صوبوں اور اضلاع کے لوگ ایک جگہ جمع ہوں اور قوم کی تعلیم و ترقی کے سلسلہ میں اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں کہ قومی یگانگت اور ہمدردی پیدا ہو اور تعلیم و ترقی کی سمت نمائی ہو سکے۔ اسی خیال کے تحت ۱۸۸۶ء میں انھوں نے 'مئٹرن ایجوکیشنل کانفرنس' کی بنیاد رکھی۔ ۱۸۹۰ء میں اسے آل انڈیا مئٹرن ایجوکیشنل کانفرنس کے نام سے موسوم کیا گیا۔ ابتدا میں کانفرنس کے مقاصد حسب ذیل تھے (دیکھیے پنجاہ سالہ تاریخ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، ۱۹۳۷ء)

۱۔ مسلمانوں میں یوروپین لٹریچر کے پھیلانے اور اس کو وسعت دینے اور انھیں اعلیٰ درجے کی تعلیم دینے کی کوشش کرنا۔

۲۔ مسلمانوں نے جو قدیم علوم میں ترقی کی اس کی تحقیقات کرا کے شائع کرنا۔

۳۔ نامی گرامی علماء اور مشہور مصنفین اسلام کی سوانح عمریوں کو اردو یا انگریزی میں لکھوانا۔

۴۔ مسلمان مصنفین کی وہ تصنیفات جو نایاب ہیں ان کا پتہ لگانا کہ وہ کس جگہ موجود ہیں اور پھر انھیں از سر نو شائع کرنا۔

۵۔ تاریخی واقعات اور قدیم تحقیقات پر لوگوں کو تقریر پر آمادہ کرنا۔

۶۔ بنیادی علوم کے کسی مسئلہ یا تحقیقات پر کسی رسالہ کے تحریر ہونے یا لکچر دینے کی تدابیر کرنا۔

۷۔ فرامین شاہی کو بہم پہنچا کر ان سے کتاب انشا کا مرتب کرانا اور ان کے نمونے فوٹو گراف کے ذریعہ سے قائم کرنا۔

۸۔ مسلمانوں کی تعلیم کے لیے جو انگریزی مدرسے مسلمانوں کی طرف سے قائم ہیں ان میں مذہبی تعلیم کے حالات دریافت کرنا اور بقدر امکان عہدگی سے اس



تعلیم کو طلبا میں پھیلاتا۔ (پنجاہ سالہ تاریخ، ص ۴-۵) ۱

آگے جانے سے پہلے اگر پروفیسر ڈاکٹر نجیب جمال کے مقالے 'یگانہ۔ تحقیقی و تنقیدی مطالعہ' سے استفادہ کر لیا جائے، تو مذکورہ دور کے سیاسی و سماجی، تہذیبی و تمدنی، فکری و مذہبی اور علمی و ادبی پس منظر سمجھنے میں مدد ملے گی۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

’خالص علمی نقطہ نظر سے اس عہد کو دیکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے ہاتھوں پٹ جانے کے بعد ہندوستان کے لوگوں میں فکری و علمی افلاس کا احساس شدید ہو گیا تھا۔ یہی وہ لمحہ تھا جب قدامت اپنی تمام بچی کھچی قوت اور توانائیوں کو سمیٹ کر جدیدیت سے ٹکرائی تھی۔ فکری و علمی افلاس اپنے ساتھ غلامی، محکومی اور نقاہت لے کر آیا۔ ایسے میں ایک طرف تو وہ طبقہ تھا جو پرانے معیاروں ہی کو سب کچھ جانتا تھا اور دوسری طرف وہ لوگ تھے جو روحانیت کے مقابلے میں مادیات کی طرف جھکتے جا رہے تھے (؟) اور

۱۔ محمد معروف، سید۔ مضمون بعنوان ’انجمن ترقی اردو‘ مختصر تاریخی جائزہ، مضمون: ادب و کتب خانہ، کراچی: بزم اکرم، ۲۰۱۲ء، ص ۴۰۔

۲۔ ایسے پرخطر اور کشن مرحلے میں بھی ہمیں مولانا سلیمان اشرف ہی کا آہنگ سنائی دیتا ہے، جو ان کی غیر معمولی دینی غیرت و حمیت اور مومنانہ حق گوئی و بے باکی پر شاہد عادل ہے چنانچہ اپنے رسالہ ’الرشاڈ میں یاد دلاتے ہیں: ’مسلمانوں کی انتہائی بد قسمتی یہی ہے کہ یہ کسی غیر قوم کی طرف اس غرض سے بڑھتے ہیں کہ اپنی حیات دنیا سنوارنے کا طریقہ اُس سے سیکھیں، لیکن اس سے پیشتر کہ اُن وسائل و اسباب پر انھیں دسترس ہو دین و مذہب پہلے کھو بیٹھے ہیں۔ مسلمانوں کا ایک عہد عیسائیت کے ساتھ عشق و شغف کی حالت میں حُلول و جذب ہو جانے کے لیے بے تاب تھے۔ لیڈر رانی قوم نے اُس وقت نہایت بلند آہنگی سے یہ صورت پھونکا تھا کہ اگر باعزت و حرمت دنیا میں رہنا چاہتے ہو تو یورپ میں جذب ہو جاؤ، مسلم ہستی بذات خود قائم ہو ہی نہیں سکتی۔ اسلامی انداز جلد سے جلد چھوڑ دو اور یورپ کے اسلوب اختیار کرو۔ پھر کیا تھا مسلمانوں کی شکل و صورت، لباس و پوشاک طرز ماند و بود غرض ہر ایک شعبہ حیات میں یورپ ہی کی تکی تھی۔ حتیٰ کہ نام تک یورپین تلفظ و املا میں شامل کر لیا گیا، ارکان اسلام سے بیگانہ وشی لازم تہذیب و تعلیم قرار پائے، عیسائیت میں جذب ہونے کے لیے مسائل شرعیہ میں طرح طرح کی تخریصیں کی گئیں، آیات قرآنی اور احادیث نبوی کے مطالب میں عجیب و غریب معنی آفرینیوں سے کام لیا گیا۔ (الرشاد: ۱۹، ۲۰)

جن میں گرد و پیش کا تجزیہ کرنے کا شعور موجود تھا، سرسید کی علمی و ادبی تحریک نے اس لمحے میں جنم لیا۔ علی گڑھ تحریک کے پس منظر میں شاہ ولی اللہ (۱۷۶۲ء-۱۸۰۳ء) کے علمی نظریات دکھائی دیتے ہیں۔ سرسید علوم عقلیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کی تحصیل کو وقت کی سب سے بڑی ضرورت قرار دے کر علمی سطح پر اس کے فروغ کے لیے کام کیا۔ سوسائٹیاں، مدر سے اور کالج قائم کیے اور اپنے نظریات و افکار کی ترویج کے لیے اپنے بڑے بھائی سید محمد خاں کے فارسی اخبار 'سید الاخبار' سے کام لیا اور پھر خود بھی 'سائنٹیفک سوسائٹی گزٹ' اور 'تہذیب الاخلاق' کا اجراء کیا جنہیں برصغیر (بر عظیم) کی صحافتی، علمی اور ادبی تاریخ میں خاصا نمایاں مقام حاصل ہوا۔<sup>۱</sup>

۱. 'سرسید نے اپنی تصانیف میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو اکثر جگہ نقل کیا ہے اور اپنے دلائل کو اس سے تقویت دی ہے۔' (سرسید کی فکر اور عصر جدید کے تقاضے۔ ص ۱۳۲)

۲. ۱۸۶۲ء میں سائنٹیفک سوسائٹی قائم کی، تو اس کا ایک مقصد سرسید نے یہ قرار دیا تھا کہ ایشیا کے قدیم مصنفوں کی کیا بکتوں کو تلاش کر کے چھاپا جائے۔ بریلی میں ایک بار تقریر کرتے ہوئے انھوں نے کہا: ”کسی قوم کے لیے اس سے زیادہ بے عزتی نہیں کہ وہ اپنی قومی تاریخ کو بھول جائے اور اپنے بزرگوں کی کمائی کو کھودے۔“ (جواب ایڈرس انجمن اسلامیہ بریلی۔ ”لکچروں کا مجموعہ“، ص ۱۳۲)

سید احمد خاں سے زیادہ قومی اور تاریخی سرمایہ کی محافظت کا خیال شاید ہی ہندوستان میں کسی شخص کو پیدا ہوا ہو۔ آثار الصنادید کو لکھتے وقت ان کا جذبہ یہی تھا کہ کاروانِ رفتہ کے ایک ایک نقش کو محفوظ کر لیا جائے۔ انھوں نے فارسی مأخذ تاریخ کو ایڈٹ کرنے کا بیڑ اٹھایا اور ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی، ابوالفضل کی آئین اکبری اور جہانگیر کی تزک کو بڑے اہتمام سے شائع کیا۔ گزشتہ کم و بیش ایک صدی سے سرسید کے مرتب کیے ہوئے یہ ایڈیشن تاریخ کے طلباء کے زیر مطالعہ ہیں۔ ان کتب وغیرہ کو شائع کرتے وقت ان کے ذہن میں اگر کوئی بات تھی تو یہ کہ اپنے تاریخی سرمایہ کو دست برد زمانہ سے بچالیں۔ (نظامی، پروفیسر خلیق احمد۔ 'سرسید کی فکر اور عصر جدید کے تقاضے' انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی، ۱۹۹۳ء۔ ص ۸۸-۸۷ و بعدہ)

۳. ۱۸۷۰ء میں 'تہذیب الاخلاق' کا اجراء ہوا۔ 'تہذیب الاخلاق' نے سیاسی، مذہبی، معاشرتی، تہذیبی، علمی اور ادبی پہلوؤں کا احاطہ کیا اور قومی انقلاب کی راہیں کشادہ کیں۔

۴. 'لوگ' Sub Continent of Indo-Pakistan کا ترجمہ برصغیر پاک و ہند کر دیتے ہیں۔ (باقی صفحہ آئندہ)



ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے مقالہ میں اس دوران ہندوستان میں قائم کیے جانے والے بعض سرکاری وغیر سرکاری تعلیمی اداروں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ: ۱۸۵۷ء کا سال ایک ایسی حد بن کر آیا جہاں قدیم اور جدید ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ دہلی کالج کی تاسیس ۱۸۲۵ء میں ہوئی۔ اس سال کلکتہ، بمبئی اور مدراس میں یونیورسٹیاں قائم کی گئیں۔ ۱۸۶۷ء میں دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔ ۱۸۷۰ء میں لاہور میں 'اوری انٹیل کالج' قائم ہوا جہاں السنہ مشرقی کی

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

حالات کہ اس میں 'بلکہ دیش' بھی شامل ہے۔ ثانیا جب ہم (Continent) کا ترجمہ براعظم کرتے ہیں، تو پھر Sub Continent کا ترجمہ برصغیر کیوں کر صحیح ہے۔ اعظم کا اسم تصنیف عظیم ہے صغیر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے شہرہ آفاق مؤرخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے اپنی تصنیف کا نام برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ رکھا۔ اُس وقت تک بلکہ دیش کا وجود نہ تھا۔ (محمد اسلم، پروفیسر: تحریک پاکستان، ص ۱۲)

۵۔ نجیب جمال، ڈاکٹر: یگانہ تحقیق و تنقیدی مطالعہ۔ لاہور، اظہار سنز۔ باراول ۲۰۱۳ء، ص ۴۶، ۴۷۔  
۱۔ 'دہلی کالج کی تاسیس کے مقاصد میں اگرچہ میکالے کی تعلیمی پالیسی کے علاوہ ہندوستانی کلرک سٹے داموں خرید کر سیاسی بے اطمینانی کم کرنا تھا مگر بقول عتیق صدیقی: 'یہی کالج آگے چل کر مغربی علوم اور مغربی خیالات کی تبلیغ و اشاعت کا مرکز اور ہماری نشاۃ الثانیہ کی تحریک کے ان نوخیز پودوں کی آب یاری کا بڑا منبع بن گیا جن کی فورٹ ولیم کالج (قائم شدہ ۱۸۰۰ء) نے ختم ریزی کی تھی۔ دہلی کالج نے وقت کے شدید تقاضوں کو جس طرح پورا کیا اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کالج کے فارغ التحصیل طالب علموں میں مؤرخ، سائنس دان، ادیب، نقاد، ریاضی داں اور اخبار نویس بھی نکلے جو اردو اخبار نویسی کے سابق الاؤلوں میں گنے جاتے ہیں۔' ('ہندوستانی اخبار نویسی' کمپنی کے عہد میں' انڈس پبلی کیشنز کراچی، ۱۹۸۰ء، ص ۳۲۰)۔ دہلی کالج کا روشن پہلو یہ ہے کہ اس درس گاہ میں میکالے کے منصوبے کا وہ پہلو شمر بار نہ ہو سکا جس کا مقصد ہندوستانی سر میں انگریزی و ماغ رکھنا تھا۔ (نجیب جمال، ڈاکٹر: ایضاً، ص ۴۷)

۲۔ بقول عبدالرشید میاں: 'دُچسپ بات یہ ہے کہ علی گڑھ تحریک کے بانی سید احمد خان اور دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی دونوں ایک ہی استاد مولانا مملوک علی نانوتوی کے شاگرد تھے۔ مولانا قاسم، حاجی امداد اللہ صاحب کے سلسلہ بیعت میں داخل تھے۔ حاجی صاحب موصوف شاہ محمد اسحاق سے فیض یافتہ تھے، جو شاہ عبدالعزیز کے نواسے اور جانشین تھے۔ حاجی صاحب ساری عمر مختلف اسلامی فرقوں کے اختلافات دور کرنے میں کوشاں رہے۔ ان کا مسلک یہ تھا کہ مسائل نزاعیہ میں سے اکثر میں محض نزاع لفظی ہے، اور مقصود متحدہ شروع میں یہ حضرات فرقہ پرستی سے بالا راہ اعتدال پر گامزن رہے، مگر بعد میں انھوں نے اپنی مصالحت پسندانہ روش ترک کر دی اور خود ایک (باقی اگلے صفحہ پر)

تدریس کے ساتھ ساتھ یورپی علوم و فنون، جدید ہندوستانی زبانوں (عربی، فارسی، ہندی اور اردو) کے ذریعے پڑھانے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ ۱۸۷۷ء میں سرسید نے جدید تعلیم کو فروغ دینے کے لیے 'محمدان اینگلواری اینٹل کالج' قائم کیا جس نے آگے چل کر مسلمانان ہند کی فکری و علمی رہنمائی کا فریضہ ادا کیا۔ سرسید ہی نے ۱۸۸۶ء میں 'آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس' کی بنیاد ڈالی، جس نے 'آل انڈیا مسلم لیگ' کے قیام کی راہ ہموار کی۔

(بقیہ حاشیہ)

فرقہ بن کر دوسرے فرقوں کے مقابل آ گئے۔ نہ صرف یہ بلکہ انھوں نے اپنے بزرگوں کی وسعت نظری کو بھی ترک کر دیا اور روح اسلام کو نظر انداز کر کے چھوٹی چھوٹی باتوں پر زور دینے اور لڑنے جھگڑنے لگے۔ خاص طور پر ان کے افکار مغرب (یا علوم مغرب؟) سے بیزاری نے انھیں بہت نقصان پہنچایا۔ اپنے ذہنوں کو مسدود کر لینے کے باعث ان کے فکر کے سوتے خشک ہو گئے۔ نیز ان کی کانگریس سے وابستگی نے مسلمانوں کو بہت سیاسی نقصان پہنچایا۔ یو امولا ناشیر احمد عثمانی اور ان کے چند رفقاء کے، ان میں سے کسی قابل قدر ہستی نے تحریک پاکستان کا ساتھ نہ دیا۔ (حوالہ: پاکستان کا پس منظر اور پیش منظر، مشمولہ: باب دیوبند۔ ص ۱۱ و بعدہ۔ ادارہ تحقیقات پاکستان، دانش گاہ پنجاب، لاہور ۱۹۸۲ء)۔ انوس اس بات کا ہے کہ جمعیت العلمائے ہند کے رول کو سراہنے والے عناصر، جو اب وطن عزیز میں مولانا عثمانی مرحوم کی جمعیت علمائے اسلام کے پلیٹ فارم سے سیاست کر رہے ہیں، پاکستان کے قیام کو گناہ سے تعبیر کرتے ہوئے اس مملکت کے بنانے اور اس کی حمایت کرنے والوں کو ملزم گردانتے ہیں (قاللہ وانا الیہ راجعون)۔ مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم کہتے ہیں: "مفتی محمود اور مولانا یوسف بنوری، جو کہ جمعیت العلماء ہند صوبہ گجرات کے صدر تھے، ان دونوں کا نظریہ یہ ہے کہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کو پاکستان بنانے کے جرم کی پاداش میں قبر میں عذاب مل رہا ہے"۔ (حوالہ: دی گریٹ لیڈر (اردو)۔ جلد اول۔ ص ۷۹۔ آتش فشاں لاہور ۲۰۱۱ء)۔

۱۔ آج ہم آسانی دیکھ سکتے ہیں کہ سرسید نے جس سیاسی پالیسی کی بنیاد رکھی تھی، بالآخر قوم نے اسی کو اختیار کیا اور وہی کامیاب رہی۔ مسلمانان ہند کی فکری اور سیاسی لیڈر شپ مغربی تعلیم یافتہ اصحاب ہی نے سنبھالی۔ اقبال اور قائد اعظم دونوں اعلیٰ مغربی تعلیم سے مرصع تھے۔ انہی کی مساعی جیلہ سے پاکستان قائم ہوا۔ اور پاکستان کا قیام سرسید ہی کی پالیسی کا نتیجہ اور اس کی صداقت پر مہر ہے۔ (عبدالرشید، میاں)۔ 'پاکستان کا پس منظر اور پیش منظر'۔ مشمولہ: سرسید احمد خان۔ ص ۱۱۰، 'حقیقت یہ ہے کہ اگر سرسید اور ان کے مغربی تعلیم کی تحریک نہ ہوتی تو مسلمان آزادی کی تحریک میں اس طرح شریک نہ ہوا تے۔ ۱۹۰۷ء میں مولانا محمد علی نے سرسید کی روح سے یہ کہہ کر۔

سکھایا تھا تمہیں نے قوم کو یہ شور و شر سارا جو اس کی انتہا ہم ہیں تو اس کی ابتدا تم ہو ایک تاریخی حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے۔ (خلیق احمد نظامی، پروفیسر: 'سرسید کی فکر اور عصر جدید کے تقاضے'۔ ص ۱۱۰)۔



۱۹۱۷ء میں حیدرآباد میں جامعہ عثمانیہ کا قیام عمل میں آیا جس کا سربراہ امیر عثمان علی خاں والی حیدرآباد کے سر ہے۔ اس ادارے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تمام مغربی علوم اردو زبان میں پڑھائے جانے لگے اس کے ساتھ انگریزی زبان کی تعلیم بھی لازمی مضمون کے طور پر برقرار رہی۔ مغربی علوم و فنون کی درسی کتابوں کے اردو ترجموں کے لیے ۱۹۱۷ء میں دارالترجمہ قائم ہوا جہاں مستند اور معیاری کتابوں کا ترجمہ کیا گیا۔ ۱۹۲۰ء میں علی گڑھ میں مولانا محمد علی جوہر کی کوششوں سے جامعہ ملیہ اسلامیہ کا قیام عمل میں آیا، ۱۹۲۵ء میں اسے دہلی منتقل کر دیا گیا۔ ۱۷

ازیں علاوہ اسلامیہ کالج لاہور (قیام: یکم مئی ۱۸۹۲ء) اور اسلامیہ کالج پشاور (آغاز: ۱۹۱۳ء) بھی قائم کیے گئے تھے۔ سید احمد خان اور دیگر قائدین اس امر کو پا چکے تھے کہ صرف مسلمانوں کی ہی نہیں بلکہ ہر قوم کی ترقی و اعلیٰ کامیابی کا راز صرف مسئلہ تعلیم کے عمدہ طریقے سے حل ہونے پڑتی ہے، اور یہ فریضہ ایجوکیشنل کانفرنس بخیر و خوبی انجام دے رہی تھی۔

یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ انقلاب حکومت اور تغیرات زمانہ سے ہر چیز اثر پذیر ہوتی ہے، اس انقلاب اور مغربی خیالات کی ترقی و اشاعت نے ہندوستان میں مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے مسئلہ کو نہایت اہم اور ایک لحاظ سے پیچیدہ بھی بنا دیا تھا۔ جب کہ اسلامی عہد حکومت میں قدیم و جدید علوم کی کشمکش نہ تھی یہ مسائل کبھی زیر بحث ہی نہ آئے تھے، جو اس دور میں پیدا ہو گئے۔

جیسا کہ مشاہدہ میں آیا، متحدہ ہندوستان کے طول و عرض میں جب ایجوکیشنل کانفرنس کی شاخیں قائم ہو رہی تھیں، تو بعض حساس مسلمان جو غالباً کم نظری مگردیانت داری سے یا پھر شاید طرزِ کہن پر اڑنے اور آئینِ نو سے ڈرنے کے مصداق کانفرنس کی سرگرمیوں سے اپنے کو بچانا چاہتے تھے، کی جانب سے کچھ خدشات کا اظہار کیا جانے لگا، اور اس کے ازالہ کے لیے انھوں نے اس وقت کے اہل علم سے رجوع کرنا مناسب سمجھا اور ان کے سامنے ایک سوال استفتا کی صورت

۱۔ یگانہ۔ تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، ص ۴۸

۲۔ استفتا۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس سوال میں کہ اس ملک کا ٹھیاواڑ میں ایک مجلس بنام کاٹھیاواڑ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، کاٹھیاواڑ کے مسلمانوں کی تعلیمی مجلس قائم ہوئی ہے جن کے محرک و متعارفین و متعلقین علیحدہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

کالج ہیں۔ ۲ اکتوبر ۱۹۱۶ء کو ان کا پہلا جلسہ جو ناگڈھ میں ہوا، جس کی صدارت پروفیسر ڈاکٹر ضیاء الدین احمد، نظامت کے فرائض منشی غلام محمد بیر سٹرائٹ لا کاٹھیا واڑی نمائندہ علیکڈھ کالج و مؤید آل انڈیا محمد نالنجو کھٹل کانفرنس نے انجام دیے، حاضرین جلسہ سے خطاب مشہور واعظ مولوی سلیمان پھلواری نے کیا۔ اس کانفرنس کا مقصد وحید تمام مسلمانوں کی دینی و دنیوی ترقی بتایا گیا ہے۔ ایک ایسی کانفرنس جس میں مجملہ مدعیان اسلام بشمول ایسے گروہوں کے کہ جن سے مسلمانان اہل سنت و جماعت کو بنیادی نوعیت کے اختلافات ہیں، ہم (بحیثیت سواد اعظم) کیا اس تعلیمی کانفرنس کے لیے داسے، درمے، قدسے، سختے کسی قسم کی معاونت کر سکتے ہیں۔ جواب آنے پر ان شاء اللہ تعالیٰ اس استفتا کو چھپو کر اس ملک کا ٹھیا واڑی و گجرات و برٹانویہ جگہ پر بغرض اشاعت مسلمانوں میں عام طور پر تقسیم کیا جائے گا۔

فقط..... راقم آتم خادم قاسم میاں عفی عنہ

از مقام گوئڈل علاقہ کاٹھیا واڑی

تاریخ ۱۲ المحرم الحرام ۱۳۳۵ ہجریہ مقدسیہ پنجشنبہ

ماخوذ..... (استفتا: الدلائل القابریہ علی الکفرۃ النیاشرہ) بار اول ۱۹۱۷ء

بد قسمتی کسی اس قوم کے ہمرکاب رہی ہے کہ موہوم و مفروض خدشات کو بنیاد بنا کر علوم عصری پر رقیب اقوام کے برابر لانے بلکہ ان پر سبقت لے جانے کی سعی جمیل کے خلاف علمائے دین سے ایسے فتاویٰ حاصل کیے گئے، جن کے باعث اس راہ روشن کو تاریکیوں سے ڈھانپ کر ملت کی منزل کھوئی کی گئی۔ ساون کے کچھ اندھوں کو آج بھی ہر اہر اہی سوچتا ہے حال آنکہ زمانے کے پلوں کے نیچے سے پانی اپنی پوری رفتار کے ساتھ بہتا چلا آ رہا ہے۔ بعض ایسے ایمان فروش مفاد پرست بھی ہیں کہ ان فتاویٰ کے پشتارے اپنی کمر پر اٹھائے سر بازار نفر توں کی تجارت سے پیٹ کا دوزخ بھر رہے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے کہا تھا: 'انقلابات و حادثات نے ماضی کے بہت سے نظریات کو یا تو رد کر دیا ہے یا پھر ان پر منہر تصدیق ثبت کر دی ہے'، لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ آج بھی بعض حضرات پوری استقامت کے ساتھ 'مرغ کی ایک ہی ٹانگ پر یقین کامل رکھتے ہیں۔ علامہ نے ہمارے اس مرض پر بجا طور پر کہا تھا۔

آئین تو سے ڈرنا طرز کہن پہ اڑنا

منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

مقام صد اطمینان امر یہ ہے کہ ہر ہر دور میں صاحبان بصیرت نے بنظر غائر حقائق کو دیکھا اور رائے عامہ کی رو میں یہ نکلنے کے بجائے اپنی بات دو ٹوک انداز میں کہی بھی۔

چنانچہ فتاویٰ کی بھیڑ میں علامہ شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی حضرت مولانا محمد عبدالعظیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ (۲ اپریل ۱۸۹۳ء - ۲۲ اگست ۱۹۵۳ء) کا فتویٰ ایک روشن چراغ کی مانند آج بھی پوری آب و تاب کے ساتھ ان کی دُور رس نگاہ کو خراج تحسین پیش کرتا نظر آتا ہے:



(۷۹) تصدیق جناب مولانا مولوی محمد عبد العظیم صاحب میرٹھی زید مجاہدہ

مبطلًا وحادثًا وحقًا (جبل وعلان) رومصلیٰ و مسلمًا محمدًا (سلم اللہ علیہ وسلم) اما بعد  
 کاشیا وار سلم ایچو کشل کافرش کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سلمان کاشیا واری ایک تعلیمی انجمن پر  
 مسلمانوں میں علوم کی روشنی پھیلاتا اور ان کو جمالت کے تحریکات سے نکالتا ایک ایسا ضروری و اہم اثر  
 جس کے متعلق قرآن عظیم میں بول وارد ہوتا ہے ولکن منکما مة یطعون الی الخیر و یامرون  
 بالمعروف و ینہون عن المنکر نیز ارشاد ہوتا ہے کہ یرحم اللہ الذین امنوا منکم و الذین  
 اولوا العلم و درجت طلب علم کے متعلق قرآن حضور عالم باکان و ما یکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتا  
 کہ طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمان نیز المطلب العلم ولو کلان بالاصح۔ لیکن سب سے  
 اہم سوال یہ ہے کہ یہاں علم سے مراد کونسا علم ہے کیونکہ مذہب العلوم حضرت سیامولی علی کرم اللہ تعالیٰ وہم کا اثر  
 ہے کہ العلوم خمسة الفقہ للاذیان والطب للابدیان والخصیسة للبتان والخصو للسان  
 والنجوم للزمان کذا فی مدنیۃ العلم وقال الامام الشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ العلم علما  
 علم الطب لا یطوہم الفقہ للاذیان۔ سوال مذکور الصمد کا جواب آیات کلام عظیم و احادیث نبوی کریم  
 علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مضامین کو ترتیب دینے سے باقی توجہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں اس علم سے مراد  
 علم دین ہی ہے نہ چنانچہ اسی پر مفسرین و محدثین کا اجماع۔ اور اگر جیسا کہ بعض مآلین معانی آیات و احادیث  
 کثرت میں کہ علم انبان بھی اسی میں داخل ہیں تو بھی یہ امر یقینی ہے کہ علوم دینی کو برتر و علوم اہیان پر  
 اولیت ان مآلین کے نزدیک بھی مسلم ہوگی اس لیے معاملات تعلیم و تعلم علوم پر غور کرنے والوں کے لیے  
 منکر میں ہی نہیں بلکہ لغو ہے فاسئلوا اهل الذکر انکتلو لاقلمون اہل ذکر و انکتان و لعل کاسود  
 بنے کے لیے الذین امنوا کا ہونا نیز طلب علم کی وضعیت کا حکم پانے والوں کے لیے مسلم و مسلمہ کا ہونا لازمی ہے  
 پس جہاں مسائل تعلم و تعلیم پر غور کرنے کے لیے اہم و ضروری ہے کہ وہ افراد جمع ہوں جو یہ دعوت الی الخیر  
 و باری فی المعروف و ینہون عن المنکر و اهل الذکر کے بعد ان کھلاتے یا سکین اور تعلیمی مشورہ کیلیں  
 یرحم اللہ الذین امنوا منکم و الذین اولوا العلم و درجت طلب علم کے متعلق قرآن حضور عالم باکان و ما یکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتا  
 اہم و اولین کو مہمیں کرتے ہوئے ہمیشہ معرفت و اذ کے لیے تجارت و ذراعت صنعت و معرفت نیز ای  
 است و کتب کے تعلم و تعلیم کے متعلق بھی مشورہ کہیں جن کے حصول سے دین میں نقصان آنے کا احتمال  
 صنعت ہی و ہر توانی انجمن محمد اور اس انجمن کی شرکت مسجد کی جائے گی البتہ اگر انکان انجمن مقرا  
 عن الذین اولوا العلم میں مشورہ تعلیم و تعلم علم غریب جن مایمان تودہ انجمن یقینا مرد و ماسا کی شرکت  
 سے اہل ایمان کے لیے برتر و گزنیہ واجب جیسا کہ اہل علم کے فلسفہ سے یہ صنعت ثابت ہو چکا۔ اور قرآن عظیم  
 و علم جل جہہ اکمل و اتم۔ فقیر محمد عظیم رضا القادی خضر



## وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

مسلمانو تمہاری دین دنیا کی بھلائی اور سچی حق پر خیر خواہی کیلئے یہ مبارک فتوے امام  
اہل سنت قائد برکت قاضی ذہبیت و پیریت مجدد ائمہ حاضرہ مؤید عالمی حضرت مولانا  
مولوی مفتی احمد رضا خان صاحب قادری برکاتی متع اللہ المسلمین بطول بقائے  
دربارہ کا عباد اسلام کی کجوشن کا نفیس بڑے حسین بدلائں قاضی و ثابت کیا گیا ہے کہ  
اس میں شرکت اور کسی قسم کی امداد حرام اور سخت حرام ہے۔ اسے بغور پڑھو اور اپنا عمل اس پر  
تواضع سے کرو نیز تمہارے مزید اطمینان کیلئے اس فتوے کی تائید و تصدیق میں اس میر حکیمانہ  
کے عظیم القدر سے سہمی ہے

## الدلائل القاهرة على الكفرة النيانسة

مؤلف

حاجی مفتی جناب حاجی قاسم میاں صاحب نام جامع گوئل قلم کا عباد  
حرف کش جناب شمس حاجی لعل خان صاحب کے نام لکھتے ہیں  
جناب حکیم مولوی ابوالفضل الامجد علی صاحب اعظمی قادری رضوی نے

مطبع اہل سنت جماعت سیلی میں چھاپکے شائع کیا



ملنے کا پتہ :- دفتر جماعت اہل سنت - محلہ مختار خان - پبلی ہیٹ - یو۔ پی۔

## وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

مسلمانو تمہاری دین دنیا کی بھلائی اور سچی حقیقی خیر خواہی کیلئے یہ مبارک فتوے امام  
اہل سنت قانع بدعت قانع ندویت و غیرت مجدد مائے حضرت علیہ السلام حضرت مولانا  
مولوی مفتی احمد رضا خان صاحب قادری برکاتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ  
دوبارہ کاٹھیاوار مسلم ایجوکیشنل کانفرنس ہے جس میں بدلائل قاہرہ ثابت کیا گیا ہے کہ  
اس میں شرک اور کسی قسم کی امداد حرام اور سخت حرام ہے اسے بغور پڑھو اور اپنا بھلا چاہو  
تو اس پر عمل کرو نیز تمہارے مرید الطینان کیلئے اس فتوے کی تائید و تصدیق میرا مشاعرہ علامہ ہند  
کے جلیل القدر فتوے سنی بہ

## الدلائل القاهرة على الكفرة النياشرة

جسے مسلم لیگ کی شرکت و درگنت و امداد و اعانت کا حکم شرعی بھی واضح و آشکار  
مؤلفہ

حاجی سنت حاجی حاجی قائم میاں صاحب امام جامع گوندل علاقہ کاٹھیاوار  
حبیبہ بخش اراکین انجمن تبلیغ صداقت ممبئی  
پرنٹر سلطان حسن نے اپنے مطبع سلطان واقعہ ایڑہ والہ میں چھاپا اور

پبلشر

غشی مصطفیٰ خان قادری فیض آبادی نے شائع کیا

قیمت

۱۹۳۲ء

بار دوم ایکڑ اور جلد

عکس سرورق: رسالہ ”الدلائل القاهرة على الكفرة النياشرة“ طبع بمبئی ۱۹۳۲ء

ملنے کا پتہ :- سید محمد خان قادری مولوی - نام سید احمد - محلہ مختار خان - پبلی ہیٹ - یو۔ پی۔

بار دوم ایکڑ اور جلد - دفتر انجمن تبلیغ صداقت - محلہ مختار خان - پبلی ہیٹ - یو۔ پی۔

میں مرتب کر کے یہ جاننا چاہا کہ مذکورہ تعلیمی کانفرنس کے اجلاسوں میں ان کی شرکت یا ان کی کسی قسم کی اعانت کے بارے میں کیا حکم ہے۔

وقت تقسیم کی راہیں بناتا ہے:

سن ستاون کے بعد (بالخصوص ۱۸۶۵ اور ۱۸۷۵ء کے درمیان) مغربی تعلیم کی ترقی پر یہ حالت نے علمائے کرام اور جدید تعلیم یافتہ اصحاب کے درمیان خاصا اختلاف پیدا کر دیا تھا۔ تعلیمی کانفرنس کے قائدین مذکورہ احوال سے ہرگز بے خبر نہ تھے۔ اس لیے وہ اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے پیدا شدہ خلیج کو پائنے کی کوشش کرتے رہے۔ امت مسلمہ کا اجتماعی مفاد ان کے پیش نظر رہا۔ یہ اختلاف بتدریج کم ہوا۔ ۱۹۲۵ء کے ایک اجلاس میں مولانا رحیم بخش اپنے خطبہٴ صدارت میں فرماتے ہیں:

.....”افسوس ہے کہ اجتماعی حیثیت سے مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے مسئلہ کی اہمیت کا صحیح اندازہ کیا گیا اور نہ ابتدا میں ان دشواریوں کو حل کرنے کی کوشش کی گئی، جو مذہبی تعلیم کی راہ میں حائل تھیں۔..... ہر زمانہ کے لیے یکساں طریقہ تعلیم مفید نہیں ہو سکتا، اسی وجہ سے ہمیشہ بہ مقتضائے حالات تبدیلیاں ہوتی رہیں اور آئندہ بھی ہوں گی۔ اس لیے ہم کو ان جدید مشکلات کے حل کرنے کے لیے بھی آمادہ ہو جانا چاہیے، تاکہ ہر جماعت اپنے دائرہٴ عمل کے اندر کام کرے اور قدیم و جدید تعلیم کے لیے جو نظام عمل مرتب کیا جائے وہ ایسا صاف و واضح ہو کہ اختلاف آرا کا اندیشہ کلیتاً نازل ہو جائے۔

مغربی تعلیم کی روز افزوں ترقی و اشاعت نے آخر کار مسلمانوں میں بھی ایک ایسا گروہ پیدا کر دیا، جس کی آزادانہ معاشرت و عقائد نے قدیم جماعت کے

۱۔ درود دل رکھنے والے علماء کرام اور ارباب دانش ہمارے علماء دین کی عمومی روش پر بجا طور پر کبھی اور نچیدہ رہتے تھے۔ پروفیسر سید سلیمان اشرف اعلیٰ اللہ مقامہ اس بلی مرض کہنے کی نشان دہی کرتے ہوئے ایک محکمہ سندیش کرتے ہیں:-

”تغیر عالم کو دیکھتے ہوئے علماء کرام نے اپنے دل و دماغ کو سیاست کی فکر سے ایسا بے نیاز کر لیا تھا کہ علامہ ابن خلدون کو اس مقدس گروہ کے حق میں یہ فیصلہ دینا پڑا کہ ابعدا الناس عن السياسية هم العلماء یعنی علماء کا دماغ سیاست کے سمجھنے سے بہت ہی دُور ہے۔“

(بحوالہ: القورص، ۱۹۱)



مذہبی جذبات کو اس حد تک برا سمجھتے کر دیا کہ انھوں نے ان نوجوانوں کو ملحد و زندیق قرار دیا۔ گویا مسلمانوں میں دو فریق پیدا ہو گئے جو مدت تک باہم دست و گریباں اور ایک دوسرے سے نا آشتار ہے، لیکن خدا کا شکر ہے کہ اب رفتہ رفتہ یہ بے گانگی کم ہوتی گئی، اور وہ وقت آ گیا کہ فریقین اپنی اپنی جگہ پر مسلمانوں کی مختلف تعلیمی ضروریات کا احساس کر کے ایک ایسا تعلیمی نظام مرتب کریں، جو مسلمانوں کی ہر قسم کی دنیوی و مذہبی ضرورتوں پر مشتمل ہوتا کہ آئندہ تصادم کا اندیشہ نہ رہے۔ اب وہ زمانہ آ گیا کہ نہ تو انگریزی پڑھنا کفر و الحاد خیال کیا جاتا ہے اور نہ مذہبی تعلیم کی ضرورت سے کسی کو انکار ہے، اس لیے کیوں نہ فریقین باہمی معاونت سے کام کریں تاکہ ایک طرف تو مسلمانوں میں جدید علوم و فنون کا رواج ہو اور دوسری طرف ان کا سینہ مذہبی علوم سے منور ہو، اور اسلامی تہذیب و شائستگی ان کا شعار ہو۔

علماء کو بھی اب جدید تعلیم کی ضرورت سے انکار نہیں ہے، اور ندوۃ العلماء کے پلیٹ فارم پر تو بار بار اس کا اعلان کیا گیا کہ وہ انگریزی تعلیم کو صرف تو لا ہی ضروری نہیں سمجھتا بلکہ اس نے اپنے دارالعلوم میں انگریزی کو بطور زبان ثانی داخل کر کے عملاً بھی اس کا ثبوت دیا ہے کہ علماء کے لیے بھی مذہبی نقطہ نظر سے انگریزی

۱۔ ۱۸۹۳ء میں لکھنؤ میں ندوۃ العلماء قائم ہوا جس کا مقصد قدیم علماء اور علی گڑھ کے مدبرین کے انتہائی نقطہ ہائے نظر میں اعتدال اور توازن کا راستہ تلاش کرنا تھا اور اس کے ساتھ نصاب تعلیم کی اصلاح، علوم دین کی ترقی، تہذیب اخلاق، شائستگی اطوار کا فروغ، علماء کے باہمی نزاعات کا رفع کرنا اور عام مسلمانوں کی اصلاح و فلاح اس کے مقاصد تھے۔ اردو زبان کا سب سے بڑا اسلامی رسالہ 'معارف' ندوہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ (نجیب جمال، ڈاکٹر: یگانہ تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، ص ۴۴، ۴۵)

۲۔ 'ندوہ' نے کلمہ علوم عربیہ و دینیہ کے ساتھ تعلیم انگریزی بھی داخل نصاب کی تاکہ اس مدرسہ کا فارغ التحصیل طالب العلم اگر انگریزی تعلیم حاصل کرنا چاہے تو پانچ برس میں گریجویٹ ہو جائے اور اگر مطالعہ و محنت سے کام لے تو اس قدر استعداد اس میں موجود ہے کہ بغیر داخلہ کالج قوت مطالعہ سے ہر طرح کا فائدہ کتب انگریزی سے حاصل کر سکے۔ ندوۃ العلماء کے سند یافتہ اس وقت ملک میں موجود ہیں ان کی لیاقت و فضل کا ثبوت ان کی مصنفہ کتابوں سے ملتا ہے۔ (محمد سلیمان اشرف: 'التور' علی گڑھ ۱۹۲۱ء، ص ۱۹۸)

ایسی ہی ضروری ہے جیسی عام مسلمانوں کے لیے، البتہ ندوہ کی یہ خواہش ضرور ہے کہ انگریزی تعلیم اسلامی تربیت کے ساتھ دی جائے، اور انگریزی خواں جماعت، اسلامی عقائد و روایات سے باخبر ہو، اس کا مقصد سادہ الفاظ میں یہ ہے کہ مسلمان مسلمان رہ کر انگریزی حاصل کریں، اگر وہ ایسا کر سکیں تو اسلام ان کو کسی زبان اور کسی علم و فن کے سیکھنے سے منع نہیں کرتا، تاریخ اسلام میں بکثرت ایسی مثالیں موجود ہیں کہ مسلمانوں نے دوسری قوموں کے علوم و فنون سیکھے بلکہ ان علوم میں یہاں تک کمال حاصل کیا کہ استاد اور امام کے درجہ تک پہنچے۔ ۱۔

### سید سلیمان اشرف کا چشم کشا خطاب:

مذکورہ حوالہ کے بعد اگر الخطاب (۱۹۱۴ء) سے درج ذیل اقتباس کا مطالعہ کر لیا جائے، تو ناظرین کرام کو احساس ہوگا کہ وہ مسلمان جو علوم مغربی کو یعنی یورپ کا تمدن، سائنس سب کچھ کفر قرار دیتے (کہ مسلمانوں کو اسلام کے اساسی منابع کی طرف لوٹنا چاہیے) تھے، کہاں کھڑے تھے؟ سید العلماء مولانا سید سلیمان اشرف تمدن، سائنس اور قرآن مجید کے تحت فرماتے ہیں:

’پس اے عزیزو، کیا تمدن کی روح اس کے سوا اور چیز ہے؟ کیا سائنس الہی اس امر کو منکشف نہیں کرتا کہ کس چیز کو ہم کس طرح اپنے کام میں لائیں؟ اگر یہی بات ہے اور ضرور یہی ہے، تو میں ڈنکے کی چوٹ سے کہتا ہوں کہ تمدن و سائنس کی سنگ بنیاد قرآن کریم کی یہی تعلیمات ہیں۔ سائنس پڑھنا، اس میں

- ۱۔ صدارتی خطبہ الحاج مولانا سرجم بخش: اجلاس ہستم (۲۰واں) ندوۃ العلماء لکھنؤ منعقدہ ۲۸ نومبر ۱۹۲۵ء بمقام انبالہ، بحوالہ تاریخ ندوۃ العلماء (حصہ دوم) مرتبہ: شمس تبریز، مولوی۔ طبع لکھنؤ، بار اول ۱۹۸۳ء، ص ۲۹۳ و بعدہ۔
- ۲۔ مولانا سلیمان اشرف نے جب یہ دیکھا کہ مسلمان انگریزی تعلیم کی مخالفت اس لیے کر رہے ہیں کہ ان کے خیال میں ایک غیر ملکی اور غیر مسلم قوم کی زبان سیکھنا مذہباً جائز نہیں تو آپ نے مسلمانوں کے خیالات کی اصلاح کی، پُر زور مضامین اور خطبات کے ذریعے ایسے ادھام و خیالات فرسودہ کی نہ صرف تہ وید کی بلکہ ثابت کیا کہ مذہب علوم جدیدہ کا مخالف نہیں ہے۔ اس طرح مسلمانوں میں سرسید کی تعلیمی کانفرنس کے خلاف نفرت میں کمی پیدا ہوئی اور تحریک علی گڑھ کو تقویت ملی۔



کمال پیدا کرنا، حقیقت میں مسخرہ مخلوق سے مستفید ہوتا ہے، اور اُن کے مسخر ہونے کو با معنی بنانا ہے۔ کوئی وجہ اس کی نہیں کہ قرآن ہمیں جن امور کی طرف رہنمائی کرے جن سے بہرہ مند ہونے کی ترغیب دلائے ہم اُسے مذہب کے خلاف سمجھیں۔ پھر تو کھانا پینا، پہننا، رہنا سب ہی دشوار ہو جائے گا۔ رہی یہ بات کہ کون سی زبان میں ان علوم کو پڑھیں؟ اس تنگ وقت میں زیادہ بحث کا تو موقع نہیں لیکن اس قدر سمجھ لیجئے کہ اُردو، فارسی، پنجابی، پشتو، بنگلہ وغیرہ وغیرہ تو جائز ہوں مگر یورپ کی زبان حرام آخر اس کی وجہ؟ اگر آج تمام یورپ یا کوئی اُس کا حصہ دائرۂ اسلام میں آجائے تو کیا اُسے اپنی مادری زبان کا بولنا یا اُس میں پڑھنا حرام ہو جائے گا؟ کیوں خدا کی رحمت کو اس قدر تنگ کیا جائے؟ اور ترجیح بلا مرجح دی جاوے؟ الحکمۃ ضالۃ المؤمن حکمت مومن کی گم شدہ چیز ہے۔ اپنی چیز جہاں تحصیل مل جائے اُسے فوراً اٹھا لو

خن کز بہر حق گوئی چہ عبرانی چہ سریانی  
مکان کز بہر او جوئی چہ جابلقا چہ جابلسا

ایک غلط فہمی کا ازالہ:-

یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ بعض مسلم راہنماؤں کا خیال تھا اور بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی، وہ یہ سمجھتے تھے کہ سید احمد خاں مشرقی علوم کے دشمن ہیں اور اپنی ہر قومی چیز کی قیمت پر غیر ملکی چیز کو قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔ سید احمد خاں کی پوری زندگی، ان کی تصانیف کا ایک ایک حرف اس خیال کی تردید کرتا ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ مشرق کی ہر عمدہ چیز کو باقی رکھا جائے لیکن مغرب کی بھی کسی اچھی چیز کے حاصل کرنے میں گریز نہ کیا جائے۔ امرتسر میں تقریر کرتے ہوئے انھوں نے ایک بار کہا تھا:

’مسلمانوں کو بھی یہ لازم ہے کہ عربی زبان کی تحصیل نہ چھوڑیں۔ یہ ہمارے باپ دادا کی مقدس زبان اور ہمارے قدیم ملک کی زبان ہے جو فصاحت و بلاغت میں سمنک (Semitic) زبانوں میں لاثانی ہے مگر افراط و تفریط نہ ہو۔ اس زبان میں ہمارے مذہب کی ہدایتیں ہیں لیکن جب کہ ہماری محاش، ہماری بہتری، ہماری

۱۔ الخطاب، ص ۲۲، ۲۳ ۲۔ آثار جمال الدین افغانی، ص ۱۳۶-۱۳۷ ۳۔ سامی زبان و زبانوں کے افریقہستانی قبیلے کی شاخ جس میں عبرانی، نبطی، آرامی، اکادی، عربی اور حبشی زبانیں شامل ہیں۔

زندگی با آرام بسر ہونے کے ذریعہ بلکہ ہمارے اس زمانے کے موافق انسان بنانے کے وسائل انگریزی زبان سیکھنے میں ہیں تو ہم کو اس طرف بہت توجہ کرنی چاہیے۔<sup>۱</sup> الغرض بقول انور معین زیری، متذکرہ دور میں مسلمان خود مغربی علوم و فنون کو اپنے لیے ایک زبردست خطرہ سمجھتے تھے اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سے اداروں کو کم زور کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ حال آنکہ ان تعلیمی اداروں کا قیام اور علوم کا حصول مسلمانوں کے مفاد میں تھا، مولانا سلیمان اشرف رقم طراز ہیں:

’انگریزی سلطنت جب اپنے ساتھ علوم مغربیہ ہندوستان میں لائی تو ہندوستانیوں نے دیکھا کہ اب بقا اور نمود کی زندگی بغیر علوم مغربی حاصل کئے ناممکن ہے، تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا اور ہندوؤں نے بڑھ کر تعلیم انگریزی کا استقبال کیا اور خوش آمدید کا نعرہ بلند کیا۔ جب اس قوم کے ایک خاص حلقہ میں یہ تعلیم پھیل گئی اور انگریزی کے واقف کار کچھ ہندوؤں میں تیار ہو گئے تو ان میں احساس پیدا ہوا اور حکومت کے انداز فرماں روائی پر نکتہ چینی شروع کی اپنے حقوق کے باب میں صدائے احتجاج بلند کی ہوم رول سلف گورنمنٹ یا سواراج کا تخیل سب سے پہلے علم مغربی سے آشنادماغ میں آیا۔ حکومت خود مختاری کی صدا جس نے اپنے منہ سے نکالی اور ہندوستان کے رہنے والوں کو یہ سامعہ نواز نغمہ جس نے سنایا وہ انگریزی دان ہندوستانی تھا۔ کانگریس جو سواراج کا سنگ بنیاد ہے اس کی تائیس اور پھر اس عمارت کی تعمیر و تکمیل جن ہاتھوں نے کی ہے وہ سب انگریزی خواں اور انگریزی داں ہیں۔ مسلمانوں میں جب علوم مغربیہ کا آغاز ہوا اور پھر ان میں بھی ایک تعداد

۱۔ تقریر بمقام امیر تبریز تاریخ ۲۹ جنوری ۱۸۸۳ء (”لکچروں کا مجموعہ“ ص ۱۸۳) بحوالہ سرسید کی فکر اور عصر جدید کے تقاضے، طبع دہلی، ۱۹۹۳ء، ص ۸۷۔

۲۔ ماضی کے واقعات اس غرض سے فراہم کیے جاتے ہیں کہ آنے والی نسلیں ان سے فائدہ اٹھائیں اور ان کی روشنی میں اپنے طریقہ عمل کو درست کر سکیں۔ ماضی کے واقعات قابلِ فخر بھی ہیں اور باعثِ عبرت بھی، جو ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ (ظہور الدین)



تعلیم یافتوں کی تیار ہوگئی تو احساس و تاثیر یہاں بھی ظاہر ہونے لگے لیکن افسوس ع  
ہم ابھرتے ہوئے جھونکے میں خزاں کے آئے

(التور، علی گڑھ ۱۹۲۱ء، ص ۱۹۲، ۱۹۳)

ڈاکٹر ایچ۔ بی۔ خان نے بھی اپنے مقالہ (تحریک علی گڑھ تاقیام پاکستان و قرار واد مقاصد)  
کے آغاز میں لکھا کہ: 'لیکن جو قوم یا قومیں تھکن، اضمحلال اور ناکامی سے صرف اس قدر سبق لیتی ہیں  
کہ زرا تھوڑا آرام کرنے کے بعد پھر قوائے مضحل کو تروتازہ کر کے اور پھر سرگرم عمل ہو جائیں وہ نہ  
مردہ ہوتی ہیں اور نہ گنہام و بے صدا، بلکہ وہ اپنی تھکاوٹ اور پس ماندگی کے زمانہ تک آرام کر کے  
تروتازہ اور ہشاش بشاش ہو کر حوصلہ، عزم، استقلال، جرأت اور مردانگی کے ساتھ اٹھتی ہیں اور پھر  
اپنی عظمت رفتہ اور چھینے ہوئے وقار کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے سب کچھ قربان کر دیتی ہیں۔'  
ایجوکیشنل کانفرنس کے حوالہ سے بات زرا آگے نکل گئی، تو یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ  
۱۸۹۰ء میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، ہندوؤں کی کانگریس کی طرح مسلمانوں کی ایک اہم جماعت  
کے طور پر متعارف ہو گئی تھی، جس کی بدولت علی گڑھ مسلمانوں کی ہر طرح کی علمی، ادبی، سیاسی اور  
سماجی سرگرمیوں کا مرکز بن چکا تھا۔

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی علم افروز سرگرمیاں اہل علم کی نظر میں:

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے اسلامیان ہند کی پس ماندگی کا ادراک کرتے ہوئے  
ہندوستان کے تمام چھوٹے بڑے شہروں میں مسلم گزراں اور مسلم بوائز اسکولوں کا جال بچھا دیا،  
اسلامیہ کالج بھی قائم ہونے لگے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تعلیمی میدان میں بھی مسلمان،  
اپنے وطن سے بہت پیچھے تھے۔ جب مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی داغ بیل ڈالی گئی۔ اس وقت  
تک مسلمانوں کی حالت نہایت ابر تھی، کیونکہ ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانان ہند زوال پزیر ہونا شروع

۱۔ زوال پزیر قوم جبکہ وہ ماضی میں اقبال مند اور صاحب اقتدار و اختیار رہی ہو، تو انحطاط کے دور میں اس کی تمام  
تر علمی، فنی، صنعتی و حرفتی، سیاسی، زراعتی، تجارتی، معاشرتی اور معاشی اور دیگر اس قسم کی ترقی و خوشحالی ماند پڑ جاتی ہے تو  
وہ مضحل اور مایوس ہو کر دوسری اقوام کی ترقی و خوشحالی کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ (ایچ۔ بی۔ خان، ڈاکٹر: تحریک  
علی گڑھ تاقیام پاکستان و قرار واد مقاصد، ص ۱۷۱)

ہو گئے اور اغیار کی محکومیت اختیار کر کے وہ بے شمار معاشی، سیاسی، اقتصادی، تمدنی، ثقافتی، معاشرتی، مذہبی اور اخلاقی بیماریوں میں مبتلا ہو چکے تھے۔ مرحوم ضیاء الدین اصلاحی، علی گڑھ تحریک پس منظر اور پیش منظر کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کی ناکامی کے بعد جب مسلمان بے شمار مشکلات و مصائب میں گھر گئے تو انہیں تباہی و بربادی سے بچانے کے لیے علی گڑھ تحریک وجود میں آئی۔ اس کا مقصد ان کی 'نشاۃ ثانیہ' اور ہر شعبہ زندگی میں اصلاح و انقلاب برپا کرنا تھا چنانچہ مسلمانوں کی مذہبی سیاسی، تہذیبی اور تعلیمی زندگی پر اس کے دور رس اثرات مرتب ہوئے۔ ۲۷

سرسید نے تعلیم کو ان تمام روگوں کا علاج سمجھا۔ مولانا سلیمان اشرف نے اپنے لکچر میں مسلم معاشرہ میں در آنے والی ان خرابیوں کا ذکر بھی کیا ہے اور علم کے اُجالے سے ان کے تدارک کی سعی انجام دی ہے۔ جناب آزاد بن حیدر 'تاریخ آل انڈیا مسلم لیگ' - سرسید سے قائد اعظم تک میں محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کے پس منظر میں یوں رقمطراز ہیں:

۱۔ 'ہندوستان سے مسلمانوں کی سلطنت جب زائل ہوئی اور ۱۸۵۷ء کے واقعہ نے ان کی آنکھیں کھولیں تو انھیں معلوم ہوا کہ سلطنت کے ساتھ کمالات و محاسن بھی ان سے رخصت ہو گئے۔ جب اپنی سلطنت علوم اسلامیہ کی حمایت و حفاظت کے لیے نہ رہی تو ترقی کے سارے ذریعے ٹوٹ گئے اور مسلمانوں کے علوم و فنون کی عمارت منہدم ہو گئی۔ جب سلطنت جاتی ہے تو محاسن و کمال صرف اُس قوم سے رخصت ہی نہیں ہو جاتے بلکہ کافی مدت کے لیے اُسے دام حیرت میں ایسا گرفتار کر جاتے ہیں کہ وہ قوم اس انقلاب کلی سے متاثر ہو کر عالم سراسیمگی میں ششدر و حیران ہوتی ہے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ (محمد سلیمان اشرف، پروفیسر مولانا "فقور" ص ۱۸۳، ۱۸۵)۔ ۱۸۵۷ء کا طوفان آیا تو یہ ریت کے تودے زوروں کی طرح ہوا میں اڑتے نظر آئے، نہ سیاسی وحدت کا وجود رہا اور نہ کوئی ملی جمعیت کا نشان، حکمران طبقے انقلاب کی بھیٹ پڑھے، آبرو والے بے آبرو ہو گئے، دوسروں نے نئے آقاؤں کی غلامی کا بھو اپہنا، مسلمان قوم مرگئی گو مسلمان کروڑوں کی تعداد میں چلتے پھرتے نظر آتے رہے۔ سرسید احمد خاں نے نئے سرے سے قوم کو زندہ کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ کروڑوں مسلمان صرف بے جاں اور بے روح ہی نہ تھے بلکہ ان میں کوئی جماعتی شعور بھی باقی نہ رہا تھا۔ (محمد سرور، مضامین محمد علی، مقدمہ، صفحہ الف)

۲۔ معارف، اعظم گڑھ (بھارت) شمارہ ۵، جلد ۱۲، مئی ۱۹۹۱ء، مشمولہ: مقالہ سرسید اکادمی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کاسینار، ۲۹ اپریل تا یکم مئی ۱۹۹۱ء، ص ۳۸۳



بر عظیم پاک و ہند میں ۱۸۵۷ء کی جدوجہد آزادی کے بعد سر سید احمد خاں نے مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ اور احیائے نو کے لیے علی گڑھ میں مجنوں اینگلو اورینٹل کالج قائم کیا۔ اس کالج کے قیام کے پس پردہ یہ مقاصد تھے کہ یہ کالج مسلمان نوجوانوں کو جدید تعلیم و تربیت سے آراستہ کرے اور یہاں پر طلبہ کو ہر طرح کی سہولتیں میسر ہوں اور یہ کالج طالب علموں میں انقلابی اور سیاسی شعور پیدا کرنے میں بھی اپنا کردار ادا کرتا رہے۔ اس کالج کے قیام کے بعد انھوں نے مجنوں ایجوکیشنل کانفرنس بھی قائم کی۔ اس کانفرنس کے ہر سال اجلاس منعقد ہوتے اور ان اجلاسوں میں وہ اپنے مسائل اور سیاسی صورت حال پر بھی بحث کرتے تھے۔ گویا مجنوں ایجوکیشنل کانفرنس مسلمانانِ بر عظیم کے لیے ایک موثر اور عمدہ اسٹیج تھا کہ جہاں سے وہ اپنے حقوق کے لیے کچھ کر سکتے تھے۔ ۲۰

مزید لکھا گیا ہے:

’ہندوستان میں مسلمانوں کی سب سے بڑی تعلیمی انجمن ’مجنوں ایجوکیشنل کانفرنس‘ تھی۔ جبکہ تحریک علی گڑھ نے قوم میں جوش و خروش پیدا کیا جس کی مثال انیسویں صدی میں ملنا مشکل ہے۔ اس تحریک میں جن سربراہانِ واردہ شخصیتوں نے سر سید کا ساتھ دیا، ان کے نام یہ ہیں: نواب محسن الملک (اصلی نام مہدی علی خاں

۱۔ ’آل انڈیا مجنوں ایجوکیشنل کانفرنس کا پہلا اجلاس ۲۷ دسمبر ۱۸۸۶ء کو علی گڑھ میں ہوا۔ کئی اجلاس منعقد ہوتے رہے ایک سالانہ اجلاس ہر بانی سر آغا خاں کی صدارت میں دہلی میں ۲۷ دسمبر ۱۹۰۲ء سے ۴ جنوری ۱۹۰۳ء تک ہوا۔ اجلاس کے ممبروں کی تعداد ۱۰۳۶ اور وزیٹوں کی تعداد ۳۱۰ تھی جنھوں نے اس اجلاس میں شرکت کی۔ (پنجاہ سالہ تاریخ، ص ۸۸-۸۹) اس وقت تک کانفرنس کے تین شعبے تعلیم، نسوان، تعلیمی مردم شناسی اور مدارس تھے۔ دہلی اجلاس میں تین مزید شعبے سوشل ریفارم، ادبی شعبہ، امور موقوفات شامل ہوئے۔ (محمد معروف، سید۔ مضمون ’انجمن ترقی اردو‘ مختصر تاریخی جائزہ، شمولہ: رسالہ ادب و کتب خانہ، کراچی، ۲۰۱۴ء، ص ۴۱)

۲۔ تاریخ آل انڈیا مسلم لیگ۔ سر سید سے قائد اعظم تک: آزاد بن حیدر، طبع اول۔ کراچی، ۲۰۱۳ء، ص ۱۵۸

۳۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے سر سید اور ان کے مصاحبین کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے ایک بار کہا تھا: ’مرحوم سر سید اور ان کے ساتھیوں نے علی گڑھ میں صرف ایک کالج ہی قائم نہیں کیا تھا، بل کہ وقت کی تمام علمی اور ادبی سرگرمیوں کے (باقی بر صفحہ آئندہ)

(ہے)، نواب وقار الملک، مولوی چراغ علی، مولوی ذکاء اللہ، نذیر احمد، مولوی زین العابدین، محمد اسماعیل خان، الطاف حسین حالی اور مولانا شبلی نعمانی۔

۱۸۹۸ء میں سرسید کے انتقال کے بعد ان کے ساتھی ان کے کام کو جاری رکھتے ہوئے آل انڈیا سیاسی تنظیم بنانے کی مسلسل کوششیں کرتے رہے جس کی وجہ سے مسلمان راہنما ایک دوسرے کے اور قریب آ گئے۔<sup>۱</sup>

سرسید کے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے مذکورہ بالا حضرات کی تحریریں، مضامین اور تقاریر جو تہذیب الاخلاق وغیرہ میں شائع ہوئیں وہ اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ تعلیمی کانفرنس کے اجلاسوں میں پڑھے جانے والے خطبات (اور ان میں پاس ہونے والی قراردادیں) جو چالیس بیالیس سالوں پر محیط ہیں ۱۹۲۷ء میں مولانا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی المحاطب بہ نواب صدر یار جنگ بہادر کی تحریک پر مولوی انوار احمد صاحب زبیری (مارہروی) نے خطبات عالیہ کے نام سے تدوین و ترتیب دیے۔ یہ خطبات علی گڑھ سے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے زیر اہتمام شائع ہوئے۔ خطبات کے مقدمہ میں مولانا محمد اکرام اللہ خاں ندوی شاہجہانپوری (م: ۱۹۵۲ء) لکھتے ہیں: 'ابتداء میں لوگ زیادہ تر سرسید، نواب محسن الملک، مولانا حالی، مولانا نذیر احمد

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

لیے ایک ترقی پسند حلقہ پیدا کر دیا تھا۔ اس حلقہ کی مرکزی شخصیت خود ان کا وجود تھا اور ان کے گرد ملک کے بہترین دماغ جمع ہو گئے تھے۔ اس عہد کا شاید ہی کوئی قابل ذکر اہل قلم ایسا ہوگا جو اس مرکزی حلقہ کے اثرات سے متاثر نہ ہوا ہو۔ جدید ہندوستان کے بہترین مسلمان مصنف اسی حلقہ کے زیر اثر پیدا ہوئے اور یہیں نئے قسم کی اسلامی تحقیق و تصنیف کی راہیں پہلے پہل کھولی گئیں۔ (حوالہ: سرسید کی فکر اور عصر جدید کے تقاضے از پروفیسر خلیق احمد نظامی، طبع بھارت ۱۹۹۳ء، ص ۱۳۰ اور ۱۳۷، ۱۳۸)

۱۔ تاریخ آل انڈیا مسلم لیگ۔ سرسید سے قائد اعظم تک، ص ۸۳، ۸۴

۲۔ بقول مولوی انوار احمد زبیری، مولانا اکرام اللہ خاں ندوی عربی ادب کے ذوق آشنا اور زبان اردو کے پختہ کار ناثر (مضمون نگار) ہیں۔ مولانا سلیمان اشرف نے ۱۹۲۴ء میں جب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نصاب تعلیمات اسلامیہ کے لیے تجاویز مرتب کیں، تو ندوی صاحب موصوف نے اس کی تحسین کی اور عربی علم ادب کے مطالعہ کرنے والوں کے لیے اسے مفید و منفعت رسال قرار دیا۔ (اسٹیل: ۳۰)



اور علامہ شبلی جیسے یگانہ روزگار مشاہیر کے دیکھنے اور اُن کا لکچر یا کلام سننے کے لیے آتے تھے.....  
 ۱۸۹۳ء میں جب کانفرنس کا آٹھواں اجلاس علی گڑھ میں منعقد ہوا اور نواب محسن الملک صدر منتخب ہوئے تو خطبہ صدارت میں ایک خاص وسعت و شان پیدا ہو گئی۔ یہ (گزشتہ اجلاسوں کی نسبت) سب سے پہلا خطبہ تھا جس میں زور بیان اور جوش پایا جاتا ہے اور انشا پر دازی کی ایک خاص جھلک نظر آتی ہے۔ مثلاً نواب صاحب ایک موقع پر نکتہ چینوں کے جواب میں فرماتے ہیں:-

”مانا کہ ہم نے مغربی علوم کا شوق دلا کر مسلمانوں کو خراب کیا۔ مانا کہ ہم

نے انگریزی تعلیم و تربیت کے جاری کرنے سے الحاد پھیلایا۔ مانا کہ ہم نے کانفرنس

قائم کر کے مسلمانوں کو بہکایا، مگر ہم پر طعنہ کرنے والے خدا کے لیے یہ بتادیں کہ

انھوں نے اپنی قوم کے لیے کیا کیا، اور اس ڈوبتی ہوئی کشتی کے بچانے میں کون سی

کوشش کی؟ اگر ہم نے مسلمانوں کے لیے دیر و کنشت بنایا، مانا کہ گناہ کیا۔ مگر یہ

فرمائیے کہ اُن کا بنایا ہوا بیت المقدس کہاں ہے جہاں جا کر ہم سجدہ کریں؟ اگر ہم

نے اپنے بھائیوں کے واسطے ایک قومی کانفرنس قائم کی، ہم قبول کرتے ہیں کہ ایک

بے سود کام کیا۔ مگر ہمارے دوست براہ مہربانی یہ فرمادیں کہ انھوں نے قوم کے

حال پر مرثیہ پڑھنے، قوم کی مصیبت پر ماتم کرنے پر کون سی مجلس بنائی ہے کہ ہم

وہیں جا کر نوحہ کریں اور سرپیشیں؟ ہم اگر مضریا بے سود کام کرنے کے گنہ گار ہیں، تو

قوم کو مرتے دیکھنے اور کچھ نہ کرنے کا ذمہ دار کون ہے۔

گر دُسر تو گشتن و مُردن گناہ من دیدن ہلاک و رحم نہ کردن گناہ کیست

گیرم کہ وقتِ ذبح طہیدن گناہ من دانستہ دشتہ تیز نہ کردن گناہ کیست“

محمد سرور مرحوم (استاذ تاریخ، جامعہ ملیہ اسلامیہ) فرماتے ہیں:

۱۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس۔ صدارتی خطبات (۱۸۸۶ء-۱۹۰۶ء) مرتبہ آغا حسین ہمدانی۔ قومی ادارہ

برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، اسلام آباد۔ ۱۹۸۶ء، ص ۸۲-۸۳

’سرسید ہماری قوم کی مٹی زندگی کے خالق ہیں، ان کے جانشینوں نے اپنے  
مرشد کے بتائے ہوئے رستے پر بڑے خلوص اور سرگرمی سے قوم کو چلایا، محسن الملک  
اور وقار الملک نے مدرستہ العلوم اور ایجوکیشنل کانفرنس کے ذریعے ہم میں زندگی کا  
احساس اور جمعیت اور مرکزیت کا شعور قوی کیا۔ ان بزرگوں کی کوششوں سے  
اسلامی ہند کے مردہ جسم میں تازہ خون زندگی دوڑا اور ملت اسلامیہ نے نیا جنم لیا، یکے  
مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا قیام (آل انڈیا مسلم لیگ کی پیش رو):

سیاسی سطح پر مسلم لیگ کے قیام سے پہلے مسلمانان ہند بجا طور پر محمدن ایجوکیشنل کانفرنس ہی  
کو سب سے بڑا سیاسی پلیٹ فارم سمجھتے تھے۔ مسلمان زعماء و اکابر اس کانفرنس کے مختلف اجلاسوں  
میں شامل ہوتے رہے اور اپنا عملی کردار بھی ادا کرتے رہے۔ بالفعل محمدن ایجوکیشنل کانفرنس نے  
آل انڈیا کانگریس کے مقابلے میں اہم کردار ادا کرنا شروع کر دیا تھا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں  
جب ہندی اردو تنازع شروع ہوا تو ایجوکیشنل کانفرنس کے زعماء نے مسلمانوں کے لیے ایک  
جداگانہ سیاسی جماعت بنانے پر غور و خوض شروع کر دیا تھا۔

۱۔ اگر سید احمد خاں مرحوم و مغفور مسلمانوں کو دوبارہ علمی ذوق اور جستجو سے آشنا نہ کرتے تو یہ ملک جس میں ہم آزادی کا  
سانس لے رہے ہیں اس کا قیام ناممکن ہوتا۔ نہ ہمارے پاس اقبال ہوتے نہ چناں۔ نہ ہمیں اپنے ماحول کا فہم ہوتا نہ ہم  
بدلتے ہوئے حالات میں اسلام کے تقاضوں کو سمجھ سکتے چہ جائیکہ اپنے ملی مفاد کا تحفظ کر سکیں۔ بلا کوٹ اور دہلی کی  
شکستوں کے بعد اگر کسی چیز نے ہماری گرتی ہوئی قوم کو سنبھالا تو وہ علی گڑھ کی تعلیمی تحریک تھی۔ علی گڑھ نہ ہوتا تو پاکستان  
بھی نہ ہوتا۔ پاکستان کی بنیاد ایک تعلیمی تحریک پر ہے اور ایک تعلیمی تحریک ہی اسے قوت اور عظمت بخش سکتی ہے۔  
(ممتاز حسن، ڈاکٹر، ’مقالات ممتاز‘، مشمولہ، ’تعلیم: ایک ناگزیر فریضہ‘، ادارہ یادگار غالب، کراچی، ۱۹۹۵ء، ص ۱۸۰)

۲۔ محمد سرور، پروفیسر، مقدمہ: ’مضامین محمد علی‘، مکتبہ جامعہ دہلی، ۱۹۳۸ء، صفحہ ۲  
۳۔ ہندوؤں کی جانب سے اردو کے خلاف یہ تحریک علی وادہلی کے بجائے ایک سیاسی تحریک تھی جس کا مقصد وحید  
ہندوستان سے مسلم تہذیب کی تمام نشانیوں کو یکسر ختم کرنا تھا۔ مسلمانوں کی الہامی کتاب قرآن کریم کے ساتھ خود  
ہندو کانگریسی لیڈر مسٹر گاندھی کی دشمنی اس حد تک تھی کہ وہ کہتے تھے میں اردو بھاشا کا اس لیے مخالف ہوں کہ اس  
کے اکثر الفاظ قرآنی بھاشا میں ہیں۔



۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو ڈھاکہ میں مسلم ایجوکیشنل کابینہ سالانہ اجلاس نواب مشتاق حسین وقار الملک (۲۴ مارچ ۱۸۳۱ء - ۲۷ جنوری ۱۹۱۷ء) کی صدارت میں منعقد ہوا۔ شرکائے کانفرنس میں بحث و مباحث کے بعد اجلاس کے مندوبین کی اس تجویز کا گرم جوشی سے خیر مقدم کیا گیا کہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ان کے سیاسی حقوق کی حفاظت کے لیے ایک علاحدہ سیاسی جماعت ہونی ضروری ہے۔ لہذا اس اجلاس میں اتفاق رائے سے آل انڈیا مسلم لیگ قائم کرنے کا اعلان کیا گیا۔ انڈین نیشنل کانگریس کے قیام یعنی دسمبر ۱۸۸۵ء کے بعد سے مسلمانوں کی سیاسی جماعت کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ نواب وقار الملک نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اولین تاسیسی اجلاس میں اپنے صدارتی خطاب میں یوں اظہار فرمایا:

”آزادیل نواب خواجہ سلیم اللہ خان بہادر اور دیگر حضرات! آج جس غرض سے کہ ہم لوگ یہاں جمع ہوئے ہیں، وہ کوئی نئی ضرورت نہیں ہے۔ ہندوستان میں جس وقت سے انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد پڑی ہے، اس وقت سے وہ ضرورت بھی پیدا ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ سرسید مرحوم و مغفور نے جن کی عاقبت اندیشی اور عاقلانہ پالیسی کے مسلمان ہمیشہ مشکور و ممنون ہیں۔ نیشنل کانگریس کے بڑھتے ہوئے اثر سے متاثر ہو کر نہایت زور کے ساتھ اس بات کی کوشش کی کہ مسلمانوں کی بہتری اور حفاظت اسی میں ہے کہ وہ اپنے آپ کو کانگریس میں شریک ہونے سے

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

تاہم علی گڑھ تحریک سے بقول ضیاء الدین اصلاحی، علم و ادب کا فروغ اور اردو زبان کی مفید خدمت انجام پائی۔ سرسید، نواب محسن الملک اور آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے اردو زبان کے تحفظ و بقا کے لیے بھرپور کوششیں کیں۔ ۱۹۰۳ء میں اردو کی ترویج و ترقی اور حفاظت کے لیے انجمن ترقی اردو کا قیام عمل میں آیا۔ یہ انجمن، مجذون ایجوکیشنل کانفرنس ہی کی ایک شاخ تھی، جو آگے چل کر خود ایک بار آوردرخت بن گئی اور تاریخ و تہذیب اور مسلم زبان اور کچھ کے ارتقا میں اس انجمن نے اہم کردار ادا کیا۔ (حصول پاکستان، ص ۵۱ اور ششماہی الایام، کراچی، جنوری۔ جون ۲۰۱۳ء، ص ۲۹)۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی تصنیف ہندی اردو تنازع (ہندو مسلم سیاست کی روشنی میں) شائع کردہ نیشنل بک فاؤنڈیشن دیکھی جاسکتی ہے۔

باز رکھیں، اور یہ رائے اس قدر صائب تھی کہ گو جناب مرحوم آج ہم میں نہیں ہیں، لیکن مسلمانوں کی عام رائے اس وقت وہی ہے اور جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے، ہم کو اس بات کی ضرورت زیادہ محسوس ہوتی جاتی ہے کہ مسلمانوں کے پولیٹیکل حقوق کی حفاظت میں بیش از بیش اہتمام کریں۔ ۲۷

پروفیسر احمد سعید نے اپنی کتاب ”انجمن اسلامیہ امرتسر“ میں آل انڈیا مجڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے باب میں لکھا ہے کہ مجڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے پلیٹ فارم کا قیام اگرچہ خالصتاً تعلیمی مقاصد کے لیے عمل میں آیا تھا، لیکن اسی پلیٹ فارم سے سرسید نے کانگریس کے خلاف تقاریر کیں اور اسی پلیٹ فارم سے مسلمانوں کی پہلی باقاعدہ سیاسی جماعت آل انڈیا مسلم لیگ

۱۔ مسلم لیگ اور کانگریس کے مابین شروع سے اب تک یہ اختلاف چلا آرہا تھا کہ کانگریس چاہتی تھی کہ پورے ہندوستان پر اس کا اقتدار ہو۔ وہ جس قسم کا قانون چاہے وضع کرے۔ تمام قلیتیں اس کے سامنے تسلیم فرم کریں۔ مسلم لیگ چاہتی تھی کہ دستور حکومت ایسا ہو جس میں مسلمانوں کو اپنے کلچر، زبان، تہذیب و تمدن، مذہب وغیرہ جیسے اہم معاملات میں پوری آزادی ہو اور وہ حکومت میں شریک ہو کر اپنی ملت کے حقوق پورے کر سکیں۔ (بدایونی، عبدالحامد قادری، مولانا۔ ”حظیہ صدارت۔ پاکستان کانفرنس“، مؤرخہ ۳۰ اگست ۱۹۳۱ء منعقدہ رائے کوٹ ضلع لودھیانہ، مطبوعہ نظامی پریس۔ بدایوں، ص ۲۳)

۲۔ ’تاریخ آل انڈیا مسلم لیگ۔ سرسید سے قائد اعظم تک‘ مرتبہ آزاد بن حیدر، ص ۱۱۰۔

۳۔ ڈاکٹر محمد علی صدیقی کے بقول، آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس دراصل کانگریس کا رد عمل تھی۔ سرسید احمد خان نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان ہندوؤں کی طرح سے مغربی طرز سے اپنی زندگیوں کو ڈھال لیں اور برطانوی حکام کے تحت سیاست میں حصہ لیں، کیونکہ مسلمانوں میں تعلیم کی کمی کی وجہ سے یہ امتیاز کرنا مشکل تھا کہ سیاست میں کس طرح سے حصہ لیں، لہذا بہتر یہی تھا کہ سیاست میں حصہ نہ لیا جائے۔ چنانچہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے قومی تقاضوں کے تحت مغربی تعلیم کا انتظام کیا۔ بنگال سے لے کر سرحد اور پنجاب سے دکن تک کے مسلمانوں کو اپنی قومی اور اجتماعی تعلیم و ترقی کا احساس ہو گیا اور اسی بیداری کے نتیجہ میں آگے چل کر ملکی سیاست اور تحریک آزادی میں مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ (ڈاکٹر محمد علی صدیقی کا انٹرویو بمقام ان کی رہائش گاہ، A-592, Block-J, North Nazimabad, Karachi بروز جمعرات مؤرخہ ۱۵ نومبر ۲۰۱۲ء از کہکشاں ناز بخوالہ ششماہی الایام، کراچی، جنوری۔ جون ۲۰۱۳ء، مشمولہ: آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں سید الطاف علی بریلوی کی خدمات (۱۹۳۵ء تا ۱۹۵۰ء)۔



معروض وجود میں آئی۔ ہمارے عہد کے مستند دانشور خواجہ رضی حیدر کی رائے ہے کہ مسلمانوں میں عام بیداری پیدا کرنے میں آل انڈیا محضن ایجوکیشنل کانفرنس بہت مفید ثابت ہوئی۔ ۱۹۳۷ء

مسلم لیگ کو بلاشبہ بہ حیثیت جماعت بلکہ تحریک، پاکستان بنانے کا مفرد اعزاز حاصل ہے، لیکن یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ مسلم لیگ نے بالفعل آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے بطن سے جنم لیا، تو پھر اس کے فعال کردار کا اعتراف کیوں نہ کیا جائے۔

وابستگان علی گڑھ کا مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے ساتھ والہانہ تعلق خاطر آج اگر مورخین اس حقیقت کے معترف نظر آتے ہیں کہ تحریک پاکستان کو عملاً دست و بازو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طلبہ نے عطا کیے تو اس کا کامل ادراک اس وقت بھی علی گڑھ والوں کو بصمیم قلب و جاں تھا۔ اور وہ بالفعل اپنے خون جگر سے اس ملی تحریک کی آبیاری میں بچے رہتے تھے۔

آئیے رسالہ سہ ماہی علی گڑھ جلد ۲۲، شمارہ نمبر ۱، ۱۹۳۶ء کا ایک شذرہ ملاحظہ فرمائیے۔ ”علی گڑھ ہندوستان میں مسلم قوم کا سرچشمہ، فکر و عمل اور ان کی ملی زندگی کا آئینہ ہے۔ اس چند مربع میل سرزمین میں دس کروڑ انسانوں کی روح اور قلب و ذہن کی پہنائیاں بند ہیں۔ یہیں پہنچ کر ہندوستان کے ”مردِ پیاز“ کو پہلی بار امید کی کرن نظر آئی اور ”خونِ صد ہزار انجم“ سے نمود و سحر کے آثار پیدا ہوئے یہیں سے تعلیمی اور مابعد معاشری اصلاح کا دور شروع ہوا اور یہیں سے اور یہیں کی اصلاحات کے بطن سے ۱۹۰۶ء میں سیاست نے مسلم لیگ کی شکل میں جنم لیا۔ یہیں سے خلافت کی آواز اُٹھ کر پورے ہندوستان میں گونجی اور یہیں کے مجاہدوں نے اُس نازک وقت میں جناح کے گرد جمع ہو کر مسلم قوم کو بچا لیا، جب کانگریس اسے اپنے میں ضم کر لینا یا بالفاظ دیگر اس چراغ کو اپنے دامن میں چھپا کر گل کر دینا

- ۱۔ انجمن اسلامیہ امرتسر (۱۸۷۳ء-۱۹۴۷ء) تعلیمی و سیاسی خدمات از احمد سعید، مطبوعہ ادارہ تحقیقات پاکستان، دانش گاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۶۳۔
- ۲۔ قائد اعظم کے ۷۲ سال، سورتی اکیڈمی، کراچی، ۱۹۷۶ء، ص ۱۷۔

چاہتی تھی۔ جہاں کی یہ تاریخ ہو وہاں یہ کس طرح ممکن تھا کہ قوم پر آزمائش کا وقت آ پڑے اور خاموشی رہے۔ چنانچہ جب ہنگامہ انتخابات شروع ہوا اور قوم کو ضرورت ہوئی تو یہاں کے فرزند قوم کے مفاد پر اپنے مفاد، اور قوم کے مستقبل پر اپنے مستقبل کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ہزاروں اسرائیل لے کر اٹھے اور موت کی سی نیند سونے والوں کو بھی جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اٹھا دیا۔ قریوں قریوں پھرے اور گلیوں گلیوں کی خاک چھانی کہیں صرف اپنی جیب کے چنوں پر گذارا کیا اور کہیں کڑکڑاتی سزورائیں اپنی سیاہ شیروائیوں کے سہارے گھلے میدانوں میں گذار دیں۔ مشکل سے ہندوستان کا کوئی ایسا مسلم آباد گوشہ ہوگا جہاں ان کے قدم نہ پہنچے ہوں اور موذن کی صداؤں سے آشنا کم ایسی بستیاں ہوں گی جہاں ان کی آواز نہ گونجی ہو۔ کہیں کہیں تیس تیس، چالیس چالیس میل کی مسافت بیک وقت پیادہ پا طے کی اور کہیں بیمار پڑے تو غربت و کس پرسی میں بھی اپنے رفیقوں کو حکم کار دے کر رخصت کر دیا۔ بالآخر اس جذبہ ایثار و خلوص عمل کو کامل فتح ہوئی اور دنیا کو معلوم ہو گیا کہ مسلم لیگ مسلم قوم کا پیکر اور پاکستان اس کی روح ہے۔“ ۱

### علی گڑھ کا طلبہ محاذ قائد اعظم کی نظر میں

علی گڑھ والوں کی تحریک پاکستان اور قائد اعظم محمد علی جناح کے ساتھ محبت یک طرفہ یا محض وقتی جذبات کی آئینہ دار نہ تھی۔ نہ ہی یہ چاہت اور خلوص یک طرفہ تھا۔ قائد اعظم محمد علی جناح کو نوجوانان علی گڑھ کی محبت کا حد درجہ پاس تھا اور وہ اپنے ان جاں نثاروں کی دل جوئی اور سرپرستی کو اپنے اوپر لازم جانتے تھے۔ ذیل میں ان کے خیالات کی ترجمانی کرتی ایک تحریر دیکھئے۔

”علی گڑھ میری تحریک کا مرکز ہے، یہیں سے میرے نوجوان سفیر براعظم ہندوستان کے ہر کونے میں جا کر مسلمان عوام کو مسلم لیگ کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ ان کا مشنری



جذبہ اور تحریک سے بے لوث لگاؤ ہی میری ساری متاع ہے۔ میں علی گڑھ دس کام چھوڑ کر آتا ہوں اور ان بچوں کی صحبت میں بیٹھ کر اور ان سے باتیں کر کے اپنے عزم اور ارادے میں تقویت حاصل کرتا ہوں۔“ لے

## تحریک پاکستان کے سنگ ہائے بنیاد

میں ایک اہم ترین نام آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

پاکستان کے تخیل کو ایک زندہ حقیقت بنانے کے لیے جو جاں نسل اور پیہم جدوجہد ہمارے اکابر نے کی، اس سعی جمیل میں ایک اہم ترین کارنامہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا وجود میں لانا ہے۔ اس کتاب کے مختلف ابواب میں انتہائی شرح و سطر کے ساتھ اس ادارہ کی اہمیت و افادیت اور گراں قدر خدمات کا اظہار کیا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں جہاں جہاں سے بھی کوئی قابل ذکر اور قابل قدر مواد میسر آیا اسے کتاب کا حصہ بنایا گیا کہ قارئین کرام زیادہ سے زیادہ تاریخی حقائق تک رسائی حاصل کر سکیں۔  
حسن اتفاق سے جناب افضل عثمانی کا ایک مفید اور مستند مقالہ ہمارے ہاتھ آیا، جو ہم من و عن بزبان انگریزی ہی شامل کتاب کر رہے ہیں۔

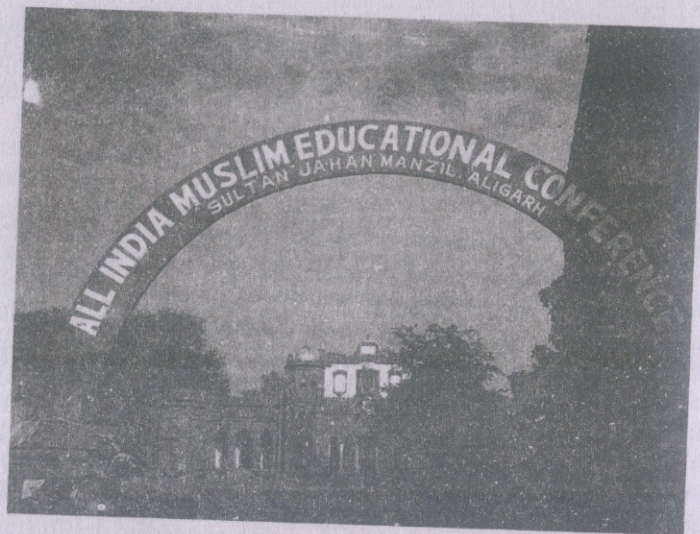
۱۔ ”علی گڑھ اور تحریک پاکستان“؛ نواب مشتاق احمد خاں، ماہنامہ اردو ڈائجسٹ، اگست ۱۹۶۹ء بحوالہ کرامت علی خاں: ”جہاد آزادی (منتخب مقالات)“، طبع لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۱۱۲۔

# All India Muslim Educational Conference



سلطان جہاں منزل (مرکزی دفتر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس) کا اندرونی منظر





**All India Muslim Educational Conference Head Office  
(Sultan Jahan Manzil, AMU Aligarh India)**

By Afzal Usmani

All India Muslim Educational Conference (AIMEC), a Non-political organization which brought Muslim rulers of remaining princely states of undivided British India, social and political leaders, intellectuals and distinguished people from all of walks of life onto one platform for educational empowerment of Muslims of India and transformed the dimensions of Aligarh Movement and fulfilled the dream of its founder, Sir Syed Ahmad Khan by converting Muhammadan Anglo Oriental College (M.A.O. College) to Aligarh Muslim University. The Conference also became championing the cause of Women's education and gave birth to one of the oldest and biggest women's educational institution, Women's College of Aligarh. This non-political, All India Muslim Educational Conference which was started for educational empowerment of Muslims of India also gave birth to largest Muslim political party "Muslim League" which still has roots in all the 3 countries of British India, Pakistan, Bangladesh and India. This one time conglomerate of Muslim Intelligentsia of British India has lost glory and living or dying quietly in a monumental and historical building

"Sulatan Jahan Manzil" in Aligarh Muslim University campus. The only time we hear its name when it sends 5 representatives to Aligarh Muslim University supreme governing institution AMU Court or get a peek into its symbolic lowest possible subscribed Journal, "Conference Gazette". Let's have a look, what was All India Muslim Educational Conference.

The inauguration of first Session of Indian national Congress at Bombay on 28-31 December 1885 by Allan Octavian Hume was a turning point in social and political movements of British India. Indian National Congress chooses a path of confrontational politics with the rulers of British India which was against the philosophy of Sir Syed Ahmad Khan, who was a strong supporter of Co operational Politics with British Empire. This lead Sir Syed to establish Mohammadan Educational Congress on 27th December, 1886 at Aligarh. By this time Sir Syed was undisputed well wisher of Muslims of India and had unquestioned secular credentials. Sir Syed's decision not to participate in Indian National Congress surprised a lot of intellectuals of the time. But Sir Syed was very clear in his mission of Muslim upliftment and at any cost he did not wanted to see the wrath of British Empire on Muslims of India which he had himself witnessed after 1857 revolt and so he choose the path of Co operational Politics with the rulers of India. This Congress became Mohammadan Educational Conference in the annual session of 1890 at Allahabad. This organization was a key element of Aligarh Movement and played an important role in taking the Aligarh Movement across the Indian Sub-continent and the establishment of Aligarh Muslim University. It is an established fact that the foundation of AIMEC was to keep Muslims of India away from a confrontational politics of Indian National Congress against British Empire and to do so it was made very clear that AIMEC is socio-political group to promote education among the Muslims of Indian subcontinent. One of the demands of the INC was to have open competition for Civil Services. Sir Syed was convinced that Muslims of India are educationally not at par with their fellow countrymen and so can not compete in open competition with their fellow countrymen. Sir Syed and leaders of AIMEC made it very clear that AIMEC is neither against INC or other political groups of India nor intended to alienate Indian Muslims from main stream political process but to promote education among the Muslims of Indian subcontinent to bring them at par with their fellow countrymen. In the Inaugural session of Muslim Educational Conference on 27th December, 1886 at Aligarh, Sir Syed emphasized his philosophy of co operational politics with the rulers of India and put forward the need of educational



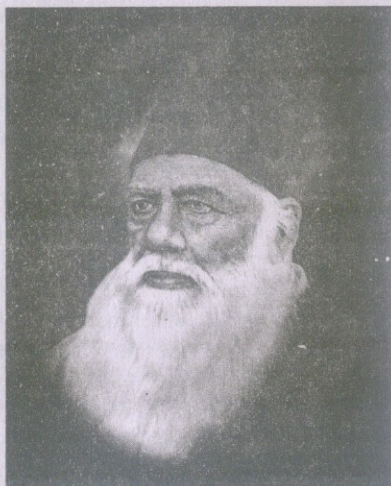
empowerment for the Muslims of India. Indian National Congress leaders were not very happy with the formation of Muslim Educational Conference.

Muslim Educational Conference was concern primarily with Muslim education. It kept a vigilant eye on the spread of modern education among Muslims and passed resolutions and took steps to deal with the factors which were hindering its progress. Muslim Educational Conference became a platform for Indian Muslim Intelligentsia to mobilize Indian Muslim masses to promote education and specifically modern and western education and clear their doubts and misconception about the western and modern education. The Conference was much more than a gathering of Muslim Educationist and gave an opportunity to Aligarh Movement leaders to promote Aligarh Movement. Principal Theodore Beck and Prof. Theodore Morrison also took keen interest in Conferences activities. Sir Syed Ahmad Khan was elected as Secretary of the newly formed organization. The Conference was a powerful instrument of Intellectual awakening and general spread of knowledge amongst the Muslims of India.

**The life of All India Muslim Educational Conference can be broadly divided in five phases or periods;**

- 1. 1886-1898 : Sir Syed Period**
- 2. 1898-1907 : Mohsinul Mulk Period**
- 3. 1907-1917 : Sahabzadah Aftab Ahmad Khan Period**
- 4. 1917-1947 : Nawab Sadar Yar Jang Period**
- 5. 1947-till date : Post Independence period**

**1886-1898: Sir Syed Period:**



Zahoor

### **The Beginning a new Conglomerate of Muslims of India:**

The first session of Muslim Educational Conference (AIMEC) was held at Aligarh. This inaugural session was presided over by none other than close friend of Sir Syed and one of the strongest supporters of Aligarh Movement, Maulvi Samiullah Khan. In this session, Sir Syed Ahmad Khan was elected as Secretary of the newly formed organization. The Inaugural session at Aligarh adopted the following resolutions;

1. Establishment of "AIMEC" and to hold its annual session in different parts of the country.P
2. British Government should only take care of modern and western education. Muslims will take care of Oriental studies.
3. Promote publications of journals and special attention should be paid for memorization of Quran (Hifz-e-Quran)
4. The Head Office of Muslim Educational Congress will be at Aligarh.



The second session of The Congress was held at Lucknow and was presided over by Mr. Imtiyaz Ali Khan of Kakori. The session adopted the following resolutions;

1. Scholarships will be awarded to Muslim students for higher education.
2. Local Educational Committees were formed.

The first two sessions of The Congress were focusing on education but the Third session which was held at Lahore in 1888 focused on social issues of Muslims of India. The session was presided by Sardar Muhammad Hayat Khan and the following resolutions were adopted;

1. Voice was raised against some heinous and Non-Islamic traditions among the Muslims and solutions were discussed to curb these Non-Islamic and heinous traditions from the Muslim societies.
2. Request was made to the government for concessions and exemptions on tuition fees for poor Muslim students.
3. Oriental and religious education should be started in Government Schools.
4. An extra effort needs to put for promotion of women's education.

The Fourth session was held at Aligarh in 1889 and was presided over by Sardar Muhammad Hayat Khan and following points were discussed;

1. A passionate appeal was made to donate Zakat Money for the education of poor Muslim students.
2. Demands were made to remove derogatory and anti-Islamic contents from History course books.
3. Proposals were made to establish separate technical institutes.
4. Special attentions were paid towards the need to develop curriculum for toddlers and kids.

The Fifth session was held at Allahabad in 1890 and once again it was presided by Sardar Muhammad Hayat Khan. The major attraction of this session was the renaming of All India Mohammadh Educational Congress to All India Muslim Educational Conference. The other focus of this session was translation of literary works of different languages into Indian languages. The marching mode of this caravan of Muslim intellectuals of India was well received by the Indian Muslims and its resolutions and

proposals started showing some results. The Sixth session at Aligarh recognized appreciated the efforts of Shamsul Ulema, Allama Shibli Nomani for his writings "Al-Jizya (Security Tax for Non-Muslims in Islamic State), Al-Mamoon (Biography of Khalifa Mamoon Al-Rasheed) and Seeratul-Noman (Biography of Imam-e-Azam, Abu Hanifa)". This session also recognized the need of women education for the overall development of Muslims of India. Some concrete steps were proposed to promote women education. Publication of "Conference Journal" was a baby of this Aligarh session. This historical session at Aligarh was presided over by Nawab Ishaq Khan, who later served as Secretary of Mohammadan Anglo Oriental College Management. The Sixth session was held at Delhi in 1892 and faced some stiff resistance from some local theologians. This session was presided over by Maulvi Hashmatullah Khan. This session was also addressed by M.A.O. College Principal, Prof. Theodore Beck and M.A.O. College Professor and well known Orientist, Prof. Thomas Walker Arnold. The session of 1894 at Aligarh also made a passionate appeal to support the newly formed organization "Nadwatul Ulema".

In 1896, the annual last executive session of Muslim Educational Conference in Sir Syed Ahmad Khan's lifetime, made a proposal to start a women education section in Muslim Educational Conference was accepted and Justice Karamat Hussain was appointed as its Founding Secretary. Nawab Mohsinul Mulk, Sahabzada Aftab Ahmad Khan, Janab Sultan Ahmad and Haji Ismail Khan were asked to assist Justice Karamat Hussain. In the annual session of Muslim Educational Conference of 1898 in Lahore, a separate department of women's education was established and Sahabzada Aftab Ahmad Khan was elected its Secretary. This started a wrath from the traditional Muslims of India but a dedicated team of Janab Ummid Ali, Ghulam-us-Saqlain and Haji Ismail Khan wrote several letters and article in Aligarh Institute Gazette and other reputed journals to defend the decision of Muslim Educational Conference to start a women's educational movement. Justice Amir Ali presided over the annual session of AIMEC in 1899 at Calcutta and the idea to start girl's schools is all of the state capital was accepted. It was also agreed that the Ulema will be consulted to develop the curriculum of the schools and the modern subjects of Science and Social Science will also be included the syllabus. In the session of December 1902 in Delhi under the leadership of H.H. Sir Agha Khan, young Shaikh Abdullah was appointed as Secretary to look into the women's educational project and was asked to start the activities very aggressively. The year 1897 was a bit tough on AIMEC as could not held the annual session due to poor



health complication with Sir Syed Ahmd Khan and finally Sir Syed Ahmad Khan died on 27th March 1898 and the rein of All India Muslim Educational Conference were transferred to Saiyad Mehdi Ali, Nawab Mohsinul-Mulk. By this time AIMEC had become an effective and established platform and even the opponents of Sir Syed including Justice Amir Ali, Justice Badruddin Tayabji and many more had joined the AIMEC and had started attending AIMEC sessions in different parts of the Country. The British staff of MAO College including Principal Theodore Beck, Prof. T. Morrison, Prof. T.W. Arnold and others started supporting the AIMEC in India and started a campaign to generate support in England too.

### **1898-1907: Mohsinul Mulk Period:**

#### **The Beginning of Movement for a Muslim University and Birth of Muslim League:**

The death of Sir Syed was a tragic event for Aligarh Movement and its leaders but to fulfill the mission of Sir Syed, his close confidant and friend and one of the strongest supporter of Aligarh Movement, Saiyad Mehdi Ali, Nawab Mohsinul Mulk was elected as Secretary of M.A.O. College Management Committee as well as Honorary Secretary of All India Muslim Educational Conference. Colleges everywhere were feeling the pinch of the government's demands for higher fees and harder examinations. At Aligarh, the number of students fell from 595 in 1895 to 323 at the time of Sir Syed's death on 27 March 1898, and by the following July had plummeted to 189; and the situation was made worse by an embezzlement scandal in 1895, and by renewed attacks from Sir Syed's old collaborators who had broken with the college in 1889. The college accounts were in disorder, and as a result of embezzlement, the suspension of grants from a number of benefactors, and the fall in income from fees, the institution was heavily in debt. [6].

This was a very tough time for MAO College and Aligarh Movement but after taking over the rein of Aligarh Movement, Nawab Mohsinul Mulk gave a big boost to fulfill the dream of Sir Syed Ahmad Khan to convert M.A.O. College into a Muslim University and in the first session during his Secretaryship in 1898 at Lahore, he pushed forward the proposal of Muslim University. The proposal was prepared by Prof. T. Morrison and Maulvi Badrul Hasan. This session of AIMEC also put emphasis on moral education for youth and special attention were paid to promote women's education



The following proposals were made in the 12th session of AIMEC at Lahore, which was first session after the death of Sir Syed Ahmad Khan.

1. Proposal for a Muslim University.
2. Promotion of Women's Education.
3. Promotion of moral education for youths
4. Establishment of Muslim Hostels at Public or Private Institutions.

This session at Lahore was presided over by Nawab Fateh Ali Khan Qazalbash. The proposals for a Muslim university were fully discussed at this session at Lahore in December 1898. About 900 people attended and the Conference showed a new spirit of enterprise. Prof. T. Morison proposed that a Muslim university should be founded, observing that it would really be no more than an expanded version of Aligarh College. Beck reminded the audience that the University would be the Indian Muslims' passport to office. Badruddin Tyabji of Bombay, Sir Syed's old political antagonist, subscribed Rs. 2,000 to the university, and, from Calcutta, Syed Amir Ali pledged his support. In December 1899, the conference moved out of upper India and met in Calcutta under the presidency of Amir Ali. The Sir Syed memorial fund started a Bengal branch. The 1901 session of the conference took place in Madras. The following year, the Aga Khan presided over the meeting in Delhi, and in 1903 the Conference was held in Bombay under Badruddin Tyabji. Badruddin Tyabji, speaking as president of the 1903 Muhammadan Educational Conference, described the plans for a university as premature. Muslims should first lay a strong foundation of local Muslim schools and colleges which, initially at least, could be affiliated to the existing government universities.<sup>49</sup> Akbar Hydari, Tyabji's nephew, spoke out against the whole idea of a Muslim university.<sup>50</sup> Hydari argued that for secular advancement Muslims would be better off at the existing universities. Serious theological training was adequately provided in existing madrasas. Moreover, it would be foolhardy to bring the doctrines of different Muslim sects into open rivalry at one centre. At a regional meeting of the Educational Conference in Ahmadabad in October 1904, Muhammad Ali, younger brother of Shaukat Ali, replied to Hydari in an eloquent restatement of the Beck-Morison concept of a Muslim university.<sup>52</sup> He called upon his experience at Aligarh and Oxford to argue for 'the expansion of Aligarh'. Muhammad Ali projected a bold view of India as a 'federation of religions'; only if Muslims and Hindus were allowed to cultivate their distinctive cultural traditions could they live together amicably. Therefore both the Muslim university at Aligarh and the Hindu university at Benares, proposed earlier in the year by Pandit Madan Mohan Malaviya, should be encouraged.



Professing 'no concern with politics, and certainly no desire to confound it with education', Muhammad Ali none the less warned that government educational policy must respond to the wishes of the people. The idea of a Muslim university had been generated by a popular movement: 'Aligarh is the people's very own.' Wider participation, however, also meant a greater variety of ideas about the university; if Aligarh was to ask for money from such far-off places, it had to offer something in return. To scores of meetings Mohsin ul-Mulk and others held out the image of Aligarh as the best hope of the Indian Muslims, the restorer of past greatness. The university was becoming a symbol of a reviving Islam. [6].

The other sessions were held at Rampur (1900, Maulvi Syed Husain Bilgirami), Lucknow (1904- Prof. T. Morrison) and Aligarh (1905- Khalifa Mohd. Hussain). The major highlights of these different sessions were promotion of Science, law and other modern education at M.A.O. College and promotion of Women's education and establishment of Girls School at Aligarh and establishment of Fund for M.A.O. College. MAO College affairs as well as AIMEC were demanding more time and resource and it became tough for Secretary of MAO College management Nawab Mohsinul Mulk to do a balance of commitment for MAO College and AIMEC, than a staunch supporter of Aligarh Movement Sahebzada Aftab Ahmad Khan was appointed as founding Jt. Secretary of AIMEC in the annual session of 1905 at Aligarh.

### **Dhaka Session of 1906 and Birth of Muslim league:**

Even though the official publication of All India Muslim Education Conference "Muslim Educational Conference kay 100 Saal " does not talk about the this session due to one or the other reasons but it is almost very clear that the 1906, Dhaka session of All India Muslim Educational Conference was the birth place for "All India Muslim League". In the early October 1906 All India Muslim Educational Conference leaders and few others met Viceroy of India at Shimla and discussed some of their concerns. Nawab Khwaja Salimullah of Dhaka could not join the deputation due to his cataract operation [2]. The omission of Division of Bengal issue from the discussion or unsatisfactory response from the Viceroy made young Nawab Khwaja Salimullah unhappy and he proposed an All India Muslim Educational Conference to be held in Dhaka, capital of the then East Bengal and Assam Province in the year 1906. The conference was inaugurated on 27



December 1906 and continued till 29 December 1906 as Conference on Education. The inaugural session was chaired by Nawab Justice Sharfuddin, the newly appointed justice of Calcutta High Court. On 30 December 1906 political session of the conference took place. It was chaired by Nawab Viqar-ul-Mulk. In this session a motion to form an All India Muslim League (AIML) was proceeded. Initially a party styled as All India Muslim Confederacy was discussed. But, in the process the name All India Muslim League, proposed by Nawab Khawaja Sir Salimullah Khan Bahadur and seconded by Hakim Ajmal Khan, was resolved in the meeting. All delegates were registered as members of the proposed party led by Janab Muhsin-ul-mulk and Janab Viqarul Mulk, who were Joint Conveners. AIML was first Muslim political party in the history of India. A total of 1955 delegates attended the event. The conference was attended by most of the Muslim zamindars, educationists, pleaders, and other leaders of the community.

## **1907-1917: Sahabzadah Aftab Ahmad Khan Period:**

### **AIMEC and Muslim University Movement**

Sahabzadah Aftab Ahmad Khan was officially Joint Secretary of All India Muslim Educational Conference and Secretary of M.A.O. College management Committee, Nawab Mohsinul Mulk, Nawab Viqarul Mulk and Nawab Ishaq Khan remained Secretary of AIMEC during this time of 1905-1917 but their pre-occupation with MAO College affairs gave young and energetic Aftab Ahmad Khan almost absolute freedom to give AIMEC a new direction. This 12 year reign of Sahabzadah Aftab Ahmad Khan gave AIMEC a new direction and took it to a new peak and AIMEC became a reckoning force of Muslims of India. It also took interest in local issues of the place where annual session is held and attentions were paid to help and support local community to over come their social and educational problems. He also expanded the perimeter of AIMEC and its annual session was held even in Rangoon in 1909. During this time the annual sessions were held at Karachi (1907- Altaf Hussain Hali), Amritsar (1908- Sir Khawaja Salimuddin of Dhaka), Rangoon (1909- Sir. H.H. Nawab Mohd. Ali, raja of Mahmudabad), Nagpur (1910- Abdullah Yusuf Ali, Principal of Islamia College of Lahore and famous English translator of Quran), Delhi (1911 – Emadul Mulk Syed Hussain Bilgirami), Lucknow (1912- Major Syed Hasan Bilgirami), Agra (1913- Justice Shah Deen ), Rawalpindi (1914, Maulvi



Rahim Bakhsh), Pune (1915, Justice Abdul Rahim), Aligarh (1916- Miyan Mohd. Shafi), Calcutta (1917, Nawab Sir Haider Nawaz Jang Bahadur Mohd Akbar Ali).

The plan for the Muslim University had by 1910 taken on the complexion and force of a national movement. The session of the All India Muslim Educational Conference at Nagpur in December, 1910 was presided by Abdullah Ibn Yusuf Ali Khan. In his address Sir Aga Khan gave the signal for a concreted, nation-wide effort to raise the necessary funds for the projected University. In moving the resolution on the University, the Aga Khan III made a stirring speech. He said, "This is a unique occasion as His Majesty the King-Emperor is coming out to India. This is a great opportunity for us and such as is never to arise again during the lifetime of the present generation, and the Muslims should on no account miss it. We must make up and make serious, earnest and sincere efforts to carry into effect the one great essential movement which above all has a large claim on our energy and resources. If we show that we are able to help ourselves and that we are earnest in our endeavors and ready to make personal sacrifices, I have no doubt whatever that our sympathetic government, which only requires proper guarantees of our earnestness, will come forward to grant us the charter. 'Now or never' seems to be the inevitable situation." To make a concerted drive for the collection of funds, a Central Foundation Committee with the Sir Aga Khan III as Chairman with Maulana Shaukat Ali (1873- 1938) as his Secretary; and prominent Muslims from all walks of life as members was formed at Aligarh on January 10, 1911. The Aga Khan III accompanied by Maulana Shaukat Ali, who was still in government service and had taken a year's furlough, toured throughout the country to raise funds, visiting Calcutta, Allahabad, Lucknow, Kanpur, Lahore, Bombay and other places. Willi Frischauer in his book, *The Aga Khans* writes, "His campaign for the Aligarh University required a final big heave and, as Chairman of the fund raising committee, he went on a collecting tour through India's main Muslim areas: 'As a mendicant', he announced, 'I am now going out to beg from house to house and from street to street for the children of Indian Muslims.' It was a triumphal tour. Wherever he went, people unharnessed the horses of his carriage and pulled it themselves for miles"[4]. The response to the touching appeal of the Sir Aga Khan III was spontaneous. On his arrival at Lahore, the daily "Peace" of Punjab editorially commented and called upon the Muslims "to wake up, as the greatest personality and benefactor of Islam was in their city." The paper recalled a remark of Sir Syed Ahmad Khan prophesying the rise of a hand from the unseen world to accomplish his



mission. "That personality" the paper said, "was of the Sir Aga Khan III." On that day, the "London Times" commenting upon the visit, regarded him as a great recognized leader of Muslims. Aflama Shibli Nomani was with Sir Aga Khan in the delegation for fund raiser to Lahore. Shibli recited a very passionate Persian poetry to motivate the audience for fund raiser. The significant aspect of the Aga Khan's fund collection drive was not the enthusiastic welcome accorded to him, but the house to house collection drive. Qayyum A. Malick writes in his book "Prince Aga Khan" that once the Aga Khan on his way to Bombay to collect funds for the university, the Aga Khan stopped his car at the office of a person, who was known to be his bitterest critic. The man stood up bewildered and asked, "Whom do you want Sir?" "I have come for your contribution to the Muslim university fund," said the Aga Khan. The man drew up a cheque for Rs. 5000/-. After pocketing the cheque, the Aga Khan took off his hat and said, "Now as a beggar, I beg from you something for the children of Islam. Put something in the bowl of this mendicant." The man wrote another cheque for Rs. 15000/- with moist eyes, and said, "Your Highness, now it is my turn to beg. I beg of you in the name of the most merciful God to forgive me for anything that I may have said against you. I never knew you were so great." The Aga Khan said, "Don't worry! It is my nature to forgive and forget in the cause of Islam and the Muslims." The drive received further great fillip from the announcement of a big donation of one lac rupees by Her Highness Nawab Sultan Jahan Begum of Bhopal. The Aga Khan III was so moved by her munificence that in thanking her, he spoke the following words:

Dil'e banda ra zinda kardi,  
 dil'e Islam ra zinda kardi,  
 dil'e qaum ra zinda kardi,  
 Khuda'i ta'ala ba tufail'e Rasul ajarash be dahad"

It means, "You put life in the heart of this servant; you put life in the heart of Islam; you put life in the heart of the nation. May God reward you for the sake of the Prophet!". In sum, Sir Aga Khan collected twenty-six lacs of rupees by July, 1912 in the drive and his personal contribution amounted to one lac rupees.

The Major resolutions and achievement of this period were;



1. AIMEC received a generous donation from ruler of Bhopal, Begum Sultan Jahan and built its head office building at Aligarh. The building is known as "Sultan Jahan Manzil" and even today it holds the office of AIMEC.
2. Movement for Muslim University was primary attention of AIMEC. A National Campaign was in full swing to raise money for Muslim University.
3. Foundation Committee was established under the Chairmanship of Sir Agha Khan.
4. Special attentions were paid to local social and educational issues.
5. Proposal for 1% educational tax to landlords from their agricultural produces.
6. Maharaja Kashmir was requested to pay attention to the educational issues of Kashmiri Muslims. A delegation was sent to Maharaja Kashmir to pursue him to pay attention to the educational issues of Muslims of Kashmir. Arabic Teachers were appointed in Schools of Kashmir
7. Schools at Aligarh will have a Kinder Garden (KG) educational system
8. Urdu should be a medium of Instruction in educational systems in Urdu speaking areas like Punjab.
9. Committee was formed to revise schools curriculum in Bengal
10. State Governments needs to grant some financial assistance to M.A.O. College and Schools.
11. A special fund was established to support the cost of Conferences for teachers and professors.
12. A sub-Committee was formed to help Burma's (Myanmar) educational development.
13. Special scholarship was instituted for meritorious students of Medical and Engineering Colleges.
14. Recommendations were made to have at least one Muslim Members in every state and University Text Book Committee.
15. Efforts were made to start a 'Yateem-Khana" in Burma
16. The need of a Islamia College in every state and secondary school for Muslims in every district was realized and efforts were made to have a Islamia College in every state and a Secondary school for muslims in every district.
17. Efforts were made to bring Islamic Scholars (Ulema) into AIMEC's fold and efforts were made to clear existing confusions from the minds of Ulema.
18. Muslim University Fund Committee was established to raise funds for Muslim University.
19. Muslim students were Encouraged to receive Medical education.
20. A state Educational Conference in Punjab was established.
21. Scholarships were instituted for technical educations for Muslim



students.

22. A Movement was started to promote Madarsah of Calcutta to a Islamia College.

23. Protests were made when University of Calcutta dropped Arabic and Persian from their curriculum.

## **1917-1947: Nawab Sadar Yar Jang Period:**

### **AIMEC under the umbrella of Aligarh Muslim University**

In 1917, Sahabzadah Aftab Ahamd Khan was nominated into the British Council in the Ministry of Indian Affairs and he moved to England. AIMEC elected Maulana Habibur Rahman Khan Sherwani, Nawaba Sadar Yar Jang as its Joint Secretary. In 1920, when M.A.O. College became Aligarh Muslim University, at Amrawati, AIMEC made a constitutional amendment and AMU Vice-Chancellor became President of AIMEC and elected Maulana Habibur Rahman Khan Sherwani, Nawaba Sadar Yar Jang as Honorary Secretary and so he served to position till 1947. In his leadership, the first session was held in 1918 at Surat (Bombay State- now in Gujarat). The session was presided over by Sir Ibrahim Rahmatullah. The session appreciated the efforts of Bombay State Government for starting Urdu Medium Schools. A committee was formed under the leadership of Dr. Ziauddin Ahmad to promote a similar concept of Urdu Medium schools in other states. Fund was raised to establish a Muslim hostel in Surat. Proposal was adopted to start a Training College for the teachers of Arabic Schools/Madaris. The annual session of 1923 at Aligarh adopted the proposal to rename All India Mohammad Educational Conference to All India Muslim Educational Conference.

After the establishment of Aligarh Muslim University, the All India Muslim Educational Conference could not work with the same pace as it worked for the establishment of Aligarh Muslim University. At the same time division of Aligarh Movement leaders and establishment of a news University Jamia Millia Islamia took some of the resources of AIMEC. Even though the sessions of AIMEC used to held annually at Khairpur-Sindh (1919- Maulvi Rahim Bakhsh), Amrawati (1920 – H. Ibrahim Haroon Jaffer), Aligarh (1922- Miyan Fazal Hussain), Aligarh (1923- Sahabzadah Aftab Ahmad Khan), Bombay (1924-Ibrahim Rahmatullah), Aligarh (1925 – Sahabzadah Abdul Qayum), Delhi (1926- Abdul Rahim), Madras (1927 – Shaikh Abdul



Qadir), Ajmer (1928- Sir Shah Sulaiman), Banaras (1930 - Sir Ross Masood), Rohtak (1931 - Sir Syed Raza Ali), Lahore (1932 - Col. Maqbool Hussain Quraishi), Meerut (1934 - Sir Shaikh Abdul Qadir), Agra (1936- Sir Ziauddin Ahmad), Rampur (1936 - H.H. Sir Agha Khan) and the 50th anniversary session of AIMEC was held at Aligarh in 1937. In 1938, the annual session was held in Patna and Maulvi Fazal Haq presided over the session. The next sessions were held at Calcutta (1939-Nawab Kamal Yar Jang), Pune (1940, Maulvi Fazal Haq), Aligarh (1943 - Nawab Zaheer Yar Jang), Jabalpur (1944 - Sir Azizul Haq). The last session of All India Muslim Educational Conference in British India was held at Agra 1945 and was presided over by Nawabzadah Liyaqat Ali Khan. These sessions were focusing on growth of Muslim University and other social and educational issues faced by Muslims of India. During the peak of freedom of India movement, AIMEC sessions were not very regular as the major energy of masses was used in freedom movement.

### **1947-till date: Post Independence period**

On 14th & 15th August 1947, British India became 2 independent countries India and Pakistan and due to Aligarh's geographical location, of course All India Muslim Educational Conference became an organization of India. An All Pakistan Educational Conference was formed in Pakistan by Mr. Syed Altaf Ali Bareilvi. The detail of All Pakistan Muslim Educational Conference can be found in "History of the Conference" by Mr. Syed Altaf Ali Bareilvi. The subsequent few years were very tough for the Indian sub-continent and hence even at Aligarh, it took time to bring things in order. Dr. Zakir Hussain was appointed as first Vice-Chancellor of Aligarh Muslim University in independent India. The Ministry of Educational affairs started looking into affairs of Aligarh Muslim University.

### **Secretary : 1949 - 1992**

In the mean time in 1949, AIMEC elected Alhaj Obaidur Rahman Khan Sherwani as its Honorary Secretary. Alhaj Obaidur Rahman Khan was son of Maulana Habibur Rahman Khan Shrwani. This started a new chapter in the history of AIMEC. After his election as Honorary Secretary, the first session was held in 1952 at Aligarh. The session was chaired by AIMEC President and Vice-Chancellor of AMU Aligarh. After the Aligarh session, the last regular session of AIMEC was held in 1955 in Madras (Chennai) under the



leadership of Dr. Zakir Hussain. After 1955 session, no session of AIMEC held. After a gap of 38 years, a session of AIMEC was held in 1993 in Delhi under the Chairmanship of Prof. Rasheeduz Zafar, the then Vice-Chancellor of Jamia Hamdard. This is the last known AIMEC function.

As per Dr. Mohsin Raza, former president of AMU Students Union and a faculty at Jawaharlal Nehru Medical College at AMU Aligarh, a session of AIMEC was also held in 1969 at Aligarh. This session was presided over by Mr. Badruddin Tayyabji, the then Vice-Chancellor of AMU and president of AIMEC. Here is the narration of Dr. Mohsin Raza on 1969 session of AIMEC;

"One session that I attended was held in 1969, Late Badruddin Tayyabji attended this session. Several members assailed the inactivity of the AIMEC, Maulana Saeedurrehman Zaini was extra loud on which Mr. Badruddin Tayyabji took an exception and got angry". In the same meeting the Sultan Jahan Manzil Hall was officially allotted without rent to the Muslim Social Uplift Society's Medical Coaching Centre."

The official publications of AIMEC do not have any account of this session of 1969.

Till 1972, Vice-Chancellor of Aligarh Muslim University used to be President of AIMEC. In 1972, AIMEC made an amendment in its constitution and elected Industrialist Mr. Mustafa Rasheed Sherwani, Founder & Chairman of Jeep Flashlight. This marked a new start in AIMEC and now AMU does not have any association with AIMEC. In the meantime Kr. Ammar Ahmad Khan was elected as Honorary Secretary in 1958 and served till 1964, and then Prof. Anwarul Haq Haqqi was Honorary Secretary from 1964 to 1970. Once again Alhaj Obaidur Rahman Khan Sherwani got elected as Honorary Secretary and he served till his last breath in 1992 and then his son Prof. Reyazur Rahman Khan Sherwani got elected as Secretary of AIMEC and Mr. Amanullah Khan Sherwani as Joint Secretary and they are serving till date. AIMEC elected Kr. Ammar Ahmad as its President in 1992 and had served till his last breath in 2004. After his sad demise, no news about any President of AIMEC. As a principal organ of Aligarh Movement, AIMEC found 5 permanent births in AMU Court. Here is the list of MEC representative in AMU Court in the last session; Mr. Asad Yar Khan, New Delhi, Mr. Kh. Mohd. Shahid, New Delhi, Mr.



Munawwar Haziq, New Delhi, Dr. Shahid Qamar Qazi, Aligarh and Prof. Akhtarul Wasey, New Delhi.

All India Muslim Education Conference had played a key role in the establishment of Aligarh Muslim University and had always supported AMU for its progress. Even after 1920, when Aligarh Muslim University was created, AIMEC generated funds to start different courses at AMU and helped in promoting the cause of Aligarh Movement. But for one or the other reasons, AIMEC stopped playing its role in independent India. The geo political situation of Independent India is totally different than British India but this does not prevent to work for the upliftment of social and educational problems of Muslims of India. Different Muslim Social and Educational organizations got started in independent India and flourished in their respective mission like Anjuman Islam and Anjuman Khairul Islam in Maharashtra, Al-Amin in Karnataka and many more in different parts of the country and they had established schools and colleges in their respective area of operation whereas AIMEC became extinct.

**To know more about Muslim Education Conference, please refer to;**

1. Muslim Educational Conference kay 100 Saal By Amanullah Khan Shrwani
2. Education of Indian Muslims: a study of the All-India Muslim Educational By Akhtarul Wasey, All-India Muslim Educational Conference
3. "Separatism among Indian Muslims" by Francis Robinson, "
4. The All India Muslim educational conference: its contributions By Abdul Rashid Khan
5. The Muslims of British India By Peter Hardy
6. Campaign for Muslim University- David Leylyveld & Gail Minault

## آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اثرات

سید احمد خان کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کو ماضی کے بندخول سے باہر نکالنے اور جدید تعلیم سے بہرہ ور کرنے کی بھرپور جدوجہد کی نتیجتاً وہ معاشی ترقی کے راستے پر گامزن ہو گئے۔ کانفرنس نے ابتدائی بیس (۲۰) سالوں (یعنی اپنے قیام سے ۱۹۰۶ء تک) میں نہ صرف اپنی بنیادیں مضبوط کیں، بل کہ برعظیم میں مسلمانوں کی تمدنی زندگی کے مختلف تعلیمی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی شعبوں میں دُور رس اثرات مرتب کیے اور اس طرح ہماری ملتی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

### تعلیمی اثرات:

یہ کانفرنس سید احمد خان کے تصورِ تعلیم کا نتیجہ تھی۔ آپ کی بے لوث اور مثالی کاوشوں کے ثمرات یوں مرتب ہوئے:

- کانفرنس نے مسلمانوں کو چار دانگ ہند میں تعلیم کی طرف راغب کیا۔
- قوم کے ہونہار بچوں کے لیے وظائف کا انتظام کیا، قومی تعلیم گاہیں قائم کیں، تعلیمی مصارف کی بہم رسانی کی سبیلیں نکالیں۔
- مسلمانوں کو تعلیم نسواں، مدارسِ شبینہ، صنعت و حرفت، اسلامی علوم و فنون، تجارت و زراعت اور دیگر پیشوں کی تعلیم و تربیت جسمانی کی جانب توجہ دلائی۔
- حکومت کو مسلمانوں کے ہر قسم کے جائز تعلیمی حقوق و ضروریات کی جانب متوجہ کیا یہاں تک کہ بعض دیسی ریاستوں کے دروازوں پر بھی دستک دی۔
- کانفرنس کی تحریک سے اردو لٹریچر میں معقول اور قابلِ قدر اضافہ ہوا۔
- مسلمانوں کی علم و فن میں دل چسپی بڑھنے سے ان میں حکمت اور دانائی کی اقدار کو راسخ کر دیا۔
- کانفرنس کے خطبات، تقاریر اور قراردادیں آج بھی مسلمانوں کی ترقی کے لیے منارِ نور ہیں۔



## معاشی اثرات:

۱۸۵۷ء کے سانحہ نے مسلمانوں کو انگریزی تعلیم اور انگریزی ملازمت سے متنفر کر دیا تھا،

لیکن اب صورت حال بدلی:

- سرسید احمد خاں کی تحریک علی گڑھ نے جب مسلمانوں کے قلوب و افکار، علم و فن کی روشن خیالی اور وسعت کو اجاگر کیا، تو ان کے لیے ملازمتوں کے حصول کے لیے آسانیاں پیدا ہو گئیں۔
- یہاں کے فارغ التحصیل نوجوانوں نے سرکاری و نیم سرکاری ملازمتوں میں شمولیت اختیار کر کے حتی المقدور مسلمانوں کی ترقی کے سامان پیدا کیے۔ قوم کے یہ سپوت سرسید احمد کے خوابوں کی تعبیر ثابت ہوئے۔
- مسلمانوں نے کانفرنس کی جدوجہد سے صنعت و حرفت، زراعت، تجارت، وکالت وغیرہ میں کافی ترقی کی۔
- مسلمانوں کی معاشی بد حالی ختم ہونے سے وہ اس قابل ہوئے کہ بر عظیم کی دوسری اقوام خاص کر ہندوؤں کے مد مقابل نیا مقام پیدا کر لیا۔

## معاشرتی اثرات:

حصول تعلیم کے شوق اور مسلمانوں کی معاشی حالت کی بہتری نے اُن کی معاشرتی زندگی میں بھی انقلاب برپا کر دیا:

- منزل اور حصول منزل کی جدوجہد سے اتحاد و یگانگت کا درس ملا۔
- مسلمانوں کی ایک معتد بہ جماعت کو قومی تعصبات کی بیڑی اور ملکی رسم و رواج (جوان میں ہمسایہ قوم سے تمدنی میل جول کے باعث در آئے تھے) کی غلامی سے بالکل آزاد کر دیا۔
- سرسید احمد خاں کے مشن کو کانفرنس نے ان کی رحلت کے بعد نہ صرف آگے بڑھایا، بل کہ

۱۔ ”سرسید احمد خاں کے جانشینوں میں بھی چند ایسے لوگ تھے جن کے دل و دماغ ملکی اور ملی جذبے سے سرشار تھے۔ وہ اپنے مقصد کے پیش نظر کام کی لگن کا جذبہ بدرجہ اتم رکھتے تھے۔ پھر نہ وہ رات کو رات سمجھتے تھے اور نہ دن کو دن۔ انھیں لوگوں میں نواب حسن الملک۔ نواب وقار الملک۔ قابل ذکر ہیں۔“ (عثمانی، امیر احمد، پروفیسر حکیم۔ مضمون، ”میڈیکل کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور ڈاکٹر ہادی حسن“۔ کراچی، العلم سہ ماہی جنوری تا مارچ و اپریل تا جون ۱۹۸۸ء، جلد نمبر ۳۶ شمارہ نمبر ۱۲۱ ص ۸۱)۔

ہندوستانی مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں انقلاب آفریں کردار ادا کیا۔

## سیاسی اثرات:

- مسلمانوں میں شعور جاگ رہے تھے، انہوں نے ملت کی بقا و ترقی کے لیے تدابیر بھی سوچیں:
- معاشرے میں بیداری کے باعث مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی بحالی اور حصول کے لیے کوششیں عمل میں آئیں۔
- کانفرنس نے مسلمانوں میں قومی و اجتماعی تعلیم و ترقی کے احساس کو ہمیز لگائی جس سے آگے چل کر ملکی سیاست اور تحریک آزادی میں مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔
- آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی توجہ اور کوشش سے مسلم لیگ معرض وجود میں آئی، جس کے جھنڈے تلے بڑے عظیم کے مسلمان جمع ہوئے اور یوں آزادی کا قافلہ اپنی منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہوا۔
- اسی تنظیم نے سر سید احمد کے دو قومی نظریے کو اپنے منشور کی بنیاد بنا کر نہ صرف مسلم قومیت کو جاگایا، بل کہ مسلمانوں کی آزادی کی جنگ لڑی اور تمام تر دشواریوں کے باوجود مسلمانوں نے متحد ہو کر قائد اعظم کی قیادت اور بے مثال رہنمائی میں ۱۹۴۷ء میں مملکت پاکستان حاصل کی۔
- تحریک علی گڑھ سے قیام مسلم لیگ تک کی تاریخ، مسلم تحریک آزادی کا ایک اہم باب ہے، جس پر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے صدارتی خطبات (۱۸۸۶-۱۹۰۶ء) شاہد عادل ہیں۔

۱۔ ”یوں تو تحریک پاکستان تقریباً ایک صدی سے چل رہی تھی۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا قیام ایک چھوٹے سے پاکستان کا سنگ بنیاد تھا۔“ (زاہدی، سید مسعود۔ مضمون ”قائد اعظم! ہم شرمندہ ہیں!“، ہفت روزہ استقلال، لاہور، ۱۲/۱۸ جنوری ۱۹۸۳ء، ص ۱۹)۔ نیز بقول یاسین خان، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی جو دہلی سے چند گھنٹوں کی مسافت پر واقع ہے، اسے قیام پاکستان کی نظریاتی جنگ کے مرکزی حیثیت بھی حاصل تھی۔ (عظیم بنواری۔ پاکستان اور ہندوستان کا قیام)



○ بیسویں صدی کے آغاز میں کانفرنس کی اگلی صف میں شریک مسلم زعماء مسلم سیاست میں بھی پیش پیش تھے۔ بقول محترمہ ممتاز معینؒ، یہ کانفرنس مسلم لیگ کے قیام (۱۹۰۶ء) تک ہندوستان میں مسلمانوں کے مفادات کی نگہداشت کرتی رہی۔  
الغرض ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام اسی مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا توسیعی عمل تھا۔

ظہور الدین خاں امرتسری

## پروفیسر سلیمان اشرف اکابرین ملت کی نظر میں

مولانا سلیمان اشرف صاحب کی تقریر، جو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے پلیٹ فارم سے نشر ہوئی۔ بعد میں 'الخطاب' کے عنوان سے ۱۹۱۵ء میں انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ میں چھپ کر شائع ہوئی۔

مولانا سید سلیمان اشرف کو اللہ تعالیٰ نے جہاں گونا گوں کمالات اور خوبیوں سے نوازا تھا وہاں ان کو تقریر و خطابت کا بھی بڑا ملکہ عطا کیا تھا، ان کی ہر تقریر کی طرح یہ تقریر بھی نہایت موثر، دلولہ انگیز اور از دل خیز و بر دل ریز کا مصداق تھی۔ دیکھیے مولانا کا یہ خطاب جہاں بہت سی مفید معلومات لیے ہوئے ہے وہیں اسلامی علوم و فنون کی اجمالی تاریخ بھی سامنے آ جاتی ہے۔ نیز ان کی تصانیف آج بھی ایک زندہ رہنما کی طرح ہیں۔

ماننا پڑتا ہے کہ مولانا سلیمان اشرف تقریر و تحریر میں معلمہ البیان کی نعمت عظمیٰ سے سرفراز تھے۔ بقول آل احمد سرور، مولانا کی شخصیت میں علم کی ریسمانہ شان ہے۔ ان کی عظمتوں کے علامہ اقبال، سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد، خواجہ حسن نظامی، پروفیسر رشید احمد صدیقی، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی اور نواب حبیب الرحمن خاں شروانی جیسے اہل علم معترف رہے ہیں۔ ممتاز ادیب اور تذکرہ نگار طالب ہاشمی (۱۹۲۹ء۔ ۱۸ فروری ۲۰۰۸ء) رقمطراز ہیں۔

”حضرت مولانا سید محمد سلیمان اشرف کا شمار اپنے دور کے سرآمد روزگار علما میں ہوتا تھا۔ وہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شعبہ اسلامیات کے صدر تھے اور قریب قریب ساری عمر انھوں نے علی گڑھ ہی میں گزاری۔ ان کا وجود علی گڑھ یونیورسٹی کے

ڈاکٹر صاحب مولانا سلیمان اشرف کے درجہ قرآن میں شامل ہو کر ان سے کب فیض کرتے۔ آپ کی مولانا سے عقیدت و محبت کس درجہ کی تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انھوں نے اپنی کوشی 'ڈاکمنزل' کا سنگ بنیاد پروفیسر سلیمان اشرف کے ہاتھوں رکھوایا۔ (زبیری، محمد امین۔ 'فضائے حیات' ص ۲۶۴۔ طبع دین محمدی پریس کراچی۔ سنہ ندارد)



لیے آ یہ رحمت کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ علم و فضل کا بحر زخار اور ظاہری و باطنی خوبیوں کا پیکر جمیل تھے۔ ہزاروں تشنگانِ علم ان کے فیضانِ علمی سے بہرہ یاب ہوئے اور پھر اپنے اپنے دوائر میں ان کے نام کو روشن کیا۔“ لے

علامہ شبیر احمد خاں غوری فرماتے ہیں۔ حضرت مولانا سلیمان اشرف کی ذاتِ گرامی مرجع اکابر و اعیان تھی، ان کی بارگاہ میں نہ صرف یونیورسٹی کے اکابر بل کہ ضلع علی گڑھ کے رؤساء عالی مقام اور شہر کے عمال و اعیان (امراء و وزراء) حاضر ہوتے تھے۔ بہ قول ڈاکٹر طلحہ رضوی اُن کا آبائی نسب حضورِ غوثِ اعظم رضی عنہ اور مادری نسب حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رحمہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے۔ سلسلہٴ چشتیہ نظامیہ فخریہ سے منسلک تھے۔

مولوی عبدالرزاق طبع آبادی اور مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں کہ مولانا سلیمان اشرف بلاشبہ بڑے فصیح و بلیغ مقرر تھے اور رموزِ خطابت سے بھی آشنا..... جبکہ بہ قول رشید احمد صدیقی، سید صاحب کو فنِ خطابت میں کمال حاصل تھا:-

”آواز میں کڑک اور چک، دھک تھی..... خطابت پر آتے تو معلوم ہوتا صفیں اُلٹ دیں گے۔“

خواجہ حسن نظامی نے ۱۹۲۳ء کی ’درویشِ جنتی‘ میں سید صاحب کی قادر الکلامی اور شگفتہ بیانی کا ذکر بڑے ہی دل نشیں اور دل کش انداز سے کیا ہے:-

۱۔ ماہنامہ ضیائے حرم۔ لاہور، جنوری ۱۹۸۷ء، ص ۸۱

۲۔ ’عام غفلت کو متاثر کرنے کے لیے فصاحت و بلاغت سے زیادہ کارگر حربہ اور کوئی نہیں۔ دنیا کی تمام بڑی بڑی تحریکیں ہمیشہ عامۃ الناس کے دلوں میں جگہ کر کے ابھرتی رہی ہیں، جب کسی قوم پر تباہی کی گھٹائیں منڈلا رہی ہوں تو اُس وقت صرف جذبات کی کڑکتی ہوئی بجلی میں ہی یہ طاقت ہوتی ہے کہ ان بادلوں کو چاک کر دے۔ یاد رہے کہ صرف وہی لوگوں دوسروں کو جوش میں لاسکتے ہیں، جن کے اپنے دل سینے میں درد سے تڑپ رہے ہوں۔ کیا وجہ ہے کہ بڑے بڑے لیڈروں کے الفاظ میں لوگوں کے دلوں کو موم کی طرح پگھلا کر جس طرف وہ چاہیں ادھر موڑ لینے کی تاثیر ہوتی ہے؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنے اندر جذبات کی بھٹی بھڑکا لینے کی استعداد رکھتے ہیں۔ بڑے بڑے انقلابات صرف قوتِ تقریر سے برپا ہوتے ہیں۔‘ (ہٹلر، ایڈوولف۔ ’تزکِ ہٹلری‘ (مترجم: چشتی، محمد ابراہیم علی۔ گلشنِ ہاؤس، لاہور، ۱۹۹۸ء۔ ص ۱۶۵)

”تقریر ایسی تیز اور مسلسل کرتے ہیں جیسے ای-آئی-آر کی ڈاک گاڑی۔ دورانِ تقریر صرف درود پڑھنے کے لیے تھوڑی تھوڑی دیر میں وقفہ ہوتا ہے، ورنہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمالہ کی چوٹی سے گنگا کی دھارا نکلی ہے، جو ہر دواری تک کہیں رکنے اور ٹھہرنے کا نام نہیں لے گی۔ بیان کی ایسی روانی آج کل ہندوستان کے کسی عالم میں نہیں ہے۔ تقریر میں محض الفاظ ہی نہیں ہوتے بلکہ ہر فقرے میں دلیل اور علمیت کا انداز ہوتا ہے۔“

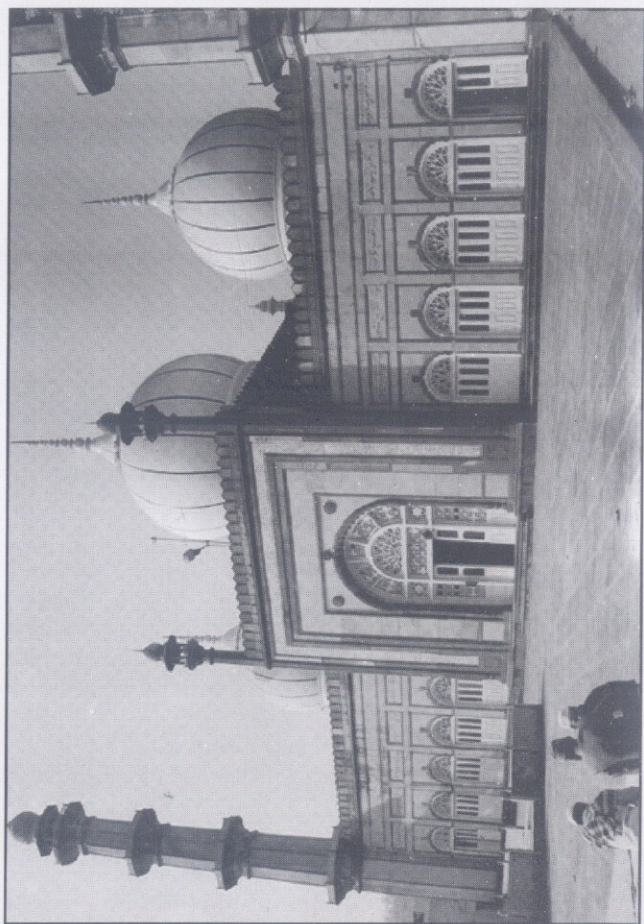
جناب سید امیر الدین قدوائی مرحوم تحریر کرتے ہیں:

”حضرت مولانا پروفیسر سید سلیمان اشرف صاحب قبلہ بڑے جید عالم اور مُرتاض درویش تھے۔ وہ اپنی طرف سے تفسیر کا درس مُسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی مسجد میں دیا کرتے تھے۔ اور جو لوگ اس میں شرکت کرتے تھے صرف اُن ہی کو شاگرد تسلیم کرتے تھے، وہ فیض کا دریا تھے۔ جس نے حسبِ ظرف جو کچھ اُن سے حاصل کر لیا اُس کی برکت اُسی نے نہیں بلکہ دُنیا نے بھی دیکھی اور اُس سے نفع پایا۔“

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی (۱۹۱۶ء-۱۹۹۵ء) سابق سربراہ شعبہ اُردو، جامعہ کراچی ”رفت و بود“ کے زیرِ عنوان رقم طراز ہیں:

”میں نے بہت سی یونیورسٹیاں دیکھی ہیں، بڑے بڑے علما کو دیکھا اور قریب سے دیکھا اور پرکھا ہے، لیکن سلیمان اشرف جیسا عالم میں نے نہیں دیکھا۔ میں جب اقبال کے مردِ مومن کا تصور کرتا ہوں اور اپنے آس پاس اسے تلاش کرتا ہوں تو مولانا سلیمان اشرف کا پاکیزہ اور روشن چہرہ میرے سامنے آ جاتا ہے۔“





جامع مسجد یونی ورسلی

## مولانا سلیمان اشرف ایک بالغ نظر مصلح

مولانا سلیمان اشرف ایک بالغ نظر مصلح بھی تھے، اس لیے انھوں نے اپنے لیکچرز اور تحریروں کے ذریعہ مسلم معاشرہ میں در آنے والے بگاڑ اور مختلف خرابیوں کی نشاندہی کر کے اصلاحِ احوال کی پوری کوشش کی۔ آئیے اُن کی کچھ تصانیف سے ایسی مساعی کی چند مثالیں دیکھتے ہیں۔

غیر محرم مرد کے ہمراہ حج و عمرہ:

”آج کل یہ مسئلہ بنالیا گیا ہے کہ اگر عورت کسی ایسی عورت کے ساتھ حج کے لیے جائے جس کے ساتھ اُس کا محرم ہو تو سفر جائز ہوگا۔ ہرگز یہ مسئلہ احناف کے نزدیک مقبول نہیں۔ ایسے مفتی جنھیں اپنے مذہب کے لطائف و نفائس کی خبر نہیں، اُن کے فتاوے سے احتراز چاہیے۔ عورت کے ساتھ جب تک شوہر یا محرم قابلِ اطمینان نہ ہو سفر حرام ہے۔ اگر کرے گی حج ہو جائے گا، مگر ہر قدم پر گناہ لکھا جائے گا۔ محرم وہی ہے جس سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے۔ ہمارے ائمہ احناف کی یہی تحقیق ہے اور یہی مسئلہ حق ہے۔“ ۱

آغاز سفر کے لیے بعض دنوں کا نخس خیال کرنا:

”یہ خیال محض عامیانہ ہے کہ بدھ کا دن منحوس ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ حضرت محبوبِ الہی سیدنا نظام الدین اولیا قدس سرہ کی اس دن کے ساتھ عجیب خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی ولادت چہار شنبہ کو ہوئی، آپ کی بیعت کا دن چہار شنبہ ہے، شیخ نے جس روز خرقہ خلافت عطا فرمایا وہ چہار شنبہ کا دن تھا، آپ نے جس روز رحلت فرمائی وہ چہار شنبہ تھا۔“ ۲

۱۔ محمد سلیمان اشرف، پروفیسر مولانا: الحج، طبع مسلم یونیورسٹی پریس، علی گڑھ، ۱۹۲۸ء، ص ۳

۲۔ یہ کیا اتفاق ہے کہ مولانا سلیمان اشرف کی وفات بھی چہار شنبہ کے روز ہوئی۔

۳۔ الحج، ص ۳۴



## کم خوابی و کم خوری:

اطباء متفق ہیں کہ کم کھانا اور کم سونا انسانی صحت کے لیے مفید ہے۔ بسیار خوری اور گھنٹوں لمبی تان کر سونا اگر صحت کے لیے مضر ہے تو نام نہاد ڈاکٹنگ سے جسم کو اتنا کمزور کر لینا کہ بیماری کو دعوت دینے کا باعث بنے دونوں انتہا پسندی کا مظہر ہیں۔ اسلام اعتدال کا حکم دیتا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

”شریعت محمدی نے مسلمانوں کو کم کھانے اور کم سونے کی طرف بہت ہی رغبت دلائی ہے تاکہ قوائے حیوانیہ کا ایسا غلبہ نہ ہونے پائے جو قوائے ایمانیہ کو مغلوب کر لیں۔“ ۱

## شرعی لباس کیا ہے؟:

یہ ایک بے نتیجہ اور خواہ مخواہ کی بحث ہے۔ لباس ستر کے لیے ہے اس کا صاف ستھرا اور پاکیزہ ہونا شرط اول ہے۔ مولانا اسلام کی مرضی و منشا بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”اسلام نے لباس کے باب میں اس قدر ضرور اصلاح کی ہے کہ متکبرانہ و بے سترو بے حیائی کا جامہ نہ ہو۔ اور یہ ایک کامل مذہب کا فرض تھا۔ باقی کسی خاص شخص کو لباس میں کچھ بھی دخل نہیں دیا۔ ہاں شارع علیہ السلام کا لباس بے شک مسنون و موجب اجر۔ عبا، جبہ، تہم و قمیص عربی مسنون و محبوب مگر فرض و واجب نہیں۔“ ۲

مولانا مرحوم کو کیا خبر تھی کہ دین کے علمبردار حضرات مخصوص ٹوپوں اور عماموں کے ساتھ اپنے گروہ کو دوسروں سے الگ اور نمایاں کرنے کا عجیب و غریب و طیرہ اختیار کریں گے اور رنگ برنگے پہناوے کی بدولت ملت کو ٹکڑیوں میں بانٹنے کا (غیر ارادی طور پر ہی سہی) ناپسندیدہ کارنامہ انجام دیں گے۔

۱۔ محمد سلیمان اشرف، پروفیسر مولانا: الحج، طبع مسلم یونیورسٹی پریس، علی گڑھ، ۱۹۲۸ء، ص ۲۳

۲۔ سید سلیمان اشرف بہاری، پروفیسر مولانا: البلاغ، طبع مطبع احمدی، علی گڑھ، ۱۹۱۳ء، ص ۱۵

## مسلمانوں کی سیاست دین سے جُدا نہیں:

کم فہمی اور لاعلمی کی بنا پر بعض حضرات اسلام کو زندگی کے تمام شعبوں پر محیط کرنے سے گریز اٹھاتے ہیں۔ ان کا استدلال ہے کہ اسلام کو صرف عبادت تک ہی محدود رکھا جائے، یہ طرزِ عمل نہایت ہی خطرناک ہے کہ سیاسی اور معاشرتی معاملات میں لوگوں کی راہ نمائی کرنے کے بجائے انھیں حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔ اگرچہ ”دنیا کے تمام مذاہب میں اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے دین و دنیا کا ہر پہلو انسانی حیات اور ضروریات کے لیے ایک مکمل ضابطہ پیش کیا، کوئی ایک بھی گوشہٴ حیات ایسا نہیں جسے اسلام واضح سے واضح شکل میں پیش نہ کرتا ہو، جہاں وہ روحانی اخلاقی تعلیم دیتا ہے وہیں تمدنی، معاشرتی، تعلیمی، صنعتی، اقتصادی، تجارتی، سیاسی مسائل پر مکمل اصول پیش کرتا ہے، دین و دنیا کو ساتھ لے کر چلتا ہے، وہ دوسرے مذاہب کی طرح رہبانیت نہیں سکھاتا۔“ مولانا سلیمان اشرف نے اپنے رسالہ البلاغ کے حصہ اسلام و خلافت میں اسلام..... اصولِ تمدن اور اسلام..... اسلام اور سیاست..... اسلام اور حرب..... خلافت..... جیسے عنوان قائم کر کے انسانی ضابطہٴ حیات کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ اسلام نے ایسی ضروریاتِ زندگی جو انسانی حیات کے لیے جزو لاینفک ہیں مثلاً تمدن، سیاست، حرب۔ اس کو خوب حل فرما دیا۔ اور یہ ایک کامل و صادق مذہب کا فرض تھا۔

مولانا ان عناصر سے بھی مخاطب ہوتے ہیں جو اپنی دعوت و تبلیغ میں اسلام کے قانون، اس کے اجتماعی عدل، معاشی مساوات، معاشرتی اور سیاسی نظام کی بات نہیں کرتے، انھوں نے اپنے اجتماعات اور پروگراموں کو محض چند مذہبی مسائل اور وعظ و نصیحت تک محدود کیا ہوا ہے جبکہ قرآن اور کتبِ حدیث اور فقہ کی کتابوں میں زندگی کے جملہ پہلوؤں پر جامع ہدایات ملتی ہیں، مگر عبادات اور انسان کے تعلق باللہ کی نسبت مجموعہ ہائے حدیث کا بہت بڑا حصہ اجتماعی اور معاشی مسائل، حقوقِ انسانی، مملکت کے انتظامی امور اور قیامِ امن و انصاف کے لیے دیوانی اور فوجداری قوانین



پر مشتمل ہے۔ مذکورہ رسالہ میں مولانا سلیمان اشرف فرماتے ہیں:

”احکام شرعیہ سے جو حضرات کہ ناواقف ہیں۔ اور انھیں توفیق اس سے آگاہی کی بھی نہیں ہوتی۔ وہ بر بنائے جہل مرکب<sup>۱</sup> یہ کہہ دیتے ہیں کہ اسلام صرف ترکیب نفس سکھلاتا ہے باقی اُسے دنیاوی امور میں کوئی دخل نہیں۔ اس تیرہ صدی میں جبکہ الحاد و جہل کی گھٹا مسلمانوں پر اُن کی بدنصیبی کی طرح چھائی ہوئی ہو اس طرح کی آوازیں اور بھی اسلام سے بے پروا کرنے والی ہیں۔ لہذا یہ بتلادینا کہ اسلام ہی ہے جس نے تمدن و سیاست و حرب تمام دنیا کو سکھلایا۔ ایک نہایت ضروری بات ہے۔“

چنانچہ خالق کے عطا کردہ کامل نظام..... دین حنیف کو من چاہے خانوں میں بانٹنے کی جاری عمومی روش کو ڈاکٹر محمد ارشد (جامعہ پنجاب) نے اپنے مقالے ’اسلامی ریاست کی تشکیل جدید میں بے بصیرتی، کوتاہ اندیشی اور خود غرضی سے تعبیر کیا ہے کہ کسی قوم کے اجزائے ترکیبی میں جہاں تہذیبی، ثقافتی، سماجی، مذہبی اور روحانی عوامل بے حد اہمیت کے حامل ہیں، لیکن سیاسی شعور سے عاری انسانوں کا کوئی گروہ دیگر تمام تر خصوصیات کے باوصف ایک قوم کہلانے کا مستحق ہرگز نہیں ہے۔ بقول غلام غوث صدیقی علیگ:

خواہی از سیاست دین جدا      وای بر تدبیر طبع نارسا  
ای ز دین بیگانه و حق ناشناس      دینت الحاد و سیاست بے اساس

۱۔ جہل مرکب (ع) مذکورہ مومنٹ۔ دُہری نادانی، نادان ہونے پر اپنے آپ کو داناجانا، کسی چیز پر خلاف واقع اعتقاد کرنا۔ مثلاً سونے کو چاندی اور چاندی کو سونا جانا۔ دو جہلوں میں گرفتار ہونا، یعنی عدم علم اور نادانیت عدم علم، غلط واقفیت (۲) جو علم نہ ہونے کے باوجود خود کو عالم سمجھے۔

۲۔ آئینس کہ نداند و بداند کہ داند      در جہل مرکب ابدالہر بماند

## حیاتِ مولانا سلیمان اشرف کی چند جھلکیاں \*\*

ہرگز نمیرد آنکہ دیش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

بلاشبک حی و قیوم کے خاص بندے، موت کو اگلے مراتب کے لیے زینہ اور فتح باب بناتے ہیں، بوسیدگی، شکستگی اور بربادی ان کی موت کا دوسرا نام ہے جو حیحی و ممیت سے کٹ گئے اور فنا کے گھاٹ اتر گئے۔

بقول ڈاکٹر طلحہ رضوی، آپ کا آبائی نسب حضور غوث اعظم رضی عنہ تک اور مادری نسب حضرت مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی رحمہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے۔ آپ سلسلہ چشتیہ نظامیہ فخریہ سے منسلک تھے۔ گھر پر ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد کانپور استاذ الاساتذہ حضرت مولانا احمد حسن رحمہ تعالیٰ کی خدمت میں پہنچ کر کسب علوم دین کی خواہش ظاہر فرمائی۔ استاذ وقت پہلے حدیث اور پھر منطق کی تعلیم دینا چاہتے تھے، لیکن سید صاحب پہلے منطق اور بعد میں حدیث کی تحصیل پر مصر تھے۔ اپنی رائے پر قائم رہتے ہوئے جون پور حضرت مولانا ہدایت اللہ خاں رحمہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا رحمہ تعالیٰ نے سید زادہ کی ہر خواہش پر سر تسلیم خم کرنے کو خوش نصیبی سمجھتے ہوئے ہر بات بہ طیب خاطر قبول فرمائی اور اس طرح ایک جوہر شناس ماہر کو ایک گوہر بے بہا مل

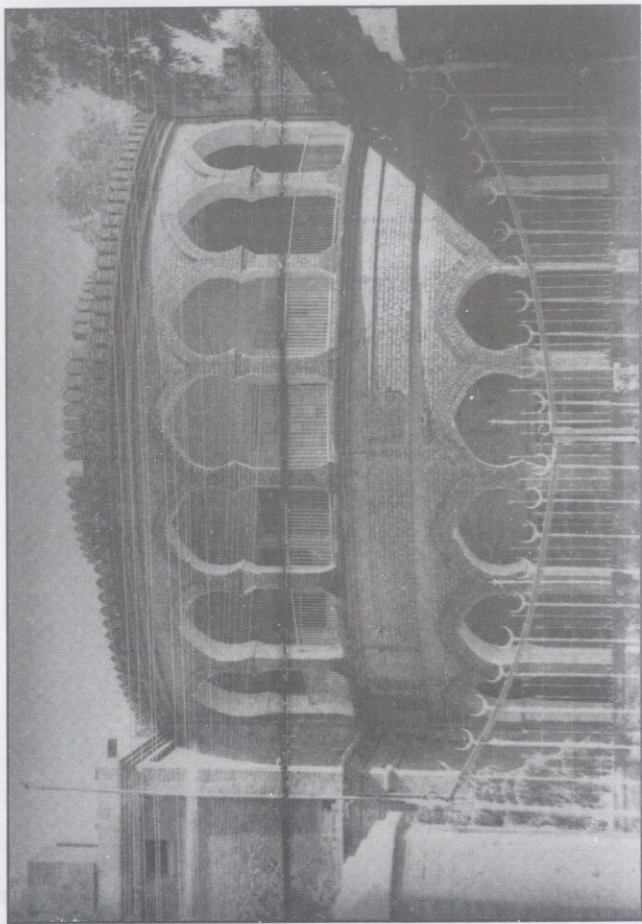
\* سابق ریڈر طبیہ کالج علی گڑھ

\*\* مضمون موصولہ ہمراہ گرامی نامہ بنام ظہور الدین خاں از بیت انور، سرسید نگر۔ علی گڑھ، مورخہ ۱۱ اگست ۱۹۸۶ء



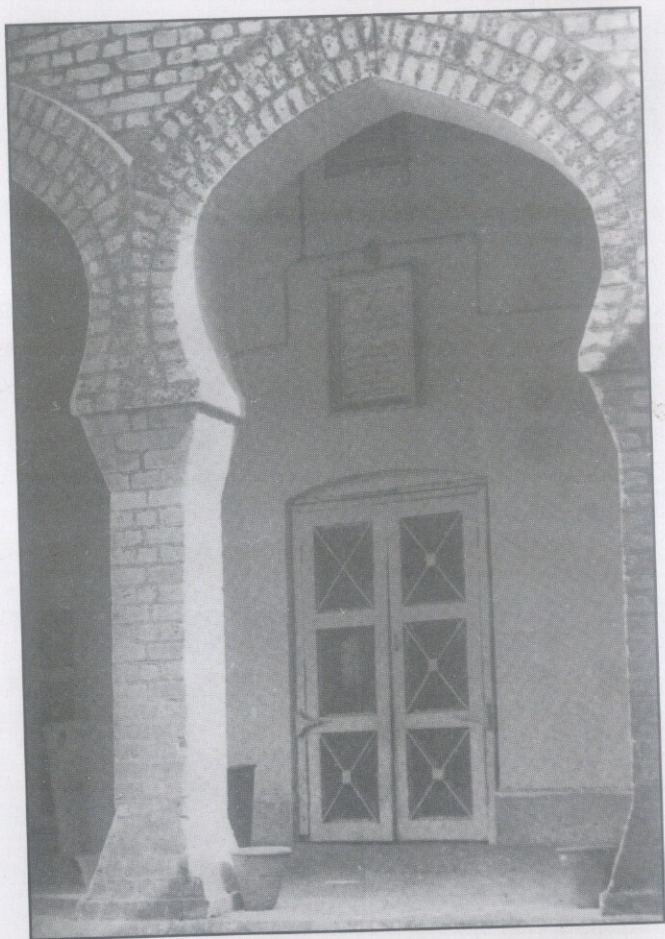
گیا۔ آپ نے لمحہ بلحاظ اپنی ذہانت و صلاحیت کے خیرہ کن جواہر ریزے بکھیرنا شروع کر دیے، اور آخر کار آپ کی جلالت، علم و فضل اور عشق رسول نے آپ کی شخصیت کو ایسا تراشا کہ خود جوہری اپنے گوہر کی آب و تاب سے خیرہ ہو کر اس کا عاشق ہو گیا۔ چنانچہ ایک بار جون پور میں ایک محفل میلاد مقدس میں سید صاحب علم و حکمت اور عشق رسول کی فضا کو معنبر و معطر فرمانے میں مجھ تھے کہ ایک مرقع علم و حکمت نے منبر پر پہنچ کر دفور محبت سے سرشار اور وارفتہ سید صاحب کو سینہ سے چٹالیا اور پیشانی کو بوسہ دینے لگے۔ یہ تھے آپ کے استاذ حضرت مولانا ہدایت اللہ خاں رضی عنہما۔ سید صاحب بھی اپنے استاد کے پروانہ تھے۔ آخری سانس تک استاد پر جان نچھاور کرتے رہے اور جب استاذ نے اپنے خالق کے حکم کو لبیک کہا، تو آپ نے ہوش و حواس کھو دیا۔ عرصہ تک کھوئے کھوئے سے رہے۔ آخر کار اسی مدرسہ میں تدریس اور استاد مرحوم کی نیابت کے فرائض کو قبول فرما لیا۔ ایک مناسب موقع پر سید صاحب کے عقیدت مند مولوی جواد علی صاحب نے آپ کے علم میں لائے بغیر علی گڑھ کالج کے شعبہ دینیات کے استاذ کی ایک جگہ کے لیے درخواست دے دی۔ پھر انھی کے اصرار پر ۱۹۰۸ء میں آپ بحیثیت استاذ شعبہ دینیات علی گڑھ تشریف لائے۔

آپ کے حاسدین و مفتربین نے آپ کے قیام علی گڑھ کے دوران جو جو گل کھلائے اس کا تذکرہ کئی مستند مضامین میں آچکا ہے۔ یہاں بسلسلہ تقرر ایک واقعہ پیش کر رہا ہوں، جو یورڈ اس جگہ کے استاذ کے انتخاب کے لیے مقرر کیا گیا تھا اس میں ایک اہم رکن نواب مزل اللہ خان صاحب رئیس بھیکم پور بھی تھے۔ تقرر کے لیے غور و خوض اور فیصلہ کے وقت نواب صاحب موجود نہ تھے اور ان کی شخصیت کے پیش نظر ان کی رائے بہر حال قابل اعتنا اور ناگزیر تھی۔ نواب صاحب نے حضرت کے تقرر کے لیے یہ شرط پیش کی کہ مولوی حسین احمد صاحب مدنی ان کی قابلیت کی تصدیق کر دیں، جو اتفاقاً علی گڑھ ہی میں موجود تھے۔ نواب صاحب نے شب میں دعوت اور دوسرے دن جلسہ سیرت پاک کا پروگرام مرتب کیا۔ اب حضرت کی جلالتِ شان، صلابت ایمان، کمالِ جرأت و استغنا کی ایک جھلک قارئین ملاحظہ فرمائیں۔ شب کی دعوت میں حضرت مدعو تھے، وہاں پہنچ کر کھانے سے لے کر نشست و برخاست تک فریقِ مراتب دیکھ کر آپ کی رگ



آدم جی پیر بھائی منزل کا سامنے کا منظر





آدم جی پیر بھائی منزل کے اندر یادگار پتھر

ہاشمی پھڑکی اور سخت ناراضگی و ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے کھانے میں شرکت کیے بغیر اپنے دوست نواب صدر یار جنگ کے یہاں واپس آ گئے۔ واقعہ سن کر صدر یار جنگ آپ کے تقرر کے سلسلہ میں بے حد متفکر ہوئے، لیکن آپ سرپائے استغنا اپنے معمولات میں مصروف رہے۔ صبح حسب پروگرام نواب صاحب کی کوٹھی پر جلسہ سیرت پاک میں آپ کی تقریر ہوئی۔ آپ کے تخر، جوش بیان اور قوت استدلال نے عوام تو عوام خواص کو بھی متحرک کر دیا حتیٰ کہ مولوی حسین احمد صاحب مدنی حضرت کی مدلل تقریر سے مبہوت ہو گئے۔ سید صاحب سے عرض کر دیا گیا تھا کہ مدنی صاحب سلام و قیام کے قائل نہیں ہیں، آپ نے اسی کو اپنا موضوع تقریر بنایا اور آیات و احادیث کی ایسی بوچھاڑ کی کہ خود مولانا دوران تقریر تصویر حیرت و حیران بنے رہے، اور جب سید صاحب صلوٰۃ و سلام کے لیے کھڑے ہوئے، تو مولانا مدنی بھی بے ساختہ اور موڈ بانہ کھڑے ہو گئے۔ پھر جب سید منبر سے اترے تو مولانا مدنی نے والہانہ انداز میں اٹھ کر انھیں سینہ سے لگا لیا اور کہا کہ میرا تو خیال تھا کہ مولانا ہدایت اللہ خاں کے یہاں منطق و فلسفہ ہی کا شور و شورہ ہے، آج معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث کے بحر زخار کی بشاوری میں ان کے شاگرد تک (نہایت) مہارت رکھتے ہیں۔ مولانا مدنی نے یہ تک کہہ دیا کہ اب میں قیام کا قائل ہو گیا۔ نواب صاحب نے اشارہ کیا کہ سید صاحب اس دادر پر مولانا کا شکریہ ادا کریں۔ آپ نے برجستہ فرمایا۔ ’ان دادوں کی کیا حیثیت ہے؟ مجھے داد اُس بارگاہ سے ملتی ہے جو اپنے محب و مولیٰ کی عنایت سے قاسم بھی ہے مختار بھی۔‘

آپ کی شخصیت عزت نفس، غیرت، علم، قلندریت اور دانش وری کا مرقع تھی۔ ”آدم جی پیر بھائی منزل“ کے ایک حصہ کو اپنا بسیرا بنالینے والے اس مرد مومن اور صوفی باصفانے زندگی کی وہ طرح ڈالی جس سے ہزاروں زندگیوں نے روشنی لی اور خود بھی منارہ علم و عمل بنے۔ وائس چانسلر سر ضیاء الدین آپ کے حضور میں حاضری کو باعث فخر سمجھتے تھے اور اہم مسائل میں آپ کی اصابت رائے سے ہمیشہ استفادہ کرتے رہتے تھے۔ ریاضی کی چند گتھیوں کو سلجھانے کے لیے حضرت ہی کے مشورہ پر انھی کی معیت میں سفر جرمنی کو بریلی کی طرف موڑ دیا اور چٹکیوں میں حل ہونے والی گتھیوں کے واقعہ پر بزرگ عظیم کے عظیم ماہر ریاضیات ہمیشہ کے لیے نہ صرف حضرت بلکہ امام اہلسنت



کی غلامی کا دم بھرنے لگے۔ پروفیسر ظفر الحسن کے تحقیقی مقالہ کے اصل روح رواں سید صاحب ہی تھے۔ علم دین کی حرمت کا یہ عالم تھا کہ کبھی کانو وکیشن میں شریک نہیں ہوئے۔

عربی، فارسی اور منطق و فلسفہ کے پروفیسران اپنی گتھیوں کو لے کر طالب علمانہ آتے اور نئی روشنی و نئے عزم کے ساتھ کلاس جاتے۔ گفتگو میں علم و فضل کی جلالت و متانت کے ساتھ ساتھ خوش طبعی اور مزاح لطیف کی کلیاں بھی کھلتی رہتیں۔ خود فراموشی اور قلندریت نے اگر ایک جانب سادگی اور سادہ مزاجی کا سبق آموز نقشہ پیش کیا، تو دوسری طرف نزاکت طبع نے رؤساء وقت کو انگشت بدنداں کر دیا۔ گرمی کی آگ، سردی کی برفانیت، برسات کا طوفانِ باد و باران ہمیشہ ایک ہی جگہ پر آپ کے قیام گاہ کی استقامت کو چومتی اور آگے بڑھی ہیں۔ صدر یار جنگ جو خود بھی بحرِ عالم اور مولنا ابوالکلام آزاد جیسے لوگوں سے مراسلہ ربط رکھتے ہمیشہ عصر و مغرب کی نماز آپ کے فقیر کدہ پر آپ کی امامت میں پڑھتے۔ اور گھنٹوں علمی پیاس بجھاتے رہتے۔ سید صاحب کی مرقہ انور اور قیام گاہ کے سنگ مرمر پر کندہ کتبے سید صاحب کے حضور آپ کی عقیدت بلکہ والہانہ عشق اور کمالِ علم و فضل کے آئینہ دار ہیں۔ سید صاحب کی تہا "المبین" ایک دائرۃ المعارف یا انسائیکلو پیڈیا ہے جو ایک نئے فن کی ایجاد کا سرچشمہ اور حضرت کے لسانی اور ادبی نابغیت کی زندہ تصویر ہے۔ اگر آپ اسی پر بس کرتے تو اس سے ہزاروں کتابیں وجود میں آسکتی اور جنم لے سکتی تھیں۔

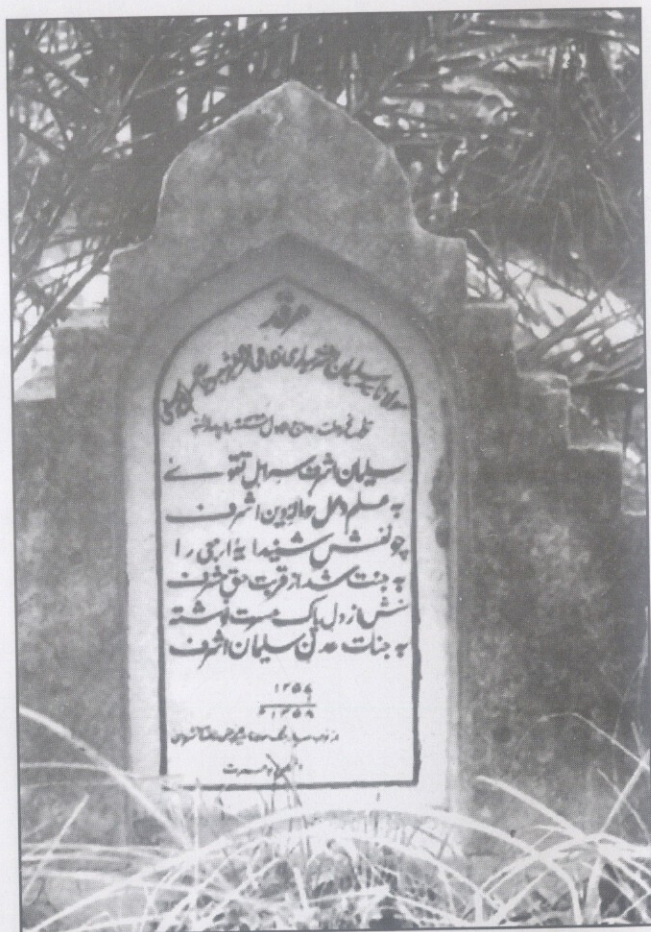
آپ نے تصنیفی زندگی میں مقدار، حجم اور تعداد کو نہیں بلکہ ضرورتِ وقت، مسائل کی اہمیت کو فوقیت دی۔ دینی علمی، سیاسی سماجی وغیرہ موضوعات میں جب بے راہ روی، گم رہی اور اسلام و جمہور کو نشانہ بنتے دیکھا فوراً آپ کے قلم نے پتھر کی لکیر کھینچ دی اور زبان و بیان، سلاست و فصاحت کے ساتھ دلائل و براہین کے وہ انبار لگا دیے کہ مخالف بھی سوچنے اور ماننے پر مجبور ہوا۔ المبین، الثور، البلاغ، الانہار، السبیل، الخطاب، الحج وغیرہ آپ کے اس نظریہ تصنیف کے ترجمان ہیں۔

آپ کے مزار مبارک پر یہ زندہ کرامت دیکھنے میں آئی کہ کھجور کا جو درخت مزار انور پر سایہ فگن ہے اس کی تمام شاخیں مردہ اور خشک ہو چکی ہیں، لیکن وہ شاخیں تو تازہ اور شاداب ہیں،

مزار مبارک کے مقابلے پر مظلوم تاریخ وصال







مرقد مبارک کا کتبہ

جنہیں خاص مزار انور (یعنی لوح مزار یا تعویذ قبر) پہ سایہ فگنی کا شرف حاصل ہے۔  
ذیل میں لوح مزار کی منظوم تاریخ وصال اور قیام گاہ کی تحریر کی نقل درج کی جا رہی ہے۔

### مرقد

مولانا سید سلیمان اشرف بہاری نظامی فخری میر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی

تاریخ رحلت ۵ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ روز چہار شنبہ

سلیمان اشرف سر اہل تقوٰے

بہ علم و عمل والہ دین اشرف

چو نقش شنید ایہ ارجعی را

بہ جنت شد از قربت حق مشرف

سنش از دل پاک حسرت نوشتہ

بہ جنات عدن سلیمان اشرف

۱۳۵۷

۱

۱۳۵۸ھ

از نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی

المختص بہ حسرت

سید صاحب کا مزار مبارک قبرستان مسلم یونیورسٹی کے شرقی غربی گوشہ میں قبرستان (جس کو منٹو سرکل بھی کہتے ہیں) کی چہار دیواری کے اندر ایک چھوٹی چہار دیواری میں واقع ہے، جو

۱۔ ”قبرستان کے شمالی حصے میں ایک چار دیواری کے اندر چند قبریں نظر آتی ہیں۔ ان میں سب سے نمایاں قبر مولانا سید سلیمان اشرف مرحوم کی ہے۔ مولانا شعبہ دینیات کے سربراہ تھے اور میلاد حقانی کی محفلوں میں خاص طور پر مدعو کیے جاتے تھے۔ ان کا سال وفات ۱۳۵۸ھ ہے۔ ”بہ جنات عدن سلیمان اشرف“ سے ۱۳۵۷ھ برآمد ہوتے ہیں۔ ماہرین فن تاریخ نے ایک عدد کی رعایت دی ہے۔“ (محمد اسلم، پروفیسر۔ ”سفر نامہ ہند“، ریاض برادرز۔ لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۴۷) ناشر



نواب صدر یار جنگ کی خصوصی عقیدت کی نشانی ہے۔ اس چہار دیواری میں نواب فیملی کے علاوہ اور بھی قبریں ہیں جن کی کثرت اگر ایک طرف و نور عقیدت و حصول فیوض و برکات کی مظہر ہے تو دوسری طرف زائرین کی حاضری میں سدراہ بن گئی ہے۔ نیز قبرستان ایک دوسرے عقیدہ کے فرد کے انتظام میں ہے اس لیے مناسب دیکھ بھال اور حفاظت (یعنی Maintenance) کے نہ ہونے سے مستقبل میں بوسیدگی بڑھ جانے کا اندیشہ ہے۔

حضرت قدس سرہ کی قیام گاہ پر سنگ مرمر پر کندہ حسب ذیل تحریر ہے:

۷۸۶

بیادگار

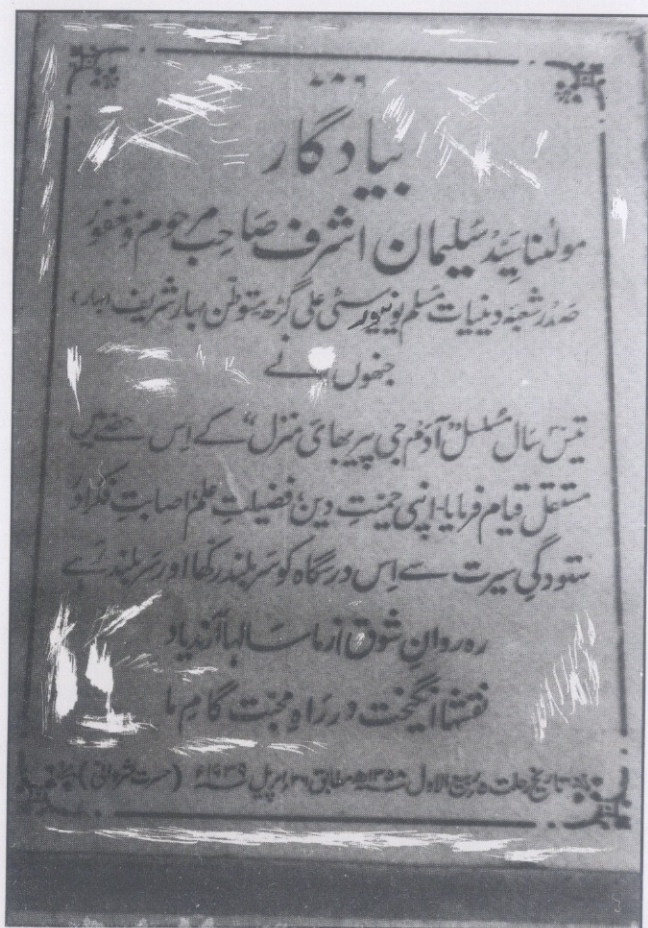
مولانا سید سلیمان اشرف صاحب مرحوم و مغفور  
صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ متوطن بہار شریف (بہار)  
جنھوں نے

تیس (۳۰) سال مسلسل ”آدم جی پیر بھائی منزل“ کے اس حصے میں  
مستقل قیام فرمایا۔ اپنی حمیت دین، فضیلت علم، اصابت فکر اور  
ستودگی سیرت سے اس درس گاہ کو سر بلند رکھا اور سر بلند رہے

راہ رواں شوق از ما سالہا آرند یاد

نقشہا انگینت در راہ محبت گام ما

تاریخ رحلت ۵ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۶ اپریل ۱۹۳۹ء (حسرت شروانی)



یادگار پتھر کا واضح منظر



## سخن ہائے گفتنی

مولانا سید سلیمان اشرف گزشتہ صدی کے ان علمائے ذی اکرام میں سے ہیں جن کی ذات علم و عمل کی جامع تھی۔ انھیں علوم شرعی کے ساتھ ساتھ شعر و ادب سے بھی طبعی مناسبت تھی۔ فلسفہ و معقولات کے ماہر تھے تو لسانیات پر بھی عبور تھا۔ مولانا سلیمان اشرف تقریباً ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں محلہ میرداد (پٹنہ، بہار) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولانا حکیم سید عبداللہ اپنے عہد کے فاضل طبیب و عالم تھے۔ ان کا سلسلہ نسب مخدوم سید اشرف سمنانی کچھوچھوی کے بھانجے سید عبدالرزاق جیلانی سے جاملتا ہے، تاہم اس خانوادے کے اراکین مخدوم سمنانی کی طرف منسوب ہو کر اشرفی کہلاتے ہیں، خود مولانا کے نام کے ساتھ اشرف کا لاحقہ اسی نسبت سے ہے۔

مولانا نے ابتدائی تعلیم اپنے اعمام محترم سے حاصل کی۔ مولانا کے چار چچا تھے۔ مولانا عبدالقادر، مولانا عبدالرزاق، مولانا عبدالغنی اور مولانا عبید اللہ۔ چاروں ہی سے مختلف اوقات میں مختلف کتابیں پڑھیں۔ اسی دوران مولوی رمضان علی سے بھی کسب علم کرتے رہے۔ اس کے بعد بہار اسکول میں داخلہ لیا۔ دسویں کلاس تک پہنچے تھے کہ طبیعت دینی تعلیم کی طرف شدت سے مائل ہوئی۔ اسکول کو خیر باد کہا اور مولانا نور محمد اصدقی (خلیفہ اعظم شاہ قیام اصدق، پیر گیہہ جموانواں) سے عربی و فارسی کی تعلیم لی۔ اسی دوران ان کے دامن عقیدت سے وابستہ ہوئے اور اخذ طریقت کیا۔ اس کے بعد مولانا مولانا حکیم سید وحید الحق استھانوی (م: ۱۳۱۵ھ) کے قائم کردہ ”مدرسہ اسلامیہ“ استھانواں (قیام ۱۳۰۱ھ) میں مولانا سید محمد احسن استھانوی بہاری سے اخذ علم کیا۔ یہ مدرسہ بہار میں دیوبندی احناف کا پہلا نمائندہ مدرسہ تھا۔ یہاں یہ دلچسپ امر بھی لائق ذکر ہے کہ

اس مدرسے کے بانی مولانا سید وحید الحق اور اس کے اوّلین مدرس مولانا سید محمد احسن مشہور اہل حدیث عالم سید نذیر حسین محدث دہلوی (م: ۱۳۲۰ھ) کے تلمیذ رشید تھے۔

مدرسہ اسلامیہ کے بعد مولانا نے اپنی تعلیمی زندگی کا کچھ عرصہ مولانا احمد حسن کان پوری کی درسگاہ اور ”دارالعلوم ندوہ“ میں بھی بسر کیا۔ اس کے بعد ”مدرسہ حنفیہ“ جون پور میں مولانا ہدایت اللہ خاں رام پوری سے اخذ علم کیا۔ مولانا ہدایت اللہ منطق و معقولات میں اپنے زمانے کے امام تھے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی کے شاگرد رشید تھے۔ مولانا نے منطق و معقولات میں اسی خیر آبادی سرچشمہ علم سے فیض اٹھایا۔ ان کے اساتذہ عالی مرتبت کے علاوہ مولانا کے اساتذہ میں ایک قابل ذکر نام مولانا یار محمد بندیالوی (م: ۶ دسمبر ۱۹۴۷ء) کا بھی ہے۔

مولانا سلیمان معقولات کے عالم، لسانیات کے ماہر، فقیہ و مدرس اور ادیب تھے، لیکن طبعاً وہ اوّل تا آخر ایک صوفی تھے۔ ان کے تصوف کی سب سے بڑی خوبی ان کی سلامت روی اور وسیع المشرقی تھی۔ یہاں اس غلطی کا خیال کی تردید ضروری ہے کہ مولانا سلیمان اشرف، مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے تلمیذ و خلیفہ تھے۔ بعض اہل علم نے بر بنائے عقیدت مولانا سلیمان اشرف کو فاضل بریلوی کے اجلہ خلفاء میں محسوب کیا ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ مولانا سلیمان کو فاضل بریلوی سے شدید عقیدت تھی مگر یہ تعلق عقیدت و ارادت تلمذ و خلافت کی نسبت کے بغیر تھا۔ خود مولانا بریلوی نے ”ذکر احباب و دعاء احباب“ کے عنوان سے اپنے خلفاء کے ناموں کو منظوم کیا ہے جس میں اپنے چودہ (۱۴) اکابر خلفاء کے نام درج کیے ہیں ان میں مولانا سلیمان کا نام شامل نہیں۔ اسی طرح جب مختلف حضرات نے خود کو مولانا بریلوی کا تلمیذ رشید و خلیفہ ارشد باور کرانا شروع کیا، تو مولانا بریلوی کو ضرورت محسوس ہوئی کہ ان جعلی خلفاء سے اظہار برأت کی جائے لہذا انہوں نے ضروری اعلان کے تحت ایک اشتہار شائع کرایا جس میں اپنے پچاس (۵۰) خلفاء کے نام درج کیے ان میں بھی مولانا سلیمان اشرف کا نام شامل نہیں۔ اگر مولانا سلیمان، فاضل بریلوی کے خلیفہ ہوتے تو کیا ممکن تھا کہ انھیں نظر انداز کر دیا جاتا؟ مولانا نے مسلم یونیورسٹی



علی گڑھ جیسی مرکزی درس گاہ میں بیٹھ کر سالہا سال درس و تدریس کی ذمہ داریاں نبھائیں مگر ان کے کسی شاگرد نے اور نہ ہی کسی معاصر نے انہیں مولانا بریلوی کی خلافت سے منسوب کیا حتیٰ کہ مولانا سلیمان کے سوانح نگار محمد علی اعظم خاں قادری نے اپنی کتاب ”حیات و کارنامے۔ سید سلیمان اشرف بہاری“ میں مولانا بریلوی سے ان کی عقیدت کا ذکر تو کیا مگر ان سے نسبت تلمذ و خلافت کا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔

مولانا سلیمان کی وسیع المشرقی نے انھیں ہر طبقے میں ہر دلعزیز بنا دیا تھا۔ ان کے مراسم اپنے نقطہ نظر کے مخالف علما و اہل علم کے ساتھ بھی بڑے خوشگوار تھے۔ مولانا کا دینی و سیاسی مسلک مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے مسلک کے مطابق تھا۔ اپنے مسلک میں شدت سے وابستگی کے باوجود انھوں نے دوسرے مکاتب فکر کے اہل علم کے ساتھ احترام کا رشتہ کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ ان کی تحریر و تقریر میں کبھی سو قیت طاری نہیں ہوئی۔ اسی طرح اپنے نقطہ نظر کے مخالف علما، اشخاص و اداروں کے محاسن کا ذکر کرنے سے مولانا کے قلم نے بخل سے کام نہیں لیا۔ عربی مدارس میں اصلاح اور انگریزی کی شمولیت کا خیال سب سے پہلے مولانا ابو محمد ابراہیم آروی (م: ۱۳۱۹ھ) کے دل میں آیا تھا جسے انھوں نے عملی شکل (مدرسہ احمدیہ آرہ) میں مرتسم کیا۔ عام طور پر مورخین اس کا ذکر نہیں کرتے۔ مگر مولانا سلیمان اشرف نے باوجود اختلاف مسلک و مشرب تسلیم کیا کہ:

”اگر خصوصیت ملی اور امتیاز قومی کی حیات تشنہ آب علوم اسلامیہ تھی تو قوام جسم کا نظام اپنے بقا اور نمو کے لیے انگلش زبان کا بھوکا تھا حکماء امت کی دور بین نگاہوں نے اسے دیکھا اور عربی مدارس کے اصول تعلیم میں تغیر و تبدل کے لیے آمادہ ہو گئے خالص مدارس عربیہ میں کچھ انگریزی کی تعلیم داخل کی گئی نیز طریقہ تعلیم میں بھی سہولت کی راہ پیدا کی گئی۔ فقیر کے علم میں سب سے پہلے مدرسہ احمدیہ آرہ نے اس کی بنیاد رکھی۔ صرف و نحو کی بعض کتابیں سہل اصول پر تصنیف ہو کر وہاں سے شائع ہوئیں اور کچھ انگریزی کا سیکھنا لازم قرار دیا گیا۔“ (السبیل: ۲۰)

اسی طرح جب ایک لمحد کی تردید مسئلہ ڈاڑھی پر ”زنہۃ المقال فی لمحیۃ الرجال“ لکھی تو اس میں مولانا ابو محمد ابراہیم آروی، مولانا حافظ عبد اللہ غازی پوری، مولانا ابو عبد الرحمن عبد اللہ ہزاروی ثم گیلانی وغیرہم کے فتوے بھی درج کیے۔ یہ مولانا سلیمان کی وسعت قلبی کی واضح دلیل ہے۔

مولانا مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے لائق تکریم استاد تھے جہاں مختلف الخیال علما و اہل علم موجود رہتے تھے۔ مولانا بھی اس بزم کے ایک رکن تھے۔ مولانا کو ارباب دولت سے کبھی سروکار نہیں رہا۔ اللہ نے انھیں غنائے قلب کی دولت سے نوازا تھا۔ انھوں نے تازیست کبھی کسی کی خوشامد نہیں کی اور نہ ہی کسی سے اپنے جاہ و مرتبے کی امید باندھی۔ مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

”مرحوم خوش اندام، خوش لباس، خوش طبع، نظافت پسند، سادہ مزاج اور بے تکلف تھے، ان کی سب سے بڑی خوبی، ان کی خودداری اور اپنی عزت نفس کا احساس تھا، ان کی ساری عمر علی گڑھ میں گزری، جہاں امر اور ارباب جاہ کا تانتا لگا رہتا تھا مگر انھوں نے کبھی کسی کی خوشامد نہیں کی اور نہ ان میں سے کسی سے دب کر یا جھک کر ملے، جس سے ملے برابری سے ملے اور اپنے عالمانہ وقار کو پوری طرح ملحوظ رکھ کر علی گڑھ کے سیاسی انقلابات کی آندھیاں بھی ان کو اپنی جگہ سے ہلانا نہ سکیں۔ علی گڑھ کے عشرت خانہ میں ان کی قیام گاہ ایک درویش کی خانقاہ تھی، یہاں جو آتا، جھک کر آتا، اگر مجلس سازگار ہوئی تو دعائیں لے کر گیا ورنہ اٹے پاؤں ایسا واپس آیا کہ پھر ادھر کا رخ نہ کیا۔“ (یاد رفتگان: ۱۸۹-۱۹۰)

مولانا نہایت نیک نفس تھے، دوسروں کی ضرورتوں کا خیال رکھتے تھے۔ اپنے استاد کے داماد کو ملازمت دلوائی۔ اور ان کے بیٹے کے تعلیمی اخراجات کے کفیل ہوئے۔ پڑھا لکھا کر انھیں یونیورسٹی میں ملازمت کے قابل بنایا لیکن پھر اس کی ضرورتوں کا خیال رکھتے رہے۔ اپنے ایک بھانجے سید معین کی کفالت کی۔ مولانا کے ایک بڑے بھائی سید انیس اشرف جو محکمہ پولیس میں آفیسر تھے ان کا دماغی توازن خراب ہو گیا تھا۔ انھیں اپنے پاس رکھا اور جس جانفشانی سے ان کی



خدمت کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ بقول سید سلیمان ندوی:

”اپنی ضعیف والدہ کی اطاعت اور اپنے ایک دیوانہ بھائی کی رفاقت اور خدمت

میں عمر اس طرح گزاری کہ اس کی نظیر مشکل ہے۔“ (حوالہ مذکور)

مولانا مدت العمر شادی سے گریزاں رہے۔ اپنی والدہ مکرمہ کے شدید اصرار پر آخری عمر

میں رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے مگر کوئی اولاد نہ ہوئی۔

مولانا کے علم و فضل اور ان کے طرز خطابت و وعظ کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر ابرار حسین

فاروقی لکھتے ہیں:

”حضرت مولانا سید سلیمان اشرف مرحوم و مغفور کے علم و فضل کا اندازہ وہ

لوگ خوب کر سکتے ہیں جنہوں نے مدوح سے درس لیا یا ان کے مواعظ حسمے۔

ان کا وعظ سیدھے سادے الفاظ میں تصنع، تکلف اور لفاظی کے بغیر بڑا دلکش ہوتا

تھا۔“ (ماہنامہ ”معارف“، عظیم گڑھ۔ فروری ۱۹۷۵ء)

مولانا اپنے نقطہ نظر کے اظہار میں بڑے جری و بیباک تھے۔ کسی مخالفت کی پروا نہ کرتے

تھے، جب ہندوؤں کے سیاسی اثر سے مسلمان زعماء بھی ذبیحہ گاو کو مصلحتاً ترک کر دینے پر آمادہ

ہو گئے تو مولانا سید سلیمان اشرف نے اس کی سختی سے تردید کی۔ اپنی گراں قدر کتاب ”الرشاد“

میں اس مسئلے پر سیر حاصل بحث کی۔ مولانا سلیمان اشرف کے علاوہ بہار کے جن علمائے ذبیحہ گاو

کی حمایت میں سرگرمی سے حصہ لیا ان میں مولانا حکیم محمد ادریس ڈیوانوی اور مولانا محمد شموئیل عظیم

آبادی وغیرہم قابل ذکر ہیں۔ مؤخر الذکر کی کتاب ”عید المومنین“ کے عنوان سے پٹنہ سے طبع ہوئی

جس پر اوّل الذکر کی تقریظ ہے۔

مولانا سلیمان کی زندگی کا ایک قیمتی اور روشن پہلو ملت اسلامیہ کے لیے دلی درمندر کھنے

والے غم خوار کا تھا۔ ان کا سینہ امت مسلمہ کی زبوں حالی سے غم زدہ تھا اور ان کی آنکھیں زوال

امت پر آشکبار تھیں۔ وہ دین اور سیاست کی تفریق کے سخت مخالف تھے۔ خود فرماتے ہیں:

”جو مذہب اپنی حفاظت نہیں کر سکتا اور اپنی مامون زندگی کے لیے طاقت روا نہیں رکھتا ہے اُس کا وجود محالاتِ عادیہ میں سے ہے اور وہ ایک فلسفہ خیالی سے زائد مرتبہ نہیں رکھتا۔ وہ ہاتھ جس میں اخلاقِ حسنہ کی کتاب ہو نہایت ہی مقدس و واجبِ انتظیم ہے اُس کو بوسہ دیجئے آنکھوں پر رکھئے۔ لیکن سلامت وہی ہاتھ رہ سکتا ہے جس میں خونچکاں شمشیر کا قبضہ دکھلائی دے۔“ (البلاغ، اسلام و خلافت: ۲-۳)

وہ مسلمانوں کے اندرونی اختلافات کو ناپسند کرتے تھے اور استعمار کے ہاتھوں کھلونا بننے کو انتہائی معیوب سمجھتے تھے۔ ان کے خیال میں مسلمانوں کی طاقت کو جب ضعیف و اضمحلال نے آلیا تو استعمار کو دراندازی کا موقع ملا۔

مولانا نے کئی کتابیں تالیف فرمائیں۔ عربی زبان کی اہمیت و افادیت پر ان کی ایک کتاب ”المبین“ ہے جس پر ہندوستانی اکیڈمی نے انھیں ایوارڈ اور پانچ سو روپیہ نقد انعام دیا۔ ”النور“، ”البلاغ“، ”الرشاد“، ”الحج“، ”السبیل“ اور ”زہمة المقال فی لمحیة الرجال“ بھی ان کے تحریری ذخیرے میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ ”ہشت بہشت“ پر ان کا فاضلانہ مقدمہ موسوم بہ ”الانہار“ فنِ شاعری میں ان کے درک کا مظہر ہے۔ ”الخطاب“ ان کا لکچر ہے جو کتابی شکل میں شائع ہوا۔ ”مسائل اسلامیہ“ کے عنوان سے ان کے مختلف مواعظ کا ایک مجموعہ ان کے تلمیذ مولوی عبدالباسط نے جمع کیا۔ خیال ہے کہ ان کے لکچر کے اور مجموعے بھی شائع ہوئے ہوں گے، تلاش و جستجو کی جائے تو مزید مل سکتے ہیں۔

مولانا سید سلیمان اشرف اپنے عہد کے کثیر الدرس مدرس اور وسیع المشرب عالم تھے۔ انھوں نے پوری زندگی اس شان سے گزاری کہ علما کے وقار کو مجروح نہ ہونے دیا۔ تا آنکہ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ/ ۲۷ اپریل ۱۹۳۹ء میں اس عالم رفیع القدر نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا کی وفات پر ”علی گڑھ میگزین“ نے اپنی جولائی ۱۹۳۹ء کی اشاعت میں ان



## خیالات کا اظہار کیا:

”یہ ہماری بد نصیبی ہے کہ ہم میں جو ہر قابلِ اوّل تو پیدا ہی نہیں ہوتے اور اگر شاذ و نادر پیدا بھی ہوتے ہیں تو ان کی ہستی زیادہ پائندہ نہیں ہوتی۔ گزشتہ چند سالوں میں مسلمانوں کو بعض ممتاز ہستیوں کی اچانک موت سے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا۔ انھیں میں ایک وہ گوشہ نشین فاضل اجل تھا جس کی ذات سے علی گڑھ میں فیض کا ایک چشمہ جاری تھا۔ الحاج مولانا سید سلیمان اشرف صاحب جو شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی کے صدر تھے تھوڑے عرصہ علیل رہ کر رحلت فرما گئے۔ مرحوم مسلسل تیس سال تک تفسیر قرآن کا درس دیتے رہے۔ اس طویل مدت میں مولانا سے جو فیض ان کے شاگردوں نے پایا اسے انھیں کا دل محسوس کر سکتا ہے۔ مرحوم صوفیانہ وضع کے پابند تھے اور علمائے سلف کا صحیح نمونہ۔ انھوں نے دولت، امارت، حکومت اور شوکت سے مرعوب ہو کر کبھی علم کی توہین نہیں کی۔ مولانا کے متعلق یہ بات عام طور پر مشہور تھی کہ بغیر کسی پس و پیش و تردد کے اپنے خیال اور رائے کا ہر موقع پر اظہار کر سکتے تھے۔ لوگوں کو مولانا سے جو جو فیض پہنچے ان کی داستان تو بڑی طویل ہے۔ لیکن یہ سچ ہے کہ مولانا کی وفات سے ہم میں جو کمی ہو گئی اس کے پورا ہونے کی مستقبل قریب میں کوئی امید نظر نہیں آتی۔

خداوند! بیا مرز آں شہید امتحانے را“

یہ جو دوانے سے دوچار نظر آتے ہیں ان میں بھی کچھ صاحب اسرار نظر آتے ہیں ایسے ہی دیوانوں میں ہمارے معاصر دوست جناب ظہور الدین امرتسری کا شمار ہوتا ہے۔ وہ تاریخِ بر عظیم کا کتابی ذوق رکھتے ہیں۔ کتاب سے محبت ان کی ذاتی علامتوں میں سے پہلی علامت ہے۔ مولانا سلیمان اشرف سے ان کو گہری قلبی وابستگی ہے۔ یہ مولانا سلیمان کی ”روحانی

جلالت“ ہی کہیے کہ اپنے روحانی استاد کی طرح ان کا مسلک بھی صلح کل ہے۔ وہ اپنے مسلک پر سختی سے کاربند رہنے کے باوجود دوسرے مسالک کے اہل علم سے دوستانہ مراسم رکھتے ہیں، جن میں یہ خاکسار بھی شامل ہے۔

ظہور امرتسری صاحب نے اپنے وسیع المشربی کے باوجود اپنے مسلک کی بذریعہ قلم و قریطاس جیسی خدمات انجام دیں وہ قابل قدر ہے۔ مولانا سلیمان اشرف کی کتابوں کی ازسرنو طباعت کر کے انھوں نے مولانا کو ایک نئی علمی زندگی دی ہے۔ اگر یہ کتابیں وہ شائع نہ کرتے تو مولانا سلیمان کا نام تو یقیناً زندہ رہتا مگر ان کے کام سے لوگ واقف نہ ہو پاتے۔

بر عظیم میں ان کے مسلک کے نمائندہ علما کی تاریخ و سوانح اور ان کی مساعی حسنه کی جستجو ظہور امرتسری صاحب کا خاص موضوع ہے۔ اس سلسلے میں ان کی دیوانگی اپنے طبقے کے اہل علم کی فرزاگی پر فضیلت رکھتی ہے۔

باایں ہمہ، ”الخطاب“ کی نقل کے ساتھ یہ چند صفحات میں نے ان کی خواہش پر تحریر کیے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ ان کے نیک جذبات کا بہتر صلہ عطا فرمائے اور وہی بہتر اجر دینے والا ہے۔

والسلام مع الاکرام

محمد تنزیل الصدیقی الحسینی

۷ اکتوبر ۲۰۱۳ء

کراچی





# فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۷	اسلاف اور اخلاف	۱	بشارت فتح مبین
۲۰	اصول رقی اور قرآن کریم	۳	فلسفہ عمل و نظری
۲۱	انسان اور کائنات عالم	۳۰	مشاہدہ اشیاء سے سبق
۲۲	ہماری تہذیب کی غایت	۵	قرآن اور فلسفہ عمل و نظری
۲۳	تہذیب و سائنس اور زمان	۷	قرآن کا طرز استدلال
۲۴	قابل گریہ نظارہ	۹	فیتنا غورث کی حکایت
۲۵	شہریت ان خواب میں از کثرت تعبیر	۱۰	معانی کلام ربانی
۲۶	معیار صداقت و نبوت	۱۱	مسئلہ رسالت
۲۷	ایک غور طلب مسئلہ	۱۲	احتیاج معلم
۲۸	ایک اور واقعہ	۱۳	حالت رسالت و نبوت
۲۹	بہترین قانون معاش و معاد	۱۴	کامل دستور العمل کا معیار
۳۰	خلاف نظری آزادی	۱۵	حقیقی حیات اور حقیقی علم
۳۱	تعلیم نبوی کا معجزہ ثانی	۱۶	حالت عرب قبل بعثت اور اس کا علاج
۳۲	احتیاج نصایح		
۳۳	ایک جامع کمالات ذات		
۳۴	غایت کمال انسان		
۳۵	ختم کلام		
۳۸			



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 بِحَمْدِكَ صَلَوَاتُكَ

خطبہ مسنونہ و صلوات تنجیہ و تہذیب کے بعد یہ آیت کریمہ تلاوت کی گئی۔ جو الذی ارسل  
 رسولہ بالہدای و دین الحق لیلطفر علی الذین کلمہ و کفی باللہ شہیداً  
 یہ آیت کریمہ آخر کوع سورہ فتح کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کی ایک جماعت  
 پر جو حبیب ابوالعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجر کابی میں سعادت کوفین کی حالت  
 کوئی ہوئی مدینہ طیبہ واپس جاری ہے۔ بغرض عمرہ رسول کریم علیہ لوف الصلوٰۃ و التسلیم چودہ سو مسلمانوں  
 کو لیکر حازم مکہ معظمہ ہوئے تھے۔ کفار اصرار فرماتے اور حدیبیہ سے لگے بڑھنا ہوا۔ و نماز واقعہ طویل ہے۔ مختصر  
 یوں سمجھیے کہ ایک صلح نامہ لکھا گیا جس کے شرائط مسلمانوں پر تھیں تھے۔ لیکن مسکار دو عالم کی متابعت  
 اسی میں تھی لہذا اس پر شیخ منظور تھا۔ مگر اس طرح کی مراجعت نے دلوں کو اس کیفیت کو جس میں ایک روزش  
 اس روزش میں اخلاص اس اخلاص میں عبودیت کامل موجود تھی ذرا چمکادیا تھا۔ اس پر منافقین کے ہتھکنڈے  
 و طعن و تشنیع اور بی نہک چھر کتے جاتے تھے۔ پس کمال نیازمندی و اتہاس سے تذل و انحرار سے قلوب مخمورین



اپنے اس قادرِ قیوم کے جناب میں جس کی ہستی و کیا نیکی کا کلمہ بڑے چمکے تھے سبھی تھے کہ خداوند اپنے اس  
 پیغمبرِ دین کو علیہِ عطا فرماؤ کہ فرشتے کے پاس سے اپنے اس بیتِ منظم و مکرم کو جس کی بنیاد تیرے خلیل نے اپنے اس  
 سے ڈالی تھی پاک فرما۔ یہ ان منجستوں کی آرزوئیں تھیں جنہیں جینا اور مرنا خدا کے لیے سکھایا گیا تھا۔  
 جن کی نگاہوں نے وہ کچھ دیکھ لیا تھا جس کے دیکھنے کے بعد تمام فانی زمینیں اور مہم ہونیوالی لذتیں  
 بیخ ہو جاتی ہیں۔ اب ان کی نگاہوں کے لئے جو کچھ فلسفیان و مہم سلام تھا۔ اسی کی غفلتِ عزت تھی،  
 اسی کی زینتِ زینت اسی کا بقا تھا، و گریہ سچ۔ پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ رحمتِ رحمن و رحیم اُن کی تمناؤں  
 کو لیک نہ کہے۔ اَلْجِدْبَ دَعْوَةُ الدَّاعِ اِذَا دَعَاكَ (یعنی ہم دعا مانگتے دے کی دعا کو قبول  
 کرتے ہیں) کا مہم نہوتا۔ دریائے رحمت اُسی موجزن ہوا۔ عبا رلال خاطر آشفگان سے دھلنے لگا،  
 مجروح دلوں پر مہم کا نور دکھانے لگا۔ ہنوز مدینہ طیبہ پہنچے ہی نہ پائے تھے کہ جبریل امین خاتم النبیین  
 صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور یہ مژدن جانفزا اور کلامِ روح پرورش ناسا۔ اِنَّا فَتَحْنَا  
 لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا اے میرے حبیبِ مکی اور روشن فتح کا تجھے ایک بنا دیا ہے اُسی کی طرح تجھ پر  
 تمام ہوا۔ ذرا الفاظِ قرآنی کی طرف غور فرمائیے کہ کیسے زوردار لغفلوں میں نہ خوشخبری پہنچائی گئی۔ پھر یہ  
 بھی غور کرو کہ فتح کی صفت تین زمانوں یعنی روشن اور واضح تاکہ دوست دشمن موافق و مخالف سبھی  
 جان لیں کہ سرتاجِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح حاصل ہوئی اور لفظِ فتح کو نکرہ لایا تاکہ ہر طرح کی فتح بالعموم  
 رسول کی ملکیت سمجھی جائے۔ علمی، اخلاقی، صنعتی، سیاسی دینی وغیرہ۔ اللہ اللہ ایک ہی نفوسِ قدسیہ  
 جماعت تھی جن کے عبا ر خاطر کو اس طرح رب العزت نے دور فرمایا۔ ایک ہم ہی کلمہ کہیں کہ جن کے دل سے  
 صدقِ مصفا ہی سلب ہو گیا ہو جیسا صحابہ کے قلوبِ مصیبت و عصیان۔ پھر جو کچھ ہوا وہ اسی اخلاص  
 کا نتیجہ تھا اور جو کچھ اب ہو رہا ہے اسے اُنھیں زشت کا مہم نہوتا

چوں برآری از میانِ جاں خروش اندر آید بحرِ تنبلیش بہ جوش  
 تانہ گردِ ابر کے خند و چمن تانہ گردِ طعن کے جوشد لبین ۳  
 بہر حال یہ اللہ کا وعدہ تھا جس کا ایک ایک حرف اُن خالص نیاز مندوں کے حق میں صادق ہو کر رہا جنہوں  
 نے رضائے اُسی کے لیے اپنی ہستی، اپنے جذبات، اپنی تمناؤں سب کی سب گم کر دیں اور پھر وہ سب  
 کچھ پایا جو پانے کے قابل تھا۔ اَللّٰهُمَّ اِنْ خِصَّ بِكَ مِنْ عِبَادِكَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِكَ اس آیت کریمہ کے مضامین کے متعلق

۱۔ سخی، انتہا کرنے والا، درخواست کرنے والا، متبعی، آرزو مند، مستدعی (۲) منت حاجت کرنے والا، عاجزی کرنے والا (۳) چلوڑھوٹنے والا  
 ۲۔ سوختہ۔ جلا ہوا (۴) منجید، موزوں ۳ البقرہ: ۱۸۶ ۴ غبارِ خاطر۔ رنجش، ملال، خاطر، طبیعت کی کدورت (۵) طبیعت کا آسنا جانا۔  
 ۵۔ آشفگان (آشفقت کی جمع) پریشان، ہراسہ، پراگندہ، بدحواس (۲) دیوانہ (۳) حیران ۱۔ الخ: ۱ کے نکرہ۔ ناشناس (۲) آسنا  
 (۳) معروف ضد، اسم عام ۸ زشت۔ بُرا، خراب، بدزبوں، بھونٹا، بدظن ۹ (مشوی معنوی) روی "جب تیرے دل سے نالہ فریاد







۱ "تو بڑی برکت والا ہے اللہ پناہ خب پیدا کرنے والا  
۲ ند بذب  
۳ متزلزل  
۴ مضطرب  
۵ سر اسمنہ - خود پروردگار، پریشان، مصطلح  
۶ حیرت انگیز، قابل تعریف، انوکھی چیزیں  
۷ عجیب کی جمع (مخ)  
۸ چھٹاں  
۹ توجہ بخشد، سیکھ

بعد اس کے کہ فلسفہ حق و فلسفہ ظن کی تفریق و محاسن معلوم ہو چکی ہیں آپ یہ پوچھنا ہوں کہ جس نے اپنے آپ کو فلسفہ عمل سے تصنع کیا ہو گا کیا اس کی نظر سے یہ بات بھی رہ سکتی ہو کہ جس نے اس شے کو پیدا کیا اور ان صفات و اخلاق سے نفس کو تصنع کر نیکی و اہانت فرمائی بیشک وہ ایک بڑا حکیم و عظیم ہو۔ ہاں یہ امر بھی یہاں پر سمجھ لینے کے قابل ہو کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں بقدر جذبات و قوتیں کہ نوعیت فرمائی ہیں ان میں سے ہر ایک ضروری و انتہائی درجے کی مفید ہے۔ اُن کا صحیح استعمال بے عمل صرف اللہ تعالیٰ انھیں مذموم بنا دیتا ہے۔ مثلاً ایک جذبہ غیرت ہو کہ جب تک اس جذبہ کو اس صحیح حد و دائرہ تک کیسے محدود کر لیں اور اس کے مرتبہ میں نیچر غضب و جنون کسا جائے اور تو فریاد میں اگر بے غیرتی و بے ہمتی۔ جہتدہ غور کرے اُسی قدر یہ مسئلہ واضح ہو جائیگا کہ افراط و تفریط سے اگر کام نہ لیا جائے تو پھر انسان میں کوئی جذبہ و قوتہ مذموم نہیں اور جذبات کو اعتدال پر قائم رکھنا اصل کمال انسانی ہے۔ اب کیا وہ شخص جسکی زندگی کا دستور اصل فلسفہ عمل ہو گیا اس امر کا اعتراف نہ کرے گا کہ جس نے ان جذبات و قوتوں کی پیدا کیا وہ ایک عجیب و غریب شے ذات ہے اور اس کی حکمت کی حقیقت تک پہنچنے سے انسان عاجز ہے۔ اسی طرح جس کائنات کے صحائف کا مطالعہ کیا ہو گا اور حقائق و حقائق ان میں سے کسی کی صنعت کی طرف غور و فکر سے کام لیا ہو گا تو قدرہ کے عجائبات نے اس کی عقل کو متوجہ فکر و عمل سمجھنا دیا ہو گا۔ اور یہی اُس کے منہ سے یہ نکل گیا ہو گا۔

فَتَبَارَكَ اللهُ الَّذِي أَحْسَنَ التَّحْقِيقَ ۝ ۱۷

مشابہن انشیا سے سبق | صبح کے وقت کسی عین میں دو ہاں کا سامان دیکھو بزرگوں کا منہ مانا پنچوں کا مختلفہ ہونا۔  
خلف پچھلے خلف نہت ہو گا پکا پا بجانا کیا ہے سب خصل اس طرف رہ سہری  
نہ کر گئے کہ عالم کا کوئی صلہ نہ ہو۔ ایک چلا کچ پھول کھلو۔ اُس کی نزاکت اُس کی پائش اُس کی رنگت،  
اُس کی پیکر تائیں اُن پیکر تائیں کے۔ یہ کیا اپنے خالق پر پتہ نہیں ہے ہیں یا اُس کے کمال حشمت کو اپنے  
وجود سے نہایت نہیں کرتے صَبَّحَ اللہ الذی اَتَمَّعَ کل شئی رَیَہ تو اللہ تعالیٰ ہی کی کارگیری ہر جس نے  
ہر چیز کو مستحکم بنایا ہی کیا کسی نے آج تک ایک بیجول بھی ایسا بنایا جو ان تمام صفات ظاہری و باطنی میں  
گلاب کے مانند ہو۔ اور اسی طرح اپنے آپ میں روح نباتی بھی رکھتا ہو۔ ہرگز نہیں۔ اُمتیاسے پوچھو تو تمہیں  
معلوم ہو کہ گلاب اپنے رنگ بوی و جمال کے علاوہ کیا کیا خاص رکھتا ہے۔ کتنے امراض میں کام آتا جو  
اور کس کس طرح بہترین ادویات کا جز بن کر صحت و راحت انسانی کا سبب ہوتا جو۔ کسی شے سے شے

۱۔ غایت۔ انتہا، غرض، مطلب (۲) آخر، انجام ۲۔ متصف۔ مفت کیا ہوا (۲) تریف کیا گیا، موصوف جس کے ساتھ کوئی وصف لگا ہو ۳۔ دستور العمل۔ قاعدہ (۲) قانون جس کے مطابق چلنا چاہیے (۳) ہدایت نامہ (۴) کام کا طریقہ ۴۔ صحائف (صحیفہ جمع) کتابیں (۲) لکھے ہوئے صفحات، اوراق ۵۔ جمادات (جمادات۔ جمادات جمع) ہے جان بے چیز جن میں حس و حرکت اور نشو و نما کی قوت نہیں، جیسے دھات، پتھر، می وغیرہ ۶۔ حیوانات (حیوان جمع) زندہ جاندار (۲) زندہ ہوتا



فلسفی سے التجا کرو یا کسی ماسر علم نبات سے التماس لاؤ کہ ایک پھول بھی یہاں بنا ہے جس میں گلاب جیسے  
 اوصاف پائے جائیں۔ اچھا اگر تمام عمر کی کوشش سے ایک پھول اس نے بنا ہی لیا تو یہ خواص اس میں  
 نہ ہونگے۔ اور بغیر فعلی محال اگر اس میں خواص کچھ ملنے بھی لیے جائیں تو اس کے استعمال میں تنوعات مفید  
 نہ پائے جائیں گے۔ اور سب کچھ سہی مگر وہ حیات نباتی جو اپنے آپ میں ایک گلاب کا پھول رکھتا ہے وہ  
 کہاں سے پیدا ہوگی۔ ایک طرف ہمارے فن کا یہ عجز دوسری طرف اس قادر و قیوم کی قدرت کا یہ جلوہ  
 کہ ہر صبح کو کروڑوں پھول اسی آبِ تاب اسی خواص و طباہ کے ساتھ جنستانِ عالم میں شگفتہ ہو کر اپنے  
 خالق کی تسبیح و تقدیس زبانِ حال کرتے ہوئے کچھ دیر اپنی بہار دکھا کر کل کے آنیوالوں کے لیے جگہ خالی  
 کر رہے ہیں۔ اور ایک غیر محسوس طرزِ برائی کے پاس چلے جائے ہیں جن نے انھیں یہاں پیدا کر رکھا ہے  
 کے لیے بارونق بنا کر بھیجا تھا۔ فَسُبْحَانَ الَّذِي يَبْدَأُ الْمَخلُوقَاتِ كَلِّ تَتَى وَالْاَلِهَ رُجُوعُونَ  
 (پاک پر وہ ذات جس کے قبضہ قدرت میں ہر چیز کی بادشاہی ہے اور تمام شاہی کی طرف لٹتی جاتی ہیں)  
 اسی طرح ایک علم الابدان کے ماہر کو لو اور اس سے پوچھئے کہ تشریفاتِ عصائے انسانی میں اس کی  
 عقل تو اور تختِ کاشا ہر کرتے ہوئے کیسی تہیہ رہ جاتی ہے۔ ایک ایک عضو اپنی صورت و بلات اپنے خواص اپنی  
 افعال اور اپنے محل وقوع کے حکمتِ مخلوق کی گئی ہے مثلاً آنکھ کی پہلی ساخت کی طرف غور کرو اس کی  
 نزاکت کو دیکھو پھر اس کے محل وقوع پر نظر ڈالو پھر قدرت سے جو اس محفوظ رہنے کی تدابیر عمل میں لائی ہیں  
 اسے سوچو اس کے بعد دیکھنے کے فلسفے پر فکر دوڑاؤ اور اس دیکھنے کے لیے خالق نے آنکھیں کیا کیا  
 کل پر بنائے ہیں اسے مطالعہ کرو پھر تم خود ہی کہہ اٹھو گے کہ سرایا جکتوں سے وضع وجود محض ہند  
 دہریا اتفاقاتِ ایاام یا تنوعاتِ حرکت کا نتیجہ کسی نہیں ہو سکتا۔ یہ ترتیب و یہ نظام کسی بڑی قدرت  
 و لے ذی اختیار کا کام ہے بیشک ذَلَالَتُ الْقَدْرِ وَالْعَرِيزَةُ الْخَلْقِ

حضرات! اس بیان سے مقصود یہ ہے کہ میں آپ کے سامنے اس کتاب  
 قرآن اور فلسفہ علمی و فطری | آسمانی کی عظمت سے ہمارے پیغمبرِ ربی فدا ہم میں امانت فرمائے ہیں  
 ظاہر کروں۔ دیکھئے فلسفہ نظر کا جاننے والا مرتبے میں فلسفہ عمل کے عالم سے اعلیٰ سمجھا جاتا ہے اور یہ امر مسلم  
 کہ فلسفہ نظریں جو حصہ کہ سب اہم تر و معجز تر اور اس پر وہ فلسفہ آئی ہے تو اب مجھے یہ بتلانا ہے کہ جس طرح  
 سے کتاب اللہ نے فلسفہ عمل میں ہیں تمام فلاسفہ کی تصانیف سے بے نیاز کر دیا ہے اسی طرح فلسفہ نظر

۱ تنوعات (تروع کی جمع) طرح طرح کا ہونا، قسم قسم ہونا، گونا گونی ۲ الشُّغْل: آخری ۳ غالباً یہ لفظ نوادرات (۴) ہے۔  
 ۴ مرصع - آراستہ ۵ استمداد - زمانہ، مدت، مدت گزرتا، درازی (۲) دراز اور کشیدہ ہونا ۶ الانعام: ۹۶، ایں: ۳۸، حم  
 السجدة: ۱۳ میں یوں ارشاد ہوتا ہے۔ ذَالِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ط کے فلسفہ فلاطینی، علم مکت، دانائی (۲) فیلولو یعنی حکیم و دانش  
 مند ہونا (۳) علم اشیاے موجودات مع غفلت و اسباب ۷ فلاسفہ (فلسفی کی جمع) حکماء، دانش مند لوگ











شکافی۔ چنانچہ باریک بینی سے دیکھا جائے تو (۱) بال کی کھال کھینچ کر (۲) بال کی کھال کھینچ کر (۳) بال کی کھال کھینچ کر (۴) بال کی کھال کھینچ کر (۵) بال کی کھال کھینچ کر

میں حکما کی رائیں رستی کی طرف گئی ہیں وہ شیخ نبوہ کے نور ہی کا جلوہ ہے۔ غیبیوں کے منہ کی نکل ہوئی ہمیں  
جہاں حکم تک پہنچیں تو اس کی مقادیرت کی طاقت اپنے میں دیکھا کر انہیں باتوں کو اپنے الفاظ کے  
قالب میں ڈال لیا۔ چند عربی اصطلاحات کی ثقافت سے اسے پریوج بنا کر اپنا لکھو لوگوں کے سامنے  
لے آئے۔ اب جو کوئی اس کو پڑھتا ہے ان کے کمال عقل و فکر سا ہوئے گا قائل ہو گا ان کے قول کی عظمت  
کرنے لگتا ہے۔ اس طرح ان کی وہ تمام باتیں جو ان کی اختراعات ہوتی ہیں اور ان کے مفہومات و قیاسات  
کا صرف ایک بار ہوتے ہیں وہ سب کو سمجھ جائے لگتا ہے۔ یہ پہلا منظر ہے جو جہاں علوم عقلیہ کو  
پیش آتا ہے۔ اور جب تک اس عقلی کا زوال نہیں ہوتا اور ان کے قدم اپنے دائرہ وحدہ کے اندر نہیں گتے  
اس وقت تک ہمیشہ شکر کریں کہاتے ہیں۔ جب معلوم کی اساس ہی عقلی ہو تو پھر صحبت تیرہ کی امید ہی  
عجب ہوتی ہے۔ شریعت و دل چہن ہندو مت کا کج تاثر یا مری رو دو دیوار کج۔ ۱۷

دوستو! اس مسئلہ کا بیان ذرا واضح ہونا چاہیے تاکہ اگر کوئی مسلمان کی اولاد اس عقلی میں مبتلا  
ہو تو اسے ہندو ہو جائے۔ دیکھتے ہیں کہ ایک ہندو شخص کے پاس بیٹھے ہیں اور یہاں ضیاع کے مسائل میں  
اسکی خوشگیاں اور پیچ اشکال میں اس کے ذہن کی جودت دیکھتے ہیں اور دیر تاج صحت کیساتھ یقین  
دلانے والے ہوتے ہیں تو ہمارا دل اس کی عظمت و کمال کے سامنے جھک جاتا ہے اور اس کے صحیح عقل  
و فکر سا کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ اب وہ اپنے حدود و معلومات و تجربے سے قدم باہر نکالتا ہے اور مذہب کے میدان  
میں آتا ہے۔ یہاں اگر اپنی بیباکی سے کچھ کہتا ہے تو ہماری عقیدت سابقہ اس سحر پر نہیں مجبور کرتی ہے کہ اس  
ہمارے تحقیق سے انکار فرما دیا جائے۔ جس کی عقل ایسی دور بین ہو گیا اس کی نظر سے ایسی جلی باتیں مٹتی رہ  
سکتی ہیں وہ نہیں کہہ سکتے۔ بس یہی فیصلہ تمام افلاک و کائنات بنا دیا ہو جائے۔ حالانکہ تھوڑے غور و فکر سے  
کام لیا جائے تو یہ مسئلہ نہایت ہی آسان سے صحیح اصول پر فیصل ہو سکتا ہے یعنی ایک شخص جو ہمیشہ عقلی کا چلنے  
والا ہے وہ امراض کی تشخیص اور معالجہ کی تجویز میں جب کہ بالکل عاجز ہو اور اس کی عقل نہ تو ایک مجموعہ  
کی تپ کی نوعیت یقین کر سکتی ہے اور نہ اس کا علاج تجویز کر سکتی ہے تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ مذہب کو  
باب میں اس کی رائے ویسی ہی قبیح سمجھی جائے جیسی کہ علم ریاضی میں۔ نیز اگر کوئی بہت بڑا ریاضی دان  
اعلیٰ درجہ کا طبیب طوق بھی ہو تو کیا تشخیص امراض و تجویز علاج کے وقت اس سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ  
اپنی تشخیص و تجویز پر اسی طرح قطعی دلائل قائم کریں جیسا کہ آپ علم ہند کے متعلق کیا کرتے ہیں۔

۱۔ مکاوت۔ کسی کے مقابلے کو مادہ ہو جائے کسی سے برابری کرنا (۲) مقابلہ ۲۔ مصطلح اصطلاح کیا ہوا اصطلاح مجاورہ ۳۔ ثقافت۔  
وزن، بوجھ، ثرائی، بھاری پن ۴۔ اختراعات (اختراع کی جمع) نئی بات نکالنا پیدا کرنا ایجاد کرنا نئی چیز نکالنا بنانا (۲) پختہ، پھاڑنا  
(۳) جی سے جڑنا ۵۔ منظونات (منظون کی جمع) غن (گمان) کیا گیا/ کیا ہوا (۲) مشکوک، مشتبہ، شک ۱۔ ”جب کوئی معمار پہلی اضع  
نیم میز رکھتے تو دیوار آسان تک جائے پھر بھی میز ہی رہے گی۔“ ۲۔ ہندس۔ اشکال ہندو ساطع ہندو کا عالم، اقلیدس کا باب (۲) انجینئر



کشف الخفا دارالکتاب علیہ ۳۱۵ دارالکتاب علیہ ۱۵۰/۱۵۱ القاصد المحمد: رقم الحديث ۴۲۶ دارالکتاب علیہ بیروت ص ۳۴  
 ترجمہ وادی کرنا کے لغات (الکلیح کی جمع کردہ) چنگا دارالکتاب (۲) کنر مشایخ (۵) (حدیثی) افغانستان چنگاؤ کی آگھوں والے کو اگر ان میں کچھ کھائی نہ دے تو سورج کے شیشے کا کیا قصور  
 حلوان - دہلی، حلا (۲) ایک شے کا دوسری شے میں اس طرح داخل ہونا جو باطن کے نزدیک میں آئے ہو سکے (۳) آواگون، نتائج (۴) باطن، اندر جانا (۵) اذعان - یقین کرنا، مجرم و سزا کا اظہار کرنا (۶) اثر کرنا (۷) اثر کرنا (۸) طاعت، حکم، پابندی

الفرض یہ امر بجا ثابت ہو کہ ہر وجود کا ثبوت ایک ہی وحدت پر نہیں ہو سکتا ہے۔ نیز ایک فرقہ ہمارے دوسرے فرقہ کا علم لازم نہیں آتا ہے

بوریا بان گرچہ بانسہ پست  
 نہ بردش بہ کار گاہ حسد

**فیثا غورث کی ایک حکایت**

ایک واقعہ بطور مثال گزارش ہے۔ فیثا غورث جو ایک بڑا حکیم و دور قدیم میں تسلیم کیا گیا ہے اور جس کی حقیقتات پر کچھ یورپ کی انتہائے فکر نے قرار پڑا ہے۔ یعنی یہ کہ زمین آفتاب کے گرد گھومتی ہے، اس مسئلہ کی اہمیت اس کے ذہن کی حدت کی کافی شہادت ہے۔ لیکن مذہب میں یا کلاسی فاش غلطی کرتا ہے کہ تمام فلسفہ ہیاں دھرا کا دھرا دھجا ہا ہے۔ یہ حکیم تناسخ کا بھی قائل تھا۔ ایک ترکہ کی شخص ایک کے کار بار ہا تھا اور کتا چینا ہا تھا۔ فیثا غورث وہاں سے گذرا۔ اس نے اس شخص سے کہا کہ اس گتے پر میری وجہ سے رحم کرو۔ اس میں میرے لکین دست کی روح نے جسم لیا ہے اور میں اسے پہچانتا ہوں۔ قائل غور ہے کہ اول تناسخ کا قائل ہونا۔ پھر ایک شخص میں اپنے روح کی روح کا حلوں یقینی طور پر تسلیم کرنا اور اسے اذعان کے ساتھ پہچاننا اور اس بنا پر رحم کا خواہاں ہونا، کیا بچوں میں ہی باتیں نہیں ہیں؟ ایسا زبردست حکیم اور اس طرح کی باتیں۔ اس سے عقل انسان کی بڑا معلوم ہو جاتی ہے۔

**لمعات کلام ربانی**

یہ مضامین جو ششے نمونہ از خردارے بیان کیے گئے ان سے مقصد ہے  
 استقدر تھا کہ کلام ربانی کے لمعات کچھ ہی فلسفہ جدید کے سامنے دیے ہیں جو  
 نور افشاں ہیں جیسے کہ ابچہ چودہ سو برس پہلے تابان و ضیا افکن تھے  
 گر نہ بسند بر دوش و چشم  
 چشمہ قباب چہ گناہ  
 بلکہ صحیح فلسفہ والی کا نتیجہ توحید والوہیت کا اعتراف ہے۔ اور ان میں جیسے کہ ساتھ ولی شہدائی و فطرتی  
 نہ کہ وجود باری کا انکار اور فہم و تلاوت کلام اللہ سے کی کوئی وینڈاری۔  
 اب بعد سمجھ لیجئے دلائل توحید والوہیت کے ایک نظر اس آید کے لفظ ھُوَ الَّذِی یُرِیْہُ لَیْسَ جُود  
 لفظوں میں تمام برائیاں و دلائل کو اپنے آپ میں سمیٹے ہوئے ہے۔

۱) بطور ہدایت۔ فی البدیہہ بات کہنا (۲) بغیر سوچی ہوئی بات جو محتاج دلیل نہ ہو، کسی بات کا اچانک ظہور (۳) صریح ہونا، بے حجب  
 (۴) ارتجالہ یعنی بے سوچے بولنا ۵ "بہر یا بننے والا" اگرچہ بننے والا ہے، لیکن اسے شہم کے کارخانے میں تو نہیں لے جایا جاتا۔  
 ۶ حدت - تیزی، تندہی (۲) طبیعت کی تیزی (۳) جوش، زور ۴ نتائج - آواگون - ایک صورت سے دوسری صورت میں جانا، ہندوؤں  
 عقیدے کے مطابق روح کا ایک قالب سے نکل کر دوسرے قالب میں آنا۔ (۲) روح کا قالب بدلنا (۳) زمانہ بدلنا نہ مانتے کا ثبوت، عبوت گردش



اس خیرہ (جو) نے کیا آپ کے دل کو روشن اور اس ہم موصول (الذبتی) نے کس طرح آپ کو وصل  
اس مقام کا کر دیا جہاں تک پہنچنے کی تمنا تھی وہ کو قضا ہو جانے کے بعد بھی باقی رہی ہے  
دل نگہدار از خیال غیر دوست

روز و شب از بہر ادکن با و دو ہو لے  
اس سے زائد میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ مضامین بہت ہیں اور دل میں بہت کچھ کہنے کی آرزو ہے مگر کیا کیجئے  
افسوس ہے مرے دو دل کے ترانے بہت ہیں  
شب بصل کم ہر فسانے بہت ہیں

مسئلہ صالت | اب بیان صالت کا شروع ہوتا ہے۔ چھ سات لفظوں میں مسئلہ صالت کا بیان  
دست لال کے ساتھ بیان کر دینا تو خدا ہی کا کام ہے۔ میں اس قدر جامع ترجمہ کرنے سے  
مجبور ہوں۔ نہ تو اردو زبان میں اس طرح کشیدہ معنی کو پیشنے والے الفاظ ہیں اور نہ مجھے ایسی قدرت حاصل  
ہو کہ پس لایحالیہ اس کے ترجمہ کو تفسیر سمجھانے میں مجھے آپ کے وقت کا ایک کئی حصہ لینا ہو گا۔ اور امید کرتا  
ہوں کہ اخیر میں آپ بھی اپنی اس عطاے نازاں نہ ہونگے۔

مسئلہ صالت | اچھی طرح ذہن نشین کر نیکی لے پہلے اس مقدمہ کو سمجھنے کے لئے تین محاورات بالاتفاق بنی آدم ہر  
لیکن ایک عجیب لطف ہو کہ آدم کی اولاد جب کتب عدم سے تیز وجود میں آتی ہے تو ہر طرح کے وہامان لوازم جو حیات کے لیے  
بالینے ناموسات بہر ہونے کے لیے اسے چاہئیں ان میں سے ایک ہی اس کے پاس نہیں ہوتا۔ ہر شے کے حصول کے لیے  
اسے ایک نامور مدد عین چاہئے اور پھر کہ قدم قدم پر ایک معلم کی تعلیم کی زندگی ہو۔ برخلاف ان کے دیگر حیوان پیچ و ان  
کے جسم میں شاکر کہیں۔ وہ اپنے وجود کو کیا ساتھ تمام وہامان جو ان میں سے محفوظ رکھے دشمن کے حملے سے بچا سکے  
اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ اپنی خدا کی تیز بینی و انش کی تباہی ساتھ ہوتی ہے ہر حیوان کو تم دیکھو گے کہ وہ اپنی خدا کو  
پہچانتا ہے۔ اپنے دشمن کو شناخت کرتا ہے۔ اپنے پر یا سرعت قدم کی مدد سے دشمن کی دس بھاگ سکتا ہے۔ یا پنچہ و دندان سے  
اپنی آنسو لہفت کر سکتا ہے۔ غرض حیوان کو جو کچھ بھی ہونا ہو وہ سب ایک باہمی ہونا ہے۔ اس کی تمام تر ترقی صرف اس  
میں محصور کہ وہ اپنی نوع کو قائم و باقی رکھے اس لیے اسے صرف خزانہ الہیہ اس قدر چھڑن جو نہ تباہی ساتھ عطا کر دیا جاتی  
ہے۔ چنانچہ ہونا محفوظ وجود بقائے نوع کے لیے ضروری تھا۔ مگر انسان اپنی پیدائش کی وقت سے تباہی تباہی اس کے وجود کا مقصد  
صرف یہ نہیں ہو کر رہا ہے آپ اپنی نوع کو قائم و باقی رکھے بلکہ اس کی سلاطین میں رہائی بھی دے۔ اسے اس عالم کی تباہی سے بچاتا

۱۔ "محبوب کے غیر کے خیال سے دل کو محفوظ رکھو، شب و روز محبوب کے لیے گریہ و زاری کرتے رہو۔"

۲۔ اہل ترین موجودات۔ مخلوقات / اکانات میں بزرگ ترین یا نہایت بڑی شان والا ۳۔ مشارک۔ شریک ہونے والا سماجی

۴۔ خر۔ گرم ہونا (۲) گرمی ۵۔ برد۔ سہا مردی (۲) جائزے کا موسم (۳) سرد



ایک ایک چیز کا عالم ہوتا جاتا ہے اور اپنی ترقی کی رفتار سے لیکر تا محدود جاری رکھتا ہے جس انسان نے اپنے خلق کے اس انداز کو سمجھا ہے تو حقیقتاً انسان ہر ماورئہ اس کا وجود و صورت انسان اور حقیقتاً حیوان سے بدتر ہے اس مسئلہ کافی بیان تقریر کر لینے کے کسی حصہ میں آئے گا۔ اس وقت مجھے صرف مسئلہ تعلیم کی طرف آپ کو متوجہ کرنا ہے تاکہ صرف ضرورت رسالت اچھی طرح سمجھیں آجائے۔

### احتیاجِ تعلیم

انسان میں پانچ حواس ظاہری (الہب، باصرہ، سامعہ، ذہنیہ، شامہ) اور پانچ حواس باطنی (دماغ، شکر، دہم، خیال، حافظہ، متخلفہ) اور وحیت کے گئے ہیں اور یہ حواس عشرہ نعم و دش سب میں پائے جاتے ہیں ہر حواس کا کام علیحدہ ہے اور ہر ایک کا ان میں سے اور اک جدا گانہ۔ ایک حواس اگر ضائع ہو جائے تو دوسرا اس کا کام تمام ہو کر اسے کام کو انجام نہیں دے سکتا سب سے پہلے انسان میں حواس پیدا ہوتی ہے۔ جب یہ حواس کام کرنا شروع کر دیتا ہے تو انسان کو اس عالم کا علم ہونا شروع ہو جاتا ہے جس کا تعلق حواس سے ہے۔ اس کے بعد حواس باصرہ پیدا ہوتی ہے اور اب ایک دوسرے عالم کا علم جو پہلے سے بہت زائد وسیع و دلفریب ہے اس کے معلومات میں اضافہ کرتا ہے۔ پھر حواس سامعہ میں پیدا ہو کر نعمات و اصوات کا عالم اسے بتاتی ہے۔ اس کے بعد حواس ذہنیہ اس کے بعد حواس شامہ۔ الغرض پانچ حواس آہستہ آہستہ یکے بعد دیگر انسان میں پیدا ہو کر اسے پانچ عالموں کا عالم بنا دیتی ہیں۔ اب جب کہ وہ تقریباً سات برس کا ہوتا ہے تو اس میں ایک دوسرا حواس پیدا ہوتا ہے جسے تیز کہتے ہیں۔ اور اب اس وقت تیز سے وہ ان اشیاء کا علم حاصل کرتا ہے جس کے بتلانے سے حواس باکل عاجز تھے اس کے بعد ایک اور نیا حواس اس میں پیدا ہو کر اسے ایک اور ہی عالم میں پہنچاتا ہے اور اس کا نام عقل ہے۔

اب اس تمام مدت میں اگر انسان کو کوئی تفتیق و لائق معطیٰ مل جائے اور علوم مفیدہ کا اسے افادہ ملے تو وہ ان نعماتِ الہیہ کو درجو حواس و تیز و عقل کی صورت میں اسے عطا کی گئی ہیں، ان کو یہ کام میں لاتا ہے کہ خلقِ انسانی کے بعض مقاصد ایک حد تک پورے ہو جاتے ہیں۔ اور اگر کوئی اہستہ ساندہ ملا اور اسکی تعلیم صحیح اصول پر نہ ہوئی، تو تمام نعمتیں برباد ہو جاتی ہیں۔ اور ایک حیوانی زندگی اس کی رہ جاتی ہے ایک بدیہی بات ہے۔ اور شہادت اس پر شاہ عادل کہ انسان اپنے تمام لوازمات زندگی و معاشرت میں کسی معلم کا محتاج ہے اور یہ کہ اچھی معاشرت و تمدن زندگی تعلیم ہی کا نتیجہ ہے۔ جنہیں تعلیم نصیب نہیں ہوتی، ان کی زندگی پھاڑوں اور جنگلوں میں جا کر گھسی چاہیے۔ نہ مکان ہے نہ لباس۔ نہ کھانے کا طریقہ نہ ذوق حاصل کر سکے نہ مل



انہیں معلوم ہیں غرض کہ جقدرہبان میں اثر تعلیم و تعلم کا وسیع ہو گا تو اسی قدر وہ اپنے تمام حواس نے اند  
غیر کام لے سکیگا۔ لیکن انسان کی ترقی اسی جگہ تک نہیں ہو جاتی بہرہ ایک بڑا حصہ اس کی زندگی کا تمام نکتہ  
اور اس حصہ کے مکمل کے لیے نہ وہ اس عشرہ کو کام لیتے ہیں۔ نہ قوت تمیز قائم ہو پختا ہوتی ہر ذرہ عقل یا پوری  
رہبری کرتی ہے۔ مولانا روم ان جذبات کو بیدار کرنے کے لیے اس طرح اشارہ فرماتے ہیں۔ ۵۔

پنج تہے بہت جزاں پنج حُسن + آں چو ز رُسخ و ایں صہا چو ب  
ایندہ دل چو ل شود صفا نیو پاک + نقشب بینی بردوں از آب و خاک لے

یہ حصہ زندگی انسانی کا وہ عظیم الشان حصہ ہے کہ بدوں اس کے تمام تعلیم  
حاصل رسالت و نبوت | و تعلم اور بہترین زندگی کا ترقی پذیر ہونا محبت و ملائمت ہے۔ اس حصہ کا تخمینہ اس

طرح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ان ہر کسی یا ایک کو منتخب فرماتا ہے اور اسے ایک ایسا حالت عطا فرماتا ہے جس کے  
ساتھ تمام حواس سابقہ دست طلب پھیلائے معاشرت کے خواہش مند ہیں۔ وہ حواس ان سب کے اغلاط کو  
پہچانتا ہے غلط کاریوں کو جانتا ہے ان کے توقع و نيات سے آگاہ ہوتا ہے۔ جہاں کہیں یہ مغالطہ میں پڑ جاتے  
میں یا تھک کر رہ جاتے ہیں تو وہ شخص (جسے بجانب اللہ وہ حواس عطا ہو رہے) انہیں مغالطات سے آگاہ کرتا ہے  
اور ان کے تہہ ایک ساتوں میں ایک شمع رکھتا ہے۔ مینزل کو ان پر آسان اور مطلوب کو ان سے قریب کر دیتا ہے  
اس حواس کا نام نبوت رسالت ہے۔ اور اس شخص کو نبی یا رسول کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب اس کو نبوت عطا کرتا  
عطا فرماتا ہے تو پھر وہ ان چیزوں کو دیکھتا ہے جس کو ہماری آنکھیں کسی طرح نہیں دیکھ سکتی ہیں۔ وہ باتیں سننا  
ہر جن کو سننے سے ہماری کان عاجز ہیں۔ وہ مضامین سمجھتا ہے جس کے تغزل سے ہماری عقل بے ہر فایز  
وہ اعلیٰ علوم اپنی نسبت فوقانی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے۔ اور خلق کو پھر وہ باتیں بتاتا ہے اور ایسی اہ  
صلوٰۃ مستقیم کی دکھاتا ہے کہ جس بات کے سمجھنے سے ، اور جس راہ کے پانے سے انسان بدوں اس کی رہنمائی نہ  
سہی سہی کے مجبور و درمائدہ ہے۔ ان ذریعہ سے اگر انسان اپنی ان مخفی قوتوں کو جس کی طرف مولانا روم نے  
اشارہ فرمایا ہے اور جسے صوفیہ لطائف کہتے ہیں تیسرے بتاتا ہے تو پھر وہی عوام کی سطح سے اسی قدر بلند ہوتا ہے  
جس قدر بصیر یا بینا سے ارفع ہے۔ اس کا انکار و محض حال و متعجب کے کوئی کر نہیں سکتا۔ لہذا اب ہم دوسرے  
پہلو سے اس بحث کو صاف کرتے ہیں۔

ایک کل دستور العمل کا معیار انسان کی طبیعت تمدن کی مقتضی ہے۔ اور چونکہ تمدن اقتضائے طبیعت ہے

(۲) روشن ۱۔ تمدن ۲۔ طرز معاشرت ۳۔ کہہ کر کا طریقہ (۲) شہریت ہونا شہر میں رہنا شہریت کا کرنا (۳) شہر کا اغلاط کرنا۔

۱۔ ”ان حواس عشرہ کے علاوہ پانچ حواس اور ہیں وہ سونے کی طرح سنہری اور یہ چاندی کی طرح۔ دل کا آئینہ جب صاف اور پاک ہو جاتا ہے تو  
اس میں آب و خاک سے بے (درائے آب و خاک) کے نقوش نظر آتے ہیں۔“ ۲۔ زلات (زل یا زل کی جمع) لغزشیں (۲) غلطیاں،  
غلطائیں (۳) پھلتا بلا کھڑا ۳۔ مغالطہ (جمع مغالطات) دغا فریب، دھوکا، جھانسا، دھم بھکر (۴) کسی کو غلطی میں ڈالنا، آپس میں غلطی لگ جانا



اس لیے ہر وہ اصول جس کا تعلق تمدن سے ہو اور کام وہ علوم جو تمدن کو بار و نفع بنانے والے ہیں ان کا  
 بلوغت ان کی طرف راغب و مائل ہونا چاہیے۔ اور اسی تمدن کے اقتضائے طبعی ہونے سے علم انسان کے لیے  
 ضروری ہو گیا۔ اب یہاں پر یہ بات قابل ملاحظہ ہو کہ تمدن زندگی ایک بے بدست و کامل دستور العمل چاہتی  
 ہو تاکہ معاملات ہمیشہ میں ایک دوسرے کے حقوق کی محافظت رہے۔ ایک کی صفت و حرقت و کمال سے  
 دوسرا بغیر اس کے کہ جانیں میں سے کسی پر زیادتی ہو یا پس میں متع ہوتے رہیں۔ انسانی بڑی کمزوری یہ ہے  
 کہ وہ اپنے جذبات کو اعتدال پر قائم نہیں رکھ سکتا۔ اور حق تو یوں ہو کہ جذبات پر قوت حاصل کرنا اور انہیں  
 انفرادی تفریط سے بچائے رکھنا نہایت ہی دشوار ہے۔ انسان کا اس حال میں جب کہ نفس کا صحت حاصل ہوتا ہے  
 عدل و انصاف پر قائم رہنا بہت ہی اہم و مکرر لگا رہتا ہے۔ خاص کر ایسی حالت میں جب کہ اسے یہ معلوم ہو  
 کہ مواخذہ کی نگاہ سے دیکھ نہیں رہی ہو۔ پس اس وجہ دستور العمل کی حیثیت انسانی کے لیے مقرر کیا جائے  
 ان میں حسبِ قیل باتوں کا پایا جانا ضروری ہو۔ (اولاً) اس کے دستور اور قواعد ایچھے جو ہر طبقات انسان کے  
 طبائع کے مطابق کے بعد بنے ہوں تاکہ ہر زمانے میں ہر مقام میں ہر احوال میں وہ دستور العمل کیسے فائز  
 پہنچائے (ثانیاً) وہ قواعد ایسے ہوں کہ جن پر عمل کرنا ممکن ہو اور اس پر عمل کا لازمی نتیجہ فلاح و بہبود ہو  
 (ثالثاً) یہ کہ اس دستور العمل کو واضح وہ ذات ہو جس کی نسبت تمام آدمیوں سے یکساں ہوتا کہ اس میں  
 کسی جماعت کی رعایت کی قربت یا بعوض یا ہم قوم ہونے کے سبب سے نہ کی گئی ہو۔ (رابعاً) یہ کہ واضح  
 قانون کا علم اس قدر وسیع ہو کہ اسے عمل کرنے والوں کے حال سے ہرگز خبر نہ رہتی ہو۔ (خامساً) یہ کہ اس کا  
 دائرہ حکومت اس قدر وسیع ہو کہ جس سے نکل کر بھاگ جانا محال ہو (سادساً) اس میں مزاج و جزا کی قدرت  
 تامل ہو (سابعاً) سہو و نیان کو قصد و ارادہ سے جدارہ نہ سکتا ہو (ثامناً) اطاعت و عدم اطاعت کا اثر  
 اس کی ذات یا اس کی سلطنت پر نہ پڑتا ہو (تاسعاً) کوئی دوسرا اس کا کسی امر جزئی میں بھی شریک نہ ہو۔  
 حاصل حیات انسانی کے لیے کامل دستور العمل تو وہی ہو سکتا ہے جن کا بنانے والا ان کمالات سے متصف  
 ہو۔ اور خود وہ دستور العمل اپنی ذات سے اس طرح جامع و سہل العمل ہو۔ اب تم خود غور کرو کہ اس دستور العمل  
 بنانا کیا امکان پیش ہے یہ کیا کوئی سلطنت سرور و علانیہ یہاں تک کہ افعال و قلوب پر بوجہ علم انہی کے محیط  
 ہو گیا کوئی طاقت عالم مبتدعہ عالم برئخ عالم معاد تک سوائے قدرت خداوندی کے چھائی ہوئی ہو کیا دنیا  
 میں کوئی قوت ایسی ہو جس کا مقابلہ محال ہو۔ پس اسی لیے اس جمل مجہد نے جس نے انسان کو پیدا کیا

۱۔ مبدء - شروع کرنے / ہونے کی جگہ، ظاہر ہونے کی جگہ (۲) شروع، آغاز (۳) بنیاد، اصل (۴) آغاز کرنے والا، پیدا کرنے والا۔

۲۔ عالم برزخ - موت اور قیامت کے درمیان عرصہ کے لیے رعوں کے رہنے کا مقام ۳۔ معاد - لوٹ کر جانے کی جگہ، واپس جانے کا مقام،

جانے بازگشت (۲) (عجازاً) حققی، آخرت، حشر، قیامت، عاقبت







جس کی تعلیم مختص انبیا علیہم السلام کے ساتھ ہی اور جس تعلیم کے لیے اُن کی بعثت ہوئی ہے۔ اگر نہ حال  
کی جائے تو اگرچہ دیگر علوم و فنون سے آپ لال مال ہی کیوں نہو جائیں مگر حقیقت میں آپ غفلت ہی رہ گئے۔  
مگر غافل میں آپ کی حیات انسانی معلوم ہوگی مگر حقیقت میں یہ اس کا ذخیرہ و قالبِ حیاں ہوگا جو واقعہ  
میں بیکار و لاسود و محض ہے جس طرح جسم بلا روح مردہ ہے اسی طرح تمام علوم بغیر تعلیم رسالت مردہ ہیں۔ ہمارے  
تمام علوم مردہ ہمارے کسبے نافع نہیں۔ اس لیے اُن میں خطائوں کا نہ صرف احتمال بلکہ وقوع ہوا کرتا ہے۔  
ہمارے علوم میں یہ قوت کہاں کہ جس سے روح کا اندازہ ہو۔ برخلاف اس کے پیغمبر کے علوم وحی الہی پہنچتے  
ہیں۔ حصص اُس کی ذاتی صفت ہوتی ہے۔ اُس کے علم نفس کا شائبہ نیک نہیں ہوتا۔ اُس کا علم اخلاط  
سے پاک اور نقص سے مستبر ہوتا ہے۔ اسی لیے وہ سراپا پرشد و ہدایت ہوتا ہے۔ اسی امر کی طرف اس نے کرمیہ  
میں اشارہ ہے۔ **وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَ عَلَى الْدِّينِ كُلِّهِ وَ**  
**يُخْفِيَ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ شَيْدَ الْكَاذِبِينَ**۔ بعد اس کے کہ اس قدر بحث آپ رسالت کے متعلق سن چکے۔ اس بات کی  
طرف ذرا توجہ فرمائیے کہ وہ کونسی رہنمائی و ہدایت تھی جسے لیکر ہمارے پیغمبر وحی فداہ تشریف لائے۔  
تاکہ **لِيُظْهِرَ عَلَى الْدِّينِ كُلِّهِ** اچھی طرح آپ سمجھ جائیں۔ اس کے لیے مختصر خطوں میں پہلے عرب کی حالت،  
ایام جاہلیت کی سننا چاہیے۔ اُس وقت اس ہدایت کے غلبہ و غفلت کا حال معلوم ہوگا۔

بعثت کے وقت عربوں کی حالت علمی یہ تھی کہ کل حصص رسالت آدمی مکہ میں  
حالت عرب قبل بعثت  
ایسے تھے جو اُمّ القریٰ بنے ہوئے تھے جس سے کاروبار تجارت ان کا شغل  
اور اُس کا علاج  
لے۔ اس لیے کہ قوت و خوند ان کے خیال میں شیوہ آراذل تھا جنہیں  
نہ غیرت ہو نہ شجاعت۔ تمدن و معاشرت کی ان کے یہ حالت تھی کہ چترے کے خیمے ان کے مکانات  
تھے بکریوں اور اونٹ کے جملے ان کی معیشت۔ جہاں سبزہ اور پانی دیکھا وہیں خسیہ نصب کیا ایک موسم  
میں یہاں ہیں تو دوسرے موسم میں وہاں۔ سلطنت کی ان میں یہ حالت تھی کہ مذکورہ ان کا باضابطہ رشتہ  
تھا اور نہ ان پر حکومت کرنے کے لیے کوئی قانون۔ قبائل کے شیوخ سردار ہوتے۔ کہیں کسی کی اگر جمعیت  
زیادہ ہوگئی اور دل خوش کن لقب سلطان کا اُس نے قوم سے حاصل کر لیا تو چند روز میں کسی معمولی بات  
پر کوئی تعزیر اُس سے اُبھکر اُس کا اور اُس کے خاندان کا اور اُس کے ساتھ ہی ساتھ اُس لقب خطاب کا  
خاتمہ کر دیتا۔ قصائد و شعرا جاہلیت کے ان تمام باتوں کا کافی ثبوت ملتا ہے۔ اب ایسے حال میں جبکہ قوم میں

۱۔ مقلد محتاج غریب، نادار جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ مفلوک، بے زر۔ دُعا حجاج، خاکہ، قالب، ڈول، بے پئے پلنگ، چار پائی، کرسی وغیرہ کا  
چوکھٹا۔ مدونہ جمع کیا ہوا، کیا گیا یا ترتیب دیا گیا۔ تغذیہ، غذا، خوراک دینا، پالنا (۲) غذا، خورش  
۵۔ ”اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور چادین عطا فرما کر بھیجا تا کہ اسے سب دینوں پر غالب کر دے اور اللہ کافی گواہ ہے۔“ (الفح: ۱۸)  
۶۔ ارادل (ارذل کی جمع) بڑے رذیل، کینے لوگ، نالائق، بچ، کم ذات، اوجھے



نہ سلطنت ہو نہ تمدن نہ علم نہ امن نہ اتفاق، رسول مبعوث ہوتا ہے۔ وہ اپنی قوم کو ہر حال سے پست اور ہر پہلو سے ضعیف پاتا ہے۔ اُس کے گرد و پیش قیصر و کسریٰ سلطنت جہانداری و جہانبانی کا پھر راز اُڑا رہی ہیں۔

ایران کی فحاش پسندی اپنے معاشرتی نازک کرشمے کی بہاریں دکھا رہی ہے۔ یونان و کسندریہ کا مخبر فلسفہ موجب نار ہوا ہے۔ اب یہیں یہ دیکھنا ہے کہ پیچہ قوم کو ان سب میں سے کس شے کی طرف ملتا ہے۔ ایک ایسی قسم جو تمام کمالاتِ انسانی سے خالی و عاری ہو گئی ہو اور دوسری مقابلِ قویٰ بعض کمالات اپنے آپ میں رکھتی ہو۔ رسول نے اُس وقت میں اپنی قوم کو کیا رہنمائی کی۔ کیا اُن سے یہ کہا کہ اے قوم اٹھ۔ تلوار و نیزوں کو سنبھالو اور تومی ایک ملک گیر جہاندار کی حیثیت مثل قیصر و کسریٰ کے اپنے میں پیدا کر۔ یا یہ کہا کہ اے قوم پتھر کو بے گئے گرفت اور دانٹوں کے کوٹوں کا کباب بکتک چپے سے کھانے کے لیے میں ہنا کہاں تک بیدار ہو اور کم از کم ایران میں معاشرت تو اتنا کر۔ یا یہ کہا کہ اہل عرب یہ جہالت سے انس اور علوم و فنون سے وحشت مانجے مہمت کر اور رشک اسکندریہ و یونان مکہ کی وادیوں کو بنا دو۔

دیکھئے قوم سراسر مریض ہے بیماریوں نے کوئی حصہ ہم کا چھوڑ نہیں رکھا ہے۔ اب اس وقت علاج کو نہ مرض کا کیا جائے جس سے تمام بیماریاں خود بخود زائل ہو جائیں۔ آیا اسے جہالت کے مرض سے علوم عقلیہ پر چکر تھا ہو۔ یا تمدن کی مفرحات و بھائیں یا سلطنت کا جوا ہر مہرہ لے استعمال کر آیا جائے۔ مرض یہ کہ کیا کیا جائے جس سے یہ مریض نہ صرف صحیح و تندرست ہو جائے بلکہ دوسرے مریضوں کے لیے اُس کا وجود اکتیر اعظم بن جائے۔ تو اس کا صحیح جواب و سچا جواب وہی پہلی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوگی جو سب سے پہلے اپنے اپنی قوم کو فرمائی۔ وہی حقیقی علاج تھا اُس قوم مریض کا اور وہی سچی شاہ راہ تھی ترقی کی اور وہی کلیدی خزانہ تمدن کی۔ کیا تم سے وہ اولین تعلیم مخفی و بھول ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ کہ اُنھوں نے ﷺ اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے اس سراسر مریض قوم کا علاج کر لیا تھا اِناس قول لا الہ الا اللہ ص ۱۰۰ جو قوم نے اپنا رشتہ خدا سے درست کر لیا تو پھر وہ تمام تعلقات جن کا علاقہ خلق یا کائنات کیساتھ تھا خود بخود سچے گئے اللہ سے بعد ایسا بدعت مرض ہے کہ جس کے سبب ہنسان تمام بے بسیوں کا آماج گاہ بن جاتا ہے۔ اور جس کا علاج کیا چاہو تو اس بیماری کی دوائیں کو تمام دواؤں سے زائد کر ڈیو کیل معلوم ہوتی ہے۔ اور اس لیے نفس اتارہ اس سے سخت ابا کرتا ہے۔ اس وقت میں بھی تم دیکھو گے کہ انسان کو علوم و مذہب حاصل کرنا انسان ہی معیشت کا سامان فراہم کرنا بھی سہل ہے۔ ان چیزوں کے حاصل کرنے کا خود بھی

۱۔ مفرحات۔ وہ دوا تھیں، جن سے طبیعت کو فرحت اور خوشی حاصل ہو۔ ۲۔ جوا ہر مہرہ۔ اہل فرنگ چند دواؤں سے ترکیب کر کے بہت سے رنگوں کی ایک گولی بناتے ہیں، جس میں تریاق کی خاصیت ہوتی ہے۔ ۳۔ اکتیر۔ کیا (۲) کی بیماری کے لیے جلد اثر کرنے والی اور بے حد مفید دوا ۴۔ بھول۔ غیر معلوم، مقام، نامعلوم (۲) انجان، نادانستہ (۳) وہ فعل، جس کا فاعل معلوم نہ ہو۔ ۵۔ الصحیح المسلم، جلد اول، کتاب الایمان۔ نو رحمہ کارخانہ تجارت کتب، کراچی، طبع ثانی، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء، ص ۳۷۔ ۶۔ آماج گاہ۔ نشانے کی جگہ، نشانہ لگانے کا مقام



دولہ ہوتا ہوا اور دو سرتوں کو بھی جوشیں لاسکتے ہیں۔ لیکن خدا کا خوف دل میں پیدا کرنا اور اس کو حاضر و ناظر جان کر اپنے معاملات و اخلاق کو درست کرنا نہایت ہی مشکل بلکہ نایاب ہی۔ پس رسولؐ نے اصلی مرض کی تشخیص کی اور اس سے صحت یاب ہونے کے لیے ایک قلعہ توحید کا تیار کیا۔ قوم کڑی قلعہ دو ادیکھ کر بہت کچھ مٹا مٹھ موٹا ہاتھ پاؤں پھینکے لیکن پیغمبرؐ نے اللہ شانہ، اللہ کافی کہہ کر وہ پیالہ منہ سے قوم کے لگا ہی دیا۔ اب کیا تھا۔

سب سے بیدار اگر دو نیم شب

سب ساتی روزِ محشر با دعا

دوا کا حلق سے اترتا تھا کہ صحت کے آثار نمودار ہوئے۔ ہر طرف سے رحمت کے دروازے کھل پڑے۔ علوم و فنون کی باگ بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں آگئی اور سرسبز سلطنت پر بھی قبضہ ہو گیا۔

فتوحات اسلامیہ اور علوم مدونہ عربیہ اس وقت تک اُن پاکبازوں کے کمالات مجاہد جلال کا نہایت بلند آہنگی سے اظہار کر رہی ہیں۔ وہ دنیا سے چل بسے لیکن اُن کی مہربانیاں اُن سے آئندہ انہواری نسلوں کے لیے ہمیشہ شکریدہ ادا کرانی میں لگی ہے۔

ہرگز نہیں دان کہ دلش زندہ شد عشق

ثبت است بر جریحِ محالِ دوام

تم دیکھو گے کہ جب تک مسلمانوں نے اطاعت الہی کو اپنا شعار رکھا اور سرِ اعلیٰ خدائے تعالیٰ کے پیچھے ہوئے دستورِ عمل کو اپنا نصب العین بنائے رکھا اور

اسلاف اور اخلاق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا نمونہ اُن کے پیش نظر رکھا اُس وقت تک اُن کی ترقی برقی رفتار میں آج جس چیز کی بازماندگی میں کساد بازاری ہو تو قرونِ اولیٰ میں اُس کی ایسی فراوانی تھی کہ اپنے توفیر اپنے ہی تھے بیگانوں تک کے گھروں کی رونق انہی مسلمانوں کے عطیات کا نتیجہ تھا۔ دیکھئے آج یہ روزِ ناہ ہے کہ مسلمان تمام اقوام سے تعلیم میں پیچھے ہیں اور اس قدمِ موخر اور اس قدرِ بطی ایسے نہیں کہ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ یہ اُس قوم کے جو ان کے دوش بدوش آباد ہو کر ہر ایک ہم سفر و ہم منزل ہو گئے چر جائے کہ اُن اقوام کے پیلوں میں جگہ پانے کے قابل ہوں جو اس وقت سرِ نفلک ہیں۔ اور ذرا یہ دیکھو کہ مسلمان جب کہ سرِ جمیع مسلمان تھے تو کیا اسی طرح اُن علوم و دنیاوی سے بے نصیب تھے۔ اس کے لیے زائد ملاحظہ

کساد بازاری۔ بازارِ شہر خرید و فروخت نہ ہونا بازارِ مہمانوں کی کھانوں کا نہ ہونا۔ یعنی اسی۔ میرے میرے پہلے دلائی جس کی رات سرت ہو۔ ۹۔ دوش بدوش۔ کندھے سے کندھا ملا کر (۲) اتفاق سے

۱۔ قدر۔ بڑا پیالہ (۲) ساغر۔ پیالہ، جام (۳) بادبہ۔ چلی (چھلانا) طبیعت کا تپے پر پھل ہونا/ تپے کرنے کو جی چاہنا، مالش کرنا مثلاً، آبائی آنا ۳۔ ”شراب کا مست“ بھی رات کو بے دار ہو جاتا ہے، سہانی کا مست روزِ جمعی صبح کو۔ ۴۔ سریر۔ بادشاہی ملک، تخت، سنگھاس (حافظ) ”جس کا دل عشق سے زندہ ہو، وہ کبھی نہیں مرتا۔ کائنات کے صحیفے پر ہماری جھلکی ثبت ہے۔“ ۵۔ شعرا۔ طریقہ، دستور، عادت، طرز











**اصول ترقی اور** آدم اپنے ترقی کے اصول قرآن کریم سے دریافت کریں بخود بتائے اسی راہ پر چلیں  
**قرآن کریم** کی کوشش کریں اگر اس میں کاغذی اس قدر ہی ہو کہ ہم اپنی موجودہ حالت سے انحطاط  
 نہ کریں اور روز افزوں ہستی سے نجات پائیں تو شاید اس وقت آگے بڑھنا بھی آسان ہو جائے گا اس وقت تو  
 ہر لمحہ میں فنا کے میل میں نہانے لگے جا رہے ہیں۔

گرے جلتے ہیں اپنے آپ نظر کیا کرتے ہیں  
 بدل جاتے تو کچھ ہمتے ملے جاتے ہیں غم یہ ہے

قرآن کریم ہمیں یہ راز اس طرح بتاتا ہے کہ اگر ہم اپنی اس نسبت کو جو ہمیں اپنے خالق سے ہونی چاہیے اور اس  
 تصرف کو جو ہمیں پر اللہ کی جانب سے عطا ہوا ہے صحیح طور پر درست کریں تو پھر وہی ہم ہیں اور وہی قابل  
 اس کے ہے (اولاً) جس اپنی استعداد (ثانیاً) اپنا جائز تصرف معلوم ہونا چاہیے۔ ان میں سے ہر ایک کو قرآن کریم  
 سے سننے کا یہ اللہ تعالیٰ کسی کو تو فقیح عطا فرلے۔

کلام اللہ میں غر مجھنے پہلوی استعداد سے اس طرح ہیں آگاہ فرمایا ہے کہ لے انسان تیری ساخت  
 سے بہت ہی پختہ بنائی ہے اب اگر تو اپنے آپ کو خراب کر لگا تو اس کا خود زہد واسطہ اور اگر میری بتلائی راہ پر  
 زندگی بسر کرنا تو میرے اور کائنات میں نہایت ہی ہوگا **لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ** مگر نہ بد نہ ناکہ  
**أَفْضَلُ مِمَّا خَلَقْنَا** اے اللہ تعالیٰ میں آمنتا ہوں کہ **لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ** اس سے یہ تو قوی  
 طور پر معلوم ہو گیا کہ اگر ایمان و عمل صالح ہے تو پھر اور کائنات میں نہایت ہی ہے اور اگر نہیں تو پھر خوبی و کمال کا تو ذکر کیا  
 کیا اپنی اصل خلقت پر ہی قیام ناممکن ہے **أَفْضَلُ مِمَّا خَلَقْنَا** ہی میں ہا کر ٹھیک ہے۔ فرض ہم ہیں اسی قابلیت  
 استقلال ہے کہ ہم اپنے آپ کو جیسا چاہیں ویسا بنا سکتے ہیں۔ استعداد انسان کے متعلق اسی قدر پر کفایت کیجئے۔

**انسان اور کائنات** آدم اپنے اس تصرف و تعلق کو دیکھتے جو اللہ ان کا کائنات کے ساتھ ہے۔ اس تعلق کے  
**عالم کے تعلقات** جاننے کے بعد ایک عجیب پر نفسا کامیابی کا ماحول ملتا ہے جس سے ہم دیکھتے ہیں کہ عالم  
 میں ہمارے سوا جس قدر مخلوق ہیں خواہ وہ بے دماغ یا نبات یا حیوان ہوں خواہ کائنات کے کچھ کے موجودات ہوں  
 مثل حباب و باران وغیرہ خواہ عالم علوی کی چیزیں ہوں مثل آفتاب ماہتاب و زہر و مسری وغیرہ سب کے  
 سب ہماری خادم ہیں اور ہم خود ہم۔ ہر ایک سے ہماری ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اور ہر ایک سے ہم اپنا کام  
 لیتے ہیں اور کام ہی اس طرح ہم ان سے لیتے ہیں کہ ان کی شاکہ کسی وقت اپنی خدمت کے عزم کا رٹو کسی طرح

۱ انحطاط۔ کم ہونا گھٹنا گھٹنا۔ نیچے اتارنا کسی چیز کا کسی طرف مائل ہونا، متزلزل، غیر متناہی۔ جس کی اعتناء نہ ہو، بے حد۔ ج ۱۵: ۶۵  
 ۲ یعنی پھر تا فرامانی کی وجہ سے انسان کو سب سے نیچے درج کی مخلوقات سے بھی نیچے کر دیا۔ (عزیز الرحمن کوثر ندوی، علامہ۔ جو اصرار البیان فی تفسیر  
 القرآن جلد دوم، مطبوعہ بنارس) ۳ کائنات اللہ۔ آسمان اور زمین کے درمیانی فاصلہ، خلائی دنیا







خادم ہیں اور ہم خدمت میں لیکن یہ بات سمجھ میں نہ آئی کہ ہم صرف مخدوم ہی کیوں رہے۔ سلسلہ تویوں ہے کہ جلاوطنی کے کام آتا ہے اور نبات جلاوٹ کے کام تو نہیں آتا لیکن حیوان کے کام آتا ہے۔ اسی طرح حیوان نبات کے لئے کچھ مفید نہیں لیکن انسان کا مسخر و غلام ہے تو جبکہ یہ سلسلہ مخلوق میں پایا جاتا ہے کہ ادنیٰ اعلیٰ کا خادم اور وہ اپنے سے بلند کا خادم تو پھر اس کی کیا وجہ کہ باوجود مخلوق و حادث و ممکن ہونے کے ہم کسی کے خادم نہ ہوں۔ تو پھر یہ غور سے یہ ملاحظہ ہو جاتا ہے کہ تمام مخلوق سے چونکہ انسان اعلیٰ و بالا قرار پایا ہے ہر چیز اس کی مسخر و کوسیٰ کی ہیں تو پھر اسے مخلوق کا خدمت گزار نہ ہونا چاہئے بلکہ یہ تو خالق کا غلامی کرنے والا اور اسی کا عبادت گزار ہے اور صرف اسی غلامی کے لئے یہ مرتبہ دیا ہے کہ جس کے باعث یہ سب مخلوق پر حاکم ہے اسی امر کی طرف سعدیؒ اشارہ کیا ہے

ابو باد و وہ و غور شید و فلک در کارند  
تا تو نالے بکف آری و بخت نوری  
ہمہ از بر تو سرگشتہ و فسواں پر دار  
شرط انصاف نبات کہ تو فزاں نہ بری

اب زرا اس طرف توجہ ہو جائے کہ جب آفتاب و مانتاب نجوم و زمین و دیا وغیرہ وغیرہ سب ہمارے مسخر کر دئے گئے تو اب ضرور ہوا کہ ہم اپنے تابعداروں سے کام لینے کا سلیقہ بھی ہونا چاہئے۔ ہمیں بھی معلوم ہونا چاہئے کہ کس سے کونسا کام لینا ہے جس قدر ہیں ان سے کام لینا کا طریقہ و علم زیادہ ہونا چاہئے انہی سے مناسب سے ہم اپنی حکومت میں کامل سمجھ جائیگے اور ہماری یہ حکومت اور ان تابعداروں سے خدمت لینا مین مرضی الہی کے مطابق ہوگا۔

تحدن و سائنس اور قرآن مجید  
ہمیں غرض کیا تمدن کی روح اس کے سوا کوئی اور چیز ہے؟ کیا سائنس اٹھی اس امر کو منکشف نہیں کرتا کہ کس چیز کو ہم کس طرح جانے کام میں لائیں؟ اگر یہی بات ہے اور ضرور یہی ہے تو میں دیکھنے کی چوٹ لگاتا ہوں کہ تمدن و سائنس کی منکشف قرآن کریم کی یہی تعلیمات ہیں۔ سائنس پڑھتا اس میں کمال پیدا کرنا حقیقت میں مسخر و حقوق سے مستفید ہونا ہے اور ان کے مسخر ہونے کو با معنی بنانا ہے۔ کوئی وجہ اس کی نہیں کہ قرآن میں جن امور کی طرف رہنمائی کے جن سے ہم مستفید ہونے کی ترغیب دلائے ہم اسے مذہب کے خلاف سمجھیں۔ پھر تو کھانا پینا پہنا سب ہی و شوا ہو جائیگا۔ یہی یہ بات کہ کوئی زبان میں ان علوم کو پڑھیں، اس سنگ وقت میں زیادہ بحث کا تو موقع نہیں لیکن اس قدر سمجھ لیجئے کہ اردو فارسی پنجابی، پشتو، بنگلہ وغیرہ تو جات رہیں مگر یورپ کی زبان حرام

۱ مخدوم۔ خدمت کیا گیا کیا قابل تعظیم، آقا، بزرگ، سردار، ۲ حادث۔ نیا، تیز، وہ چیز جو نئی پیدا ہوئی ہو اور پہلے سے نہ ہو، نیا امر ظہور میں آنے والا (۲) کافی، مٹا ہونے والا ۳ ممکن۔ جو بات ہو سکے، ہو سکے والی بات (۲) کنایت (خلوق، انسان ۴ معما۔ پوشیدہ، چھپی ہوئی چیز، مخفی، نہ کی بات۔ وہ بات، جو بطور رمز بیان کی جائے۔ (۲) ایک قسم کی چھستان (۳) الجھا ہوا مسئلہ، پیچیدہ بات ۵ منکشف۔ کھلا، ظاہر



آخر اس کی وجہ اگر کچھ تمام یورپ یا کوئی اس کا حصہ دائرۃ اسلام میں آجائے تو کمال سے اپنی مادری زبان کا بولنا  
یا اس میں شہناحرام ہو جائیگا، کیوں خدا کی رحمت کو اس قدر تنگ کیا جائے؟ اور ترجیح دیا گئی؟ دیکھا؟  
الحمد للہ صالۃ المؤمنین صحت مؤمن کی نعم شدہ چیز ہے۔ اپنی چیز جہاں بھیں لجا جائے اسے فوراً اٹھا لو۔

سخن کر بہر حق گوئی چہ عربی کی چہ سریانی

مکان مرہر او جوتی چہ جا بلقا چہ جالباسا

حضرات! کوئی وجہ اس کی نہیں کہ تعلیمات فرانسیسیں کے سامنے بچہ ڈال دیں اور سائنس جاننے  
والا قرآن مجید کو رنحوذ باشندہ شکیبائی کی نگاہ سے دیکھے یا اس کے فہم و تلاوت سے اپنے کو مستغنی سمجھے۔ اس نے  
کہ سائنس کی بحث مادہ و تعلقات مادہ تک محدود ہے۔ حیات دنیا کو بار منق بنانا، لوازمات حیوانی کے لئے  
سائنس فراہم کرنا اس کی غایت ہے لیکن قرآن کی تعلیم مادیات سے بہرہ مند ہونے کی طرف ایک لطیف اشارہ  
کرتے ہوئے ہمارے جذبات کو معتدل افعال قلوب کو مزین بناتی ہے اس سے پھر کچھ بڑھ کر تربیت روح  
کی کرتی ہے عباد کی حیات کو آراستہ کرتی ہے اس مقام پر تو سائنس کے پڑ چلے ہیں، سائنس غریب کو تو اس  
کی ہمدردی نہیں لگی ہے۔

اس بات کو خوب یاد رکھو کہ سائنس نے توحید و الوہیت نبوت و رسالت دینی و اہل  
قابل گریہ نظارہ  
و غیرے کبھی بحث نہیں کی۔ چہ جائیکہ سائنس نے ان باتوں کا انکار کیا ہو۔ اگر کوئی  
ایسا کتابتہ تعین جانا کہ اس نے سائنس کو قطعاً نہیں سمجھا۔ یہ اس پر افترا لکھنا ہے بہتان رکھنا ہے،  
سائنس اس سے بیزار ہے اور اس سے حمایت سے فریادی ہم بھی ایسے شخص کی باتوں سے منہ پھیر لو اور اس  
لئے دھڑکے دہاڑتے کرو۔

دوستو! یہاں بے الضافی ہونے کی ہم اپنے سلیعوں سے تو کام میں کائنات سے بہرہ مند ہوتے نہیں  
لیکن جس کی اطاعت کے لئے ہم پیدا کئے گئے ہیں اس کی طرف بھول کر بھی توجہ نہ کریں، بلکہ اسے ایک لائق  
احقر سمجھیں یہ کسی بے الضافی و صریح مہذب و دھرمی ہے۔ اگر یہ پہلو ہماری زندگی کا تاریک رہا تو ہم کمال انسانی  
کے عرفان سے قاصر رہے اور سخت باز پرس منہم غشی کی اپنے اوپر چا لید کر لی، بغیر اطاعت الہی و عبادت و معبود  
جو زندگی بسر ہوئی وہ حیوانی حیات سے ایک لچر بھی بڑھ نہ سکی۔ افسوس کہ اس زمانہ میں عبادت کی لذت  
سمجھنا نہایت ہی دشوار و اہم ہو گیا۔ تو این رخ سے یہ پتا چلتا ہے کہ جب دنیا میں علوم عقلیہ کے ساتھ لوگوں نے

۱۔ ترجیح دیا ہو، اکیس پر فطرت دیا گیا (۲) ترجیح دینے والا ۲۔ جامع ترمذی، ابواب العلم باب ماجاء فی فضل اللہ علی العبادۃ جلد ۱ ص ۹۸۔  
انج ائم سعید کہیں، اگر اچھی ۳۔ حکیم سنائی غزنوی "جو بات تم حق کے لیے کرو، وہ میرانی ہو یا سیرانی کوئی فرق نہیں پڑتا، جو جگہ تم حق کی خاطر  
ذمہ دہتے ہو وہ جا بلقا ہو یا جالباس ایک ہی بات ہے۔"  
۴۔ سپر ڈائنامک اختیار ڈالنا، شکست کھانا، مغلوب ہونا ۵۔ سکی۔ ہکا بین (۲) بدکردی، بے عزتی، خفت ۶۔ مستغنی۔ بے پروا، دولت مند

۷۔ عارفان۔ بچان، تیز شناس، عالم (۲) بچان (۳) اللہ  
۸۔ عارفان۔ بچان، تیز شناس، عالم (۲) بچان (۳) اللہ  
۹۔ عارفان۔ بچان، تیز شناس، عالم (۲) بچان (۳) اللہ

۱۰۔ عارفان۔ بچان، تیز شناس، عالم (۲) بچان (۳) اللہ  
۱۱۔ عارفان۔ بچان، تیز شناس، عالم (۲) بچان (۳) اللہ  
۱۲۔ عارفان۔ بچان، تیز شناس، عالم (۲) بچان (۳) اللہ



”جیم“ اس کے کو جاتے ہو تو سب کو چھوڑا اور جاتا ہے۔ جیم اس سے دور ہو جاتا ہے تو سب کو چھوڑ کر چلا گیا۔  
 ۱۔ تروید جیلر کو کر فریب (۲) جھوٹ بولنا (۳) کسی چیز کو راست کرنا۔

حسد سے زائد غلو کیا تو وہ عبادت سے غافل ہو گیا اور نہ سوچے لیکن اس دوریام کو کیا کہے کہ ایک طرف  
 جہالت کی گٹھا چھانی ہوئی ہے، دوسری طرف تدبیر سے دامن عمل خالی ہے۔ عامہ مسلمین کی حالت کا اندازہ  
 کرنا تو خود معلوم ہو جائے گا کہ ہم راہ پیغمبر سے کس قدر غفلت ہو گئے ہیں۔ سادہ دین لیکن غلامی نہیں تو  
 کی جلدیں متعدد موجود ہیں مگر تلاوت عیسب ہیں۔ جو بد و بدعتی جن سے قرآن پر عین آتا ہے لیکر اس پر عمل  
 کی توفیق نہیں دے عبادتیں و برائے و معاملات تباہ و تعلقات راگندہ اخلاق رومی بیکر کا امیر بھلائی کی ہے  
 اصلاح تو ہم نے کوئی تجارت کی غفلت لانا ہے کوئی علوم مغربی کے صحائف حاصل  
 شد پریشان خواب میں  
 از کثرت تعبیر ما  
 لیکن خدا تو یہ فرماتا ہے کہ تم میرے مصلح ہو جاؤ پھر سب چیزیں تمہاری تابع فرمان

ہو جائیگی۔

تو ہم گردن از دستک دو او پیچ  
 کہ گردن نہ پیچید دستک ہم تو پیچ  
 تم اللہ کے ہو جاؤ، تمام چیزیں تمہاری ہو جائیگی۔ تم اللہ سے پوچھاؤ گے تمام نعمتیں تم سے منہ موڑ لیگی  
 چوں از دستکستی ہمیں چیز از تو گشت  
 چوں از دستکستی ہمیں چیز از تو گشت

ہماری اخلاقی حالت اس درجہ بدتر ہو گئی ہے کہ عیب کو ہم نہ سمجھنے لگے اور صلح کو کالی و دشمنی۔ یہ وقت  
 اس کے بیان کرنے کا نہیں ہے جسے اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماوے وہ کلام حمید کی تلاوت با ترجمہ کر جاوے اور  
 اس میں ان پر اپنے آپ کو تول کے کہ کہاں تک صدق و حق کا پلہ دینی ہے اور کہاں تک تزویر و دیا کا۔ اخلاقی حسن  
 کہاں تک پائے جاتے ہیں اور کس حد تک اسے اپنے جذبات پر قدرت ہے اس مرتبہ تک حقوق العباد کے ادا کرنے  
 میں تھوہر کر رہا ہے۔ میں اس وقت دو دفعہ آپ کے سامنے گزارش کروں گا جس سے آپ اس امر کا فیصلہ کر سکیں  
 کہ اخلاق کی توفیق کس رہے۔

معیار صداقت  
 نبوت  
 بنی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جبکہ ہرگز فیہ روم کے پاس اپنا قاصد بھیجا ہے تو اس نے  
 عربوں کی اس جماعت کو جو اس کے ملک میں تاجرانہ حیثیت سے گئے ہوئے تھے تحقیق کیا  
 اسے حکایت طے کیا۔ اب تم ذرا اس کو دکھو کہ وہ کیا پوچھتا ہے اور ہر سوال کے جواب ہے

۱۔ غلو۔ نجوم (۲) حد سے گزرتا، مبالغہ، بڑھا چڑھا ہوتا ۳۔ مضبوط۔ سستی کرنے والا (۴) حقیر، خوار ۵۔ تدبیر۔ دین داری، پرہیز گاری،  
 دیانت داری ۶۔ پراگندہ، متفرق، متبصر، تیز تر، پریشان، بکھرا ہوا ۷۔ ردی۔ مجزا، بکا، ناقص، ناکارہ، خراب (۸) متذبذب، متقلقل،  
 متردد (۹) پریشان، حیران ۱۰۔ ”تم بھی خدا کے حکم سے سرکشی نہ کرو تا کہ کوئی بھی تمہارے حکم سے سرتابی نہ کرے۔“



وہ کیا نتیجہ نکالتا ہے۔ میں یہاں پر حدیث کا وہ حصہ جو سوال و جواب پر مشتمل ہے لکھتا ہوں تاکہ آپ کو کامل لطف حاصل ہو اور صحیح فیصلہ کر سکیں۔ اس کے دس سوال ہیں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ کیف تشبہ فیکہ ان کا نسب تم میں کیا ہے؟ قلت هو فنیاذ و نسبہ عیبیہ وہ ہم میں شریف نسب ہے۔ ہر قل اس جواب کو سن کر کہتا ہے کنذا لک الرسل تتبع الالبس و عیبیہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے کہ قوم میں پیغمبر شریف ترین نسب کا ہوتا آیا ہے۔

(۲)

۲۔ هل قال هذا القول منك احد قط جبکہ میں نے پیشتر دعویٰ نبوت عرب کی سرزمین میں کسی اور نے ہی کیا تھا؟ جواب قلت لا۔ میں نے کہا نہیں۔ ہر قل کہتا ہے قلت لو کان احد قال هذا القول قبلہ قلت رجل یا لسی بقول قبل قبلہ۔ تمہارا جواب نہیں میں سنکر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر تم ہاں کہتے تو میں کہتا کہ یہ شخص ایک ایسا آدمی ہے جو اپنے سے پہلے کسی ہوئی بات کی ریں کرتا ہے۔

(۳)

۳۔ هل کان من آبائکم من ملک۔ آباؤ اجداد میں اس کے کوئی بادشاہ گذرا ہے؟ قلت لا میں نے کہا نہیں۔ ہر قل کہتا ہے قلت لو کان من آبائکم من ملک قلت رجل یطلب ملک ابیہ میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ اگر آباؤ اجداد میں اس کے کوئی بادشاہ گذرا ہو، تو میں کہتا کہ یہ ایک ایسا شخص ہے جو باپ کا ملک اسی حیل سے طلب کرتا ہے۔

(۴)

۴۔ فاشراف الناس اتبعوہ او ضعفاء ہم قوم کے منادی اس کی پیروی کرتے ہیں یا ناتوان لوگ؟ قلت بل ضعفاء ہم میں نے کہا بلکہ ناتوان اس کے دین کو لبیک کہتے ہیں۔ ہر قل کہتا ہے ہم اتباع الرسل رسولوں کی پیروی جماعت ہوتی چلی ہوئی ہے۔

(۵)

۵۔ انیریدون امینقصون۔ یونانیوں بڑھتے جاتے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں قلت بل یزیدون میں نے کہا وہ ہر روز بڑھتے جاتے ہیں۔ ہر قل کہتا ہے کنذا لک امر الایمان شیخ ایمان کی یہی شان ہے یہاں تک کہ تمام ہو جاوے۔

(۶)

هل يرتد احد منهم بخطه لدينه بعد ان يدخل فيه اُس دين من داخل هو كوكبي سب  
مرتد بھی ہو جاتا ہے کہ اُس دین میں نفرت انگیز باتیں تھیں۔ فقلت لا۔ میں نے کہا نہیں۔ ہر قتل کتا ہے۔  
كذلك الايمان حين تخالط بشائسته القلوب ايمان ريسا ہی لطيف ولذینہ ہے کہ دل کو اس  
فرحت و ابتلا ملتا ہے۔

(۷)

هل كنته تمونه بالكذب قبل ان يقول ما قال وعواي نوت سے قبل تم نے اُسے جھوٹ  
بوتے بھی ستم کیا ہے؟ فقلت لا۔ میں نے کہا نہیں۔ ہر قتل کتا ہے۔ فقد اعرف انه لم يكن  
ليذالك الكذب على الناس ويكذب على الله میں نے جان لیا کہ جس نے انسان پر جھوٹ نہیں رکھا  
وہ خدا پر کیونکر جھوٹ رکھ گا کہ اللہ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

(۸)

هل يغدر۔ وحوکا، فريب يا نفس محمد کرتے ہیں؟ فقلت لا میں نے کہا نہیں۔ ہر قتل کتا ہے۔  
كذلك الرسول لا يغدر رسول کی شان ہی ہے کہ وہ غدرد نہ کرے۔

(۹)

هل قاتلوه۔ تم سے اُنے کبھی لڑائی ہوئی؟ فقلت نعم میں نے کہا "ہاں ہوئی" ہر قتل کتا ہے  
كذلك كان قتلكم اياه اُن کے ساتھ تمہاری لڑائی کا کیا حال رہا؟ قلت الحرب بيننا وبينه  
سجال ينال منا ومنال منہ ہم میں اور اُس میں لڑائی مثل ایک ڈول کے ہے، کبھی ہم نے کھینچ لیا اور  
کبھی اُس نے۔

(۱۰)

ماذا يامرکم۔ تمہیں کیا حکم دیتے ہیں؟ قلت يقول اعبدوا الله ولا تعبدوا سوا الله  
ما يقول اباؤکم وياہرنا بالصلوة والصدق والعفاف والصلة میں نے کہا کہ وہ کہتے ہیں کہ  
صرف اللہ کی عبادت کرو اور اُس کا کسی کو شریک نہ ٹھراؤ، اور تمہارے آباؤ اجداد جو کہا کرتے تھے اُسے چھوڑ دو  
اور تمہیں حکم کرتے ہیں کہ ہم نماز پڑھیں، سچ بولیں، پارسائی اختیار کریں، اقربا سے صلہ رحم کریں۔



میں وہ دس سوالات محمد پرقل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں کہ حضرت سفیان بن حرب اس کی راوی ہیں، انہیں سے خطاب تھا اور انہیں سے کلام باقی جماعت ناموش تھی، حضرت سفیان اس وقت تک دولت اسلام سے مشرف نہیں ہوئے تھے یہ رخ کہ میں ایمان لائے ہیں اب جبکہ سوال وجواب ختم ہو چکے اور میرا جواب پر پرقل نے اپنی رائے کا بھی اظہار کر دیا تو سب آخر میں تعلیمات محمدی کو پوچھتا ہے جو اس کا دوسرا سوال ہے اور اس کا جواب پاکر یہ کہتا ہے:-

ان کان ما نقول حقا فيه ملك موضع قدحي هاتين وقد كنت اعلم انه خارج ولم  
اكن اعلم انه منكم فلواني اعلم اني اخلص اليه فليثبت لفاعه ولو كنت عند الفسك  
عن قدميه ليعني به باين جوتم نے بیان کی ہیں اگرچہ میں تو غریب وہ شخص اس جگہ کا مالک ہو جائیگا جو  
میرے قدموں کے نیچے ہے۔ میں نبی آخر الزمان کی بعثت کو تو جانتا تھا کہ ہونے والی ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ  
تم اہل عرب میں پیدا ہونگے ہر حال اگر مجھے ان کے پاس تک پہنچنے کی امید ہو تو میں ان کی زیارت کے  
لئے ضرور مصائب سفر برداشت کرتا اور اگر میں ان کے پاس ہوتا تو ان کے قدم دھوتا۔

مگر صحیح کجے پرقل نے نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و فن سے سوال کیا نہ آپ  
کے خزانہ و دولت کو پوچھا نہ لشکر و سپاہ سے استفادہ کیا، اور پھر جس سہولت سے  
فیصلہ کر دیا کہ بہت جلد وہ شخص قیصر کی سلطنت کا مالک ہو جائیگا کس طرح اس کے  
دل نے غفلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم کر کے عقیدت کا اظہار زبان سے کر دیا۔ اس نے اسی وقت  
سمجھ لیا تھا کہ جو ذات ان اظہار سے متصف ہو اور جس کی تعلیمات ایسی زبردست ہوں اس کے لئے ہر طرح  
کی کامیابی حتمی و یقینی ہے۔

اب دوسرا واقعہ سنئے۔ سب سے پہلے عار حائیں جب آپ پر وہی نازل ہوئی تو آپ نے مکان  
تشریف لا کر حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا لقد خفیت علی نفسي  
مجھے اپنے جان کا خوف ہے اس وقت مجھے وحی کے معنی سمجھنے میں نہیں آتے تھے تو اس کے ایک  
حصے سے بند لائی ہے اور وہ حضرت خدیجہ کا جواب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانے پر اپنے  
دیباچے:- قالت خديجة كلا والله ما يخزيك الله ابدا انك تصلي الرحم وتصل الكل و  
تكسب للملوم وتمتري الضيف ولعين علي ثواب الحق۔ حضرت خدیجہ نے جواباً فرمایا کہ میں



فتم اللہ کی کبھی بھی آپ کو رسوا نہ کر سکا آپ حملہ رحم فرماتے ہیں ان کے حقوق ادا کرتے ہیں انہیں عاف و درمآندہ کی آپ غمخواری فرماتے ہیں اور لوگوں کو وہ چیزیں آپ عطا فرماتے ہیں جو سوا آپ کے کسی اور سے نہیں مل سکتی، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور لوگوں کی حوادثِ خیر پر مدد فرماتے ہیں

اس حدیث کے ٹکڑے ٹکڑے کو میں نے آپ کے سامنے صرف اس غرض سے پیش کیا ہے تاکہ آپ یہ یقین کر سکتے ہو کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو کس قدر ازادان و ملیحان اس امر پر تھا کہ ایک ایسا شخص جس کی ذات میں یہ صفات پائے جاتے ہوں وہ ہرگز سرگز ذلیل و رسوا نہیں ہو سکتا، یہ اعتقاد کیا تھا جو صحیح ہے۔ تم تمام ملک کی تاریخ پڑھ کر بھی آپ ایسا شخص نہ بتلا سکو گے کہ جس میں عبادتِ حق و صدق و درستی کے ساتھ بڑے جلتے تھے اور وہ ذلیل و خوار ہوا ہو۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ کسی شر پسند شخص نے ظالم نے ایسے شخص کو اپنے جفا و ستم کے راہ میں کاٹنا تصور کیا ہو اور محض اپنے غیثِ باطنی سے اس پر ظالم کے ہوں، لیکن اس سے کیا ہوا نہ تو ذرہ برابر اس کی عزت میں کمی آئی نہ اس کے اوصافِ حمید کا پایہ ہلکا ہوا، ہاں ظالم کی یہ کاریوں میں ایک اور وجہ البتہ بڑھ گیا ہے

ننگ بدگوہر اگر کا سہ زریں کشند  
قیمتِ ننگِ نیفزاید و زر کم نہ شود

حضرت! یہ ہے وہ دہریت جس کی تعلیم کے لئے اللہ تعالیٰ نے رسول کی بعثت فرمائی ہے وہ دہر علم جس سے بحالت کی تار کیا جا رہی ہے، یہ ہیں قیادت جو انسان کو صحیح انسان بنا دیتی ہیں یہ ہے وہ توفیقِ عمل جس سے ملک آباد اور دنیا رونی پذیر ہوتی ہے جب تک اس علم سے حصہ نہ پاؤ گے انسانی زندگی نصیب نہ ہوگی

مہتِ اسلام سیرتِ نیکو  
نہ بھی جہانِ مد و مدد بخو

جب علم کے پٹھنے سے خوفِ خدا پیدا ہو معاشی کی برائیاں معلوم ہوں جذبات پر قوت حاصل نہ ہو وہ متعلق جو قدر سے ہونا ضروری ہے پایا نہ جائے تو پھر اسے علمِ حقیقی کیونکر کہا جائے گا علمِ حقیقی تو وہی ہے جس کے پٹھنے سے خشیتِ ایزدی دل میں پیدا ہوتی ہے اور یہی کیفیت دل میں پیدا ہو کہ علم و معاشی کے درمیان بطور پردہ کے حائل ہو جاتی ہے! اور یہ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک دربارِ رسالت سے لگاؤ نہ پیدا کر لیا جائے جس قدر دل میں یہ لگن بڑھتی جائیگی اسی قدر عباداتِ صحیح اور معاملاتِ درست ہوں گے۔

ایک بہترین قانونِ معاش و معاد | معاش و معاد کی جمع کرنیوالی دین و دنیا کو مزین کرنیوالی

۱۔ درمآندہ۔ بے کس، مجبور، عاجز، ناچار ۲۔ حوادث (حادثہ کی جمع) حادثے، مصیبتیں، تکلیفیں، زبانی گروہیں ۳۔ ازعان۔ یقین/بحر و اعتماد کرنا (۲) اقرار کرنا (۳) اطاعت کرنا، حکم ماننا ۴۔ ”گلیا پتھر اگر سونے کا پیالہ تو ڈالو تو (اس عمل سے) نہ تو پتھر کی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے، نہ سونے کی قدر و قیمت کم ہوتی ہے۔“ ۵۔ ”اسلام اچھی سیرت کا نام ہے، خوب صورت لباس یا کوششِ وقامت کا نہیں۔“



بجز تعلیم رسالت اور کوئی تعلیم روئے زمین پر پائی نہیں جاتی اس نیک انسان عالم میں وہ شمع (جس کے انوار میں دین و دنیا کی حسنت دکھائی دیں) وہ بجز شمع نبوت کوئی دوسری شمع نہیں ہے۔ یہ نہ صرف دعویٰ اور اور دل خوش کن باتیں ہیں بلکہ واقعات حقائق ہیں۔ اسلام سے پیشتر اور اسلام کے بعد بھی غیر مسلمین میں تم کو اس امر کے شواہد پیش کیے کہ باوجود علم و فضل بھی یاد دہان آن پر سر پا چھانگی یاد دہان کے سمجھنے میں ایسے اغلاط اُن سے ہوتے کہ جس سے دین ایک بھولناک اور ناممکن العمل ہو گیا۔ مثلاً بعضوں نے تو اے فطری کو معطل و بیکار کر دیا۔ انتہائے کمال تھا۔ اسی جماعت کو اصطلاح میں مانعہ کہتے ہیں ان میں سے کسی نے اپنا ہاتھ اپنے عرصہ صبر و استقامت کے رکھنا کہ اُس میں جھکنے کی طاقت اور گرفت کی قوت باقی نہ رہی۔ کسی نے خاموشی اختیار کر لی اور تلقین و مطاف توفیق سمجھ کر چپ سا ہو گئے۔ کسی نے طول قیام سے قدم کے اعصاب خشک کر دیے اور اس کو مجاہدہ و ریاضت سے تعبیر کیا کسی نے رہبانیت کو پاکبازی سے موسوم کیا۔ کسی نے دشت و جبل کو اپنا مسکن بنایا۔ غرض اس طرح کے خیالات اس جماعت کے ہوئے جنہوں نے دنیا میں آکر اور پرہیزگاروں کے جائز متنوع سبھی بہرہ مند ہونا اتفاقاً و تقدس کے منافی جانا۔ **قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ** کو نظر انداز کر دیا یعنی ان سے یہ کہہ کر کہ اللہ نے جو یہ اشیاء اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں انہیں حرام کرنا کر دیا۔ اس جماعت کے برعکس اک دوسرا گروہ ہے جس نے بجز حیات دنیا اور کچھ نہ جانا۔ بہتر سے بہتر مکان میں رہنا، عمدہ سے عمدہ غذا کھانا، خوبشات نفس بلا ساقط یا جو بچا جس طرح ہو سکے پورا کرنا، دولت جس ذریعہ سے ممکن ہو پھینکا اپنی زندگی کا ثمرہ قرار دیا۔ اسے اصطلاح میں لذت کہتے ہیں ان کے نزدیک انسان کی زندگی متنوعات دنیائے بہرہ مند ہونا ہی کام ہے۔ **لَا تَجْعَلُوا مَالَكُمْ دِينًا وَلَا أَوْلَادَكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ** سے غافل ہے یعنی اللہ کی یاد سے اولاد و مال بھٹیں غافل نہ کرنے پائے۔

اب اس افراط و تفریط کے مقابلہ میں اسلام کی تعلیمات کی طرف غور و حکم ہوتا ہے **وَلَا تَتَّبِعُوا هَدْيَ الْفِتْنَةِ** (جو حدیثاً جو حصہ تیرا دنیا میں مقرر کر دیا ہے اسے نہ بھول) جائز وسائل و پاک ذرائع سے جس قدر ہو سکے وہ سب انسان کا حصہ ہے۔ اسے حاصل کرنا چاہئے لیکن کہیں ایسا ہو کہ اسی حصے کی طلب میں انسان اپنی عمر کا تمام زمانہ بسر کرے اس لئے یہ ارشاد ہوتا ہے **وَلَا تَجْعَلُوا مَالَكُمْ دِينًا وَلَا أَوْلَادَكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ** فَاَتَمُّهُمْ اَوْفَكَهُمْ اَلْفَايِسِقُونَ (ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے خدا کو فراموش کر دیا۔ پھر اللہ نے بھی اپنی رحمت سے انہیں تھلا دیا اور خدا کا محبوب بنانا تو نافرمانوں کا شیوہ ہے) دیکھئے اصلاحی معائن و فلاح معاد کے لئے

۱۔ خاک دان۔ مٹی اور کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ (۲) (جازا) دنیا ۲۔ نطق۔ بولنا، بات کرنا (۳) بولنے کی طاقت، گفتگو (۳) تقریر، بکچر، خطبہ۔

۲۔ رہبانیت۔ راہبوں کی طرح عبادت، دنیا چھوڑ دینا (۲) جائز لذات کو رضائے الہی کے لیے چھوڑ دینا (۳) عیسائی عابدوں کا ترک لذات اور

زہد و پرہیزگاری کرنا۔ ۳۔ الاعراف ۳۳۔ ۵۔ المطفون: ۹۔ ۱۔ القصص: ۷۷۔ ۷۔ العنکبوت: ۱۹۔



کے لئے کیسے زیر اصول بتا دئے گئے تمام دن و رات اپنا کاروبار محنت و راحت کیا کرو۔ لیکن جب نماز کا وقت آجائے تو چو گلیں گھٹنے میں سے تھوڑا تھوڑا وقت یاد اللہ میں بھی صرف کیا کرو جس کی دی ہوئی نعمت کھاتے ہو جس کے عطا کردہ قویٰ سے کام لیتے ہو اس کی بھی توشکر گزاری چاہئے۔ یہ اصول باللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہی کا صدقہ ہے کہ دین و دنیا دونوں میں نصیب ہوئے۔ **مَنْ جَافَ الْخَيْرَ حِينَ يَلْقَاهُ فَإِنَّهُ يَكْفُرُ بِخَيْرِهِ** اگر کوئی انسان عیال و عیالت محمدی کا ایسا برفرخ پنج میں حائل ہے جس کی وجہ سے دنیا ہمارے دین کو تباہ نہیں کر سکتی دنیاداری ہمیں دنیا میں بہرہ مند ہونے سے مانع آسکتا ہے ان باتوں کو سوچو غور کرو تو ہمیں اپنے مذہب کی قدر معلوم ہوگی چوتھیں اس سے تغافل کرنے پر نہ امت ہوگی جس کا نتیجہ تمہارے لئے فرحت بخش ہوگا۔ حدود و احوال میں رہ کر جس قدر دنیا کی نعمتیں حاصل کر سکتے ہو۔ اطمینان سے کرو اطاعت و عبادت کے ساتھ جس قدر عین و آرام تمہیں مل سکے اس سے سہر کر محروم نہ رہو۔ یہ کوئی اتقا و پرہیزگاری نہیں ہے بلکہ مکرو فریب پر اسی طرح پینس کا دھوکا ہو جسے تمہیں مل زمانہ کی کوڑے تقلید کو راستہ و پیرائے کے ایک دلفریب شکل میں لا کر کھرا کر دیا ہے جسے تم کبھی علم کی شان سمجھتے ہو اور کبھی شرافت انسانی اس کا نام دیتے ہو اور کبھی حیات ابتہادی و حیات سے اسے موسوم کرتے ہو اور کبھی روشن دماغی و وسیع بینائی اس کا عنوان قائم کرتے ہو۔ ایک مرتبہ سچے دل سے لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھ کر اپنے اصلاح کی طرف تھک پڑو ہدایت خداوندی تمہیں ایک سمتی ہوئی خود اپنے آغوش میں لے لیگی اس وقت تمہیں حقیقی شرافت و سچی حریت نصیب ہوگی **بِسْمِ اللّٰهِ** پڑھو اٹھو اور اس تمام آلودگی سے اپنے دامن عزت کو صاف کر ڈالو

دلانا کے دریں کلخ مجازی  
بنی مانند طفلان خاک بازی  
بنیٹاں بال و پر و آئینہ شیش خاک  
بہر پرتا کنگرہ ایوان افلاک  
دیکھو آزادی کے معنی ہم نہیں تباہیں ذرہ ٹھنڈے دماغ سے فرصت کے وقت لے سوچنا۔

خلافت فطرت  
آزادی

انسان اگر اپنے اقوال و افعال میں اس طرح آزاد ہونا چاہے کہ جو منہ میں آئے کہے جاتے اور جس طرح جو چاہے کہے جائے تو ایسی آزادی قطع نظر نفرت انگیز ہو۔ یقیناً محال و ممکن الوجود ہے۔ اب لامحالہ کسی قواعد و اصول کا پابند ہو کر کچھ کہہ گیا یا کر گیا اس کے قول و فعل کا ایک دائرہ محدود ہو گا اور اس کے وسعت کی ایک حد ہوگی اب ذرا اسے سوچ کر دیکھو دائرہ میں جو کچھ کہے ایک انسان کہہ سکتا ہے یا کر سکتا ہے کیا اس کے وہ قول و فعل آزاد ہیں۔ ایک غائر نظر رکھو







اِنَّ مَسَلَّ رَسُوْلَكَ بِالْهَدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لَيُطَهِّرَنَّ عَلٰى الدِّيْنِ كُلَّهُ وَكَهْنُ بِاللّٰهِ شَهِيدًا۔ اس قدر بیان جو حیدر رسالت و تعلیمات اسلامی کے متعلق ہوا۔ اس سے غرض یہ تھی کہ قرآن پاک کی عظمت برہان و حجت کے پہلو سے آپ حضرت کے سامنے پیش کروں تاکہ ارباب استدلال کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ مہرب کا بازو اس حدیث کے بھی بہت قوی ہے۔ اگر تصفاً نگاہ سے کوئی قرآن کی تلاوت سمجھ کر کر جائے تو میں بہا جو اہل تشک کے خزانے اُسے ہرودہ میں ملیں گے میں نے تو صرف طالب ہدایت کے لئے ایک طریقہ بیان کر دیا ہے۔

اب فقیر کے تقریر کا صرف ایک حصہ باقی رہ گیا ہے جس کے پورا کر نیچے بعد میں اپنے ایقائے عہد سے سبکدوش ہو جاؤں گا۔ اور وہ حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال میں ہو گا جس سے آپ کا خاتم النبیین ہونا واضح و اجلی ہو جائیگا۔ گو مستند رسالت کی بحث میں بحث رسول بھی متضمن ہے لیکن اپنا دل ہی چاہتا ہے کہ اسے ایک مستقل عنوان قرار دوں۔

### (مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

انسان جس طرح ایک کامل و جامع دستور العمل کی طرح محتاج ہے اسی طرح اُسے احتیاج نصیب العین اس کی بھی حاجت ہے کہ کوئی ذات اس کی نگاہ کے سامنے ایسی ہو جس کی عمل زندگی اعلیٰ تشریح و تفصیل دستور خداوندی کی ہو۔ جس کی غلوت و خلوت کی بابت جس کے حرکات و سکنات جس کا خور و خواب خدا کے فرمان کے بموجب ہو اور اُس کی ذات پر وہ تمام واقعات گزر گئے ہوں جن سے انسان کا دو چار ہونا ثابت ہے۔ تاکہ اُس کی زندگی کے تمام شعبہ جات حیات ہمارے لئے ایک عمدہ نمونہ بن کر رہی رہی کرنے والے ہوں۔ ہم سہی ام میں کسی دوسرے کے محتاج نہ ہوں۔

تو اِنچ خاتم کے جلتے والوں سے یہ امر مخفی نہیں کہ دنیا میں کوئی ایسی ذات جو ہر طرح کے کمالات کی جامع ہو بخیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائی نہیں جاتی۔ اس میں شک نہیں کہ مختلف قرون میں مختلف با کمال اشخاص سے دنیا رونق گیر رہی ہے کسی میں شجاعت کا جوہر تھا اور کسی میں حلم و کرم کا وصف کوئی ان با کمالوں میں سلطان ذی جاہ تھا اور کوئی تمام تعلقات سے علاوہ ہو کر فانی فی اللہ باقی با اللہ کا مجسمہ۔ لیکن وہ ذات جو تمام کمالات کا مجموعہ ہو وہ تو صرف اسی تاجدارِ مدینہ کی ذات ہے۔ شریعت کی تعلیم اسی اُمتِ نواز سے تھی۔ تزکیہ نفس اسی روح پرورد کے انفاسِ قدسیہ سے تھا۔ میدانِ جنگ میں وہ ایک بڑے سپہ سالار کی صورت میں دکھائی دیتا۔

ایک جامع کمالات ذات

۱۔ فتح: ۲۸۔ ۲۔ محققین۔ مشعل، شامل، بشمول، داخل، مندرج (۲) لایا ہوا، ضمن میں لینے والا/ لایا ہوا۔ ۳۔ لایہ۔ قطعی، یقیناً، بے شک (۲) مجبوراً، ناچار، ناگزیر، ضرور، بالضرور ۴۔ ترکیہ۔ پاک، صفائی، پاک کرنا، صاف کرنا۔



اشتمالات ملک میں ایک بڑے سلطان کا تاج و زمام تھا بھی و مناسبات کو فیصلہ کرنے میں ایک بے نظیر حاکم عادل تھا۔ پھر باوجود ان تمام کمالات کے پھر بہرہ باری یعنی - تواضع - حیا - صروت - سخا - وقار - حفظ مراتب - عیادت ان سب معاصات کا علی وجہ الکمال ایک مرتفع تھا۔ اس رحمۃ العالمین کا وجود صحابہ کرام کے لئے گونا گوں کمالات کا ایک ملکہ کرم تھا جس کی زندگی کا ہر صواب ایک معبود اور قابل اور صحابہ کرام اس کے مطالعہ میں ہمہ تن مصروف تھے تو ان میں سے تم پر جو کہ وہ لوگ جن کے دل کا گناہ و عیب سے ہوتا ہے جب میدان کار زاریں اترتے ہیں تو دشمن کے لئے بجز شیش نشتر و نوک سناں ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے یہ سبق اپنے اصحاب کو پڑھایا کہ ایسے سخت بھجان و جوش میں بھی وہ جذبہ صروت کو ضائع نہ کرے ایک واقعہ سنو جب جنگ بدر کے وقت کفار کی جماعت میں ایک کافر ابو الجحزی بھی آگیا ہے۔ بمقابلہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم اس وقت جب کہ آپ کہ مخبر میں تشریف فرماتے اور کفار طرح طرح کی اذیتیں آپ کو دیتے اور اشتمالات اسلام میں گونا گوں رکاوٹیں پیدا کرتے تھے ابو الجحزی نے سکوت سے کام لیا تھا اس کی صرف اس قدر رعایت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اصرار خیال تھا کہ اس حال میں جبکہ کفار کے ساتھ وہ بھی لڑنے کو آیا ہوا تھا آپ نے اصحاب کو یہ ہدایت فرمائی کہ اگر ابو الجحزی کا مقابلہ ہو جائے تو اسے قتل نہ کرنا بلکہ زندہ میرے پاس لانا دیکر اسے آنا اس نے کہہ دیا مگر کہ وقت میرے آنا کا جو جبہ ہوا تھا یہ ایک ایسی پیش بہار صروت کی مثال آپ کے جنگ کے وقت دشمن کے مقابلہ میں قائم فرمائی۔ دوسرا واقعہ سنو۔ جنگ بدر میں جبکہ کفار کو ہزیمت ہوئی اور تفریدی اسیر لائے گئے تو ان میں ایک حضرت عباس عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے۔ قیدیوں کی مشکلیں تھیں یہی تھیں۔ آنحضرت کا نیمہ قیدیوں سے قریب تھا حضرت عباس ہندش کی سختی سے کر رہے۔ رحمۃ العالمین کا دل مضطرب ہو گیا حکم فرمایا کہ عباس کے بند کو لے کر جائیں اس کے ساتھ ہی حکم ہوا کہ تینہ قیدی میں سے ہر ہاتھ کھول دو۔ کسی کی شک نہ ہوگی اور ہر سے یہ دوسرا سبق رحمت و شفقت کا ہے فتح قوم کو یہ دوسرا دیا گیا کہ مفتوح انخاص کو اپنے ساتھ اخلاص و خوش کاوش نہ بناؤ۔ مہربانی و شفقت کو دشمن سے بھی دریغ نہ رکھو۔

ماضی صادق سے کلامِ نور تو پر خصلت و عادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محقق ایک سچہ معلوم ہوگی عربیہ امیہ اعیلیٰ انان کہ کلامِ انبیین اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بعد و سرسبزی یا رسول پر پنا محال و متعین بالذات سیرالت ایسی عادت و نامہ کہ تمام دنیا کا رسول بنا کر اللہ نے پیدا کیا کہ اس پر تو ائمہ کبار

۱۔ نزاعات (نزاع کی جمع) جھگڑا، تنازع، کھینچ تان، کشاکش، خصومت، عداوت (۲) دشمنی، پیر، عداوت (۳) فساد، شقاق، بغض ۲۔ مناقشات (مناقشہ کی جمع) باہمی لڑائی، جھگڑا، نزاع، بحث، شقاق، بغض ۳۔ مرقع - تصویروں کی کتاب، اہلم (۴) قطعات رکھنے کی کتاب (۳) کہانی (۴) جواب۔ ۴۔ گونا گوں - رنگ : رنگ / طرح طرح کا، رنگارنگ / طرح طرح ۵۔ ٹرش - کاٹ، تیزی، کاٹنا ۶۔ حرقت - بہادری، مردانگی، مردی، جواں مردی (۲) خلق، اخلاق، انسانیت، آدمیت (۳) مجازاً (۴) احسان۔



کایہ عالم کثرت حالوں میں مل کر ٹھیکہ جاتے اور فراتے مسکین جالس عند المساکین (ایک مسکین ہے جو مسکینوں میں بیٹھا ہوا ہے) تہذیب ایسی ارفع و اعلیٰ کہ تمام عمر نہ کوئی خوش نگاہ زبان پر آئے نہ کسی کو کبھی گالی دی کسی ذاتی امر کے لئے نہ کو کبھی غصہ فرمایا نہ کسی کام کا اپنی ذات کے لئے حکم فرمایا۔ ان امور کی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جبکہ اس کے ہنری رتبہ کو ذرا یاد کر لو۔ اللہ تعالیٰ یوں حکم دیتا ہے لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ (یعنی نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرو اور نہ اسے اس طرح بکار دجیا کہ اس میں ایک دوسرے کو بکارا کرتے ہو صحابہ کی حالت یہ کہ دربار راست میں اس طرح مورب بیٹھے تھے کہ جسم میں حرکت تک نہیں ہوتی تھی گویا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ مگر اس پیغمبر کی ذرہ نوازی و وسعت اخلاق یہ کہ ہر ایک کی دل دہی و دل جہنی ہو رہی ہے ایک مرتبہ دربار رسالت آراستہ ہے۔ مجلس میں اس کثرت سے صحابہ حاضر ہیں کہ میں جنس تنگ کی جگہ باقی نہیں آیتے میں ایک ایرانی آتا ہے ادھر ادھر دیکھ کر صف نعلان میں بیٹھ جاتا ہے جس سے جو اس قدر دور جگہ پالی تو اس سے تنگہ خاطر ہوتا ہے فوراً اخلاق بخیر برعکس اس تنگہ دل کی خبر لیتا ہے آنحضرت نے اپنی رذکتے مبارک اس کی طرف پھینکی اور فرمایا اے شخص تو اس کو بچھا کر واپس لے جا۔ اب دیکھ لو اگر ایک شخص دولت تربت مال مال ہے تو صف نعلان کا بیٹھنے والا بھی اپنا دماغ اس کے ہم پلا پاتا ہے کہ میرے پاس وہ چادر ہے جو عجم اطلس لپٹی رہتی ہے۔

اس وقت و تربت کے ساتھ عدل کا ایسا خیال کہ جنگ بدر کے موقع پر آپ اصحاب کی حصص مرتب مسلسل فرما رہے ہیں۔ سواد بن غزیرہ ذرا صف سے باہر نکلے ہوئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک تبر بغیر پیکان کے ہے جس سے آپ صفوں کو سیدھا فرما رہے تھے۔ سواد کو صف سے نکلا ہوا دیکھ کر آپ قہر کی لکڑی سے ایک کوٹھہ ان کے پیٹ میں دیکر فرمایا کہ صف میں داخل ہو حضرت سواد صف میں داخل ہو گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ مجھے تکلیف پہنچائی اس کا عوض دیجیے معاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کرتہ شکم مبارک سے اٹھا لیا اور فرمایا کہ عوض لے لو حضرت سواد نے شکم مبارک کو بوسہ دیا اور پیٹ گھسنے اپنے فرمایا کہ یہ کیا بات ہے۔ سواد عرض کرتے ہیں کہ آج کام کو کھت ہے غور سے دیر میں دشمن سے دست و گریبان ہونگے ہو سکتا ہے کہ یہ وقت میری زندگی کی آخری ساعت ہو۔ اس نے میری تمنا تھی کہ میرا بدن آپ جسم مقدس سے اس طرح ایک فوہ لجا جائے کہ کوئی کپڑا وغیرہ بیچ میں حاصل نہ ہو۔

۱۔ یہاں الخطاب میں مٹھوا کہا گیا۔ آپ کا رشا درگرا ہے۔ اللھم انھیں سی مسکیناً (اے باری تعالیٰ مجھے مسکینوں میں زندہ رکھ)۔ ترمذی شریف۔ رقم الحدیث ۲۲۵۲، دار السلام۔ ریش، طبع ۲۰۰۰ء..... اسلام کا آغاز غربت کے عالم میں ہوا اور عقیب وہ غربت کی طرف لوٹ جائے گا (پس خوش خبری ہے غربا کے لیے)۔ الحدیث ۲۰۰۲، الحجرات ۲۰: نعل (نعل کی حج) جو تے پاپوش ۲۰۔ روا۔ اوڑھنے کی چادر ۵۔ پیکان۔ تیر، برچی، بجالے یا نیزے کی نوک / آبی ۱۔ کوچہ / کوچا۔ نوک دار چیز بھونکنا، کی نوک دار چیز کا تھوڑا سا زخم، کچوکا۔



یہی آخری توشہ جس عالم سے میرا چوکا اپنے پیٹنگر افسیں دعا سے نیر فرمائی نہ زجر سے کہ کمال عشق خیز و کجا  
معتوق باعاش سنیزو۔ اس کشادہ دل و صل کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ اقوام عاجز ہے۔ اپنی علی ذیل  
سے اس طرح اخلاق شجقت رحم مروت عدل کاسبق دنیا کو کس نے دیا یہ مضمون جس قدر کہ وسیع ہو سکی  
دلکش بھی ہے مگر افسوس ہے کہ فقیر حسبِ نحاہ بیان کرنے سے قاصر ہے۔ آپ حضرات بھی اس وقت معاف  
فرمائیں۔ کیا کہا جائے کہ دلم خیزہ اسرار بود دست تقضا و درش بہت و کلیدش بدستانی داد۔

**غایت کمال انسانی** اب صرف ایک واقعہ مختصر آئندہ حجابوں میں گزارش کروں گا جس سے طرح طرح کے کمال  
امری آپ کو معلوم ہونگے اور وہ واقعہ فتح مکہ ہے۔ کہ مغیرہ میں رسول اللہ ﷺ  
علیہ وسلم فاتحانہ داخل ہوئے ہیں یہ وہی جگہ ہے جہاں لوگوں نے اپنی اذیت رسانی سے چین کی سانس لینی شروع  
کر دی تھی۔ بالآخر خدا کے بیت معظم سے اللہ کے رسول کو جہادی اختیار کرنی پڑی۔ قوم نے اس وقت نہ تو قرآن  
کا کیا کیا کمال شرافت خدا نانی نظریں لائی تھی نہ آپ کا اخلاق کریمانہ کا کچھ پاس کیا تھا جب آپ ہجرت فرما کر  
مدینہ طیبہ میں تشریف فرما ہوئے تو وہاں بھی المیہ انان سے پہنچے نہ دیا۔ برابر مدینہ پر چڑھ کر گئے اور معتقد ہا  
اللہ کے حبیب مقابل ہوئے۔ غزوہ بدر غزوہ احد غزوہ خندق وغیرہ اس کے شاہد ہیں۔ رسول اللہ ﷺ  
انے خالق کی عبادت ادا کرنے کی غرض سے تشریف لاتے ہیں۔ وعدہ فرماتے ہیں کہ صرف عمرہ ادا کر لینے دو فوراً  
مدینہ کو واپس چلا جاؤں گا۔ کسی امیر سے یا کسی شخص سے کسی طرح کا تعرض نہ کروں گا، گناہ گنہ گن نہیں ملتے ہیں۔ نبی  
اللہ تعالیٰ فتح عطا فرما رہے۔ شیا ملین کے تحت اوسے ٹہرتے ہیں توحید کے سربراہی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا  
حبیب دس ہزار جاہلین کی جمیعت سے داخل ہو گیا ہے۔ مجاہدین اس شان سے داخل ہوتے جاتے  
ہیں کہ کہ فریاد یا نالہ نہیں اٹھتے ہیں۔ اپنے سردار کے ساتھ ہے۔ ایک ایک قبیلہ رتیب سے گزرتا جاتا ہے۔  
کبیر و تبیل کے دل کپکپا دینے والے نعرے بلند ہو رہے ہیں۔ سب کے بعد راج الانبیاء فخر الرسل محمد رسول اللہ ﷺ  
علیہ وسلم ایسی جماعت کے ساتھ گزرتے ہیں جن میں مجاہدین و الضابطین بیچ میں آنحضرت کا نائب ہے اور  
اُس کے گرد اگر دجاں بازوں کا حلقہ سب کا لباس سبز ہے تمام و کمال اسلحہ جنگ میں مصروع ہیں خود و زور  
نے تمام بدن چھپا رکھا ہے۔ بجز آنکھوں کی تپلی کے اور کوئی حصہ جسم محمدی کھار کے شیروں کا دکھلائی نہیں دیتا  
اس شان حق کو دیکھ کر سب بہادریوں کے دل دھل گئے۔ کیلچہ کا نیسے لگا۔ جب آنحضرت مقام ذی طوی  
پر تشریف لائے تو کچھ توقف کیا۔ حمد سابق یاد آجاتا ہے۔ کفار کے مظالم کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔

۱۔ توشہ۔ زاورا۔ راستے کا خرچ ۲۔ "ایسے جرم کی پاداش میں جو شق میں انتہا کی وجہ سے سرزد ہوا ہو۔ معشوق اپنے عاشق سے کہاں لڑائی کرتا  
ہے۔" ۳۔ "میرا دل اسرار کا خیزہ تھا موت کے ہاتھوں نے اُس کا روزانہ بند کر دیا اور اس کی چابی کسی دلہا کو دے دی۔"  
۴۔ تعرض۔ مزاحمت کرنا۔ ہونا۔ حاکم ہونا (۲) روک ٹوک (مزاحمت) ۳۔ پیش آنا۔ دور پہ ہونا۔ تنگ کرنا (۴) اعتراض کرنا۔



اب جانے اس کے کہ جوش انتقام دل میں اٹھایا علو و افتخار نفس میں پیدا ہوتا نہایت تذلل و انکسار سے  
ناقص کے کجاوہ پر چاروں کا کہ ڈاکٹر سرسجد ہو جاتے ہیں۔ خدا کی جناب میں جھجھکائی ہے اور اس کے فضل و کرم  
پر شکر گزاری۔ سعد بن عبادہ کے منہ سے جوش میں یہ کلمہ نکل جاتا ہے کہ کعبہ کی تابوت و تاج حلال ہو گئی  
خدا انہیں اس کلمے سے روکا جاتا ہے اور ان سے جھٹکا ایک انہیں تو شکر میں داخل اور جھٹکا حضرت مولا  
علی کرم اللہ وجہہ کے حوالہ فرمایا جاتا ہے۔

عجز و انکسار اس فتح و قوت پر تو دیکھ چکے اب ذرا اس مقام کو دیکھو نصیب و منادی ہر طرف پھیل گئی  
جیں۔ بھارتے جاتے ہیں کہ جو مسجد حرم میں داخل ہو جائے اسے امن ہے جو مسلمان کے گھر میں چلا جائے  
اسے امن ہے جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جاتے اسے امن ہے جو ام بانی کے مکان میں داخل ہو  
اسے امن ہے جو بھتیار ڈالے اسے امن ہے غرض ایک امن کی صدائیں جو در و دیوار سے گونج رہی  
تھیں۔ اس رحمت و کرم کو دیکھ کر کفار و مشرکین کا دل بھی اٹھنڈا، جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مصافحہ پر روفی افروز ہو کر بیعت اسلام تیار اور ہدایت کی جامع نصیحت فرماتے۔  
اسی حالت میں بہتر و وجہ ابو سفیان جس کے کفر و غیظ کی شدت اس سے ظاہر ہے کہ حضرت حمزہ عجم رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کا بچا لکھ کر اس نے چایا تھا حاضر خدمت اقدس ہوئی ہے مسلمانوں کے خوف سے تمام جم  
چادہیں لپیٹ لیا تھا کہ مبادا کوئی پہچان کر حضرت حمزہ کی بیوی کے عوض کہیں قتل نہ کر ڈالے۔ لیکن رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم پر اس قدر اطمینان تھا کہ جب سامنے پہنچی تو نقاب رخ سے اٹھا دیا اور عرض کیا کہ  
میں ہندو زوجہ ابو سفیان ہوں۔ آپ کو اپنے چچا کی حالت یاد آگئی۔ اس کی جانب سے منہ موڑ لیا، اس نے فوراً  
اشہد ان کا اللہ الا اللہ واشہد ان محمد عبدہ و رسولہ بآواز بلند بڑھ چکا۔ نگہ طبع کا اس کی  
زبان سے نکلتا تھا کہ سارا ملل دل سے جاتا رہا۔ یہ ہے جوش انتقام۔ صاحبو! ان واقعات کو قصہ کی طرح  
نہ سنے۔ سوچتے غور کیجئے کہ کیا فائدہ جوش اسی کا مقصد تھا کہ اماں کی صدا پکار دی جائے۔ لوگوں  
کے مکانات و متاع و کبر سے کچھ تعرض نہ کیا جائے۔ انتہا یہ کہ اگر جوش میں بھی کوئی جملہ منہ سے کسی کے نکل چکا  
تو اس سے آزرہ ہوں۔ ایک ایسی قوم پر جس نے مدتوں مشیت ستم مسلمانوں کو بنائے رکھا جو یہ اطمینان دلانے  
کے جائیں نہ فتح سے نفس متلفذ ہوتا ہے نہ اس شوکت و غلبہ پر کچھ فخر کرتا ہے۔ وہی نیا د و بخود ہے اور وہی  
عبادت نہ دعوت کے جلے ہیں نہ جشن کی مجلس نماز کا وقت ہوتا ہے حضرت بلال اذان دیتے ہیں اور

۱۔ تذلل۔ نرم ہونا، عاجزی کرنا، فرو رفتگی کرنا ۲۔ جھجھکائی۔ اٹھا/پیشانی زرد، بیدار کرنا ۳۔ تابوت و تاج۔ بر باد آگس جس استقامت  
کرنا جملہ کر کے تباہ کر دینا ۴۔ متفق۔ اتفاق کرنے والا، چاہنے والا، خواہش کرنے والا، خواہاں ۵۔ تعرض۔ پیش آنا، بارے ہونا (۲) جھجھکنا  
۶۔ متلفذ۔ لذت اٹھانے والا، ذائقہ رکھنے والا، لطف اٹھانے والا۔



اللہ کا محبوب اپنی امت کو لیکر سب حرام میں اٹھ بیٹیں بعد کج اپنے خالق کی ناز ادا کرتا ہے یہ وہ باتیں ہیں  
کہ سننے میں حقیقت غور سے آئندہ میں غل میں آسی تندر عکرتہ الاراہیں کہ تھی دوسری مثال تم کسی قوم کی پیش  
نہ کر سکی گے یہ ملت از دستہ اور نبوت و رسالت کچھ اور یہ تجلیات ختم رسالت کی تھیں اس کا صفت بلکہ  
ملع کاری و تسلی سازی کہا کریگی ۔

دہان یار کجی تو زبان سوسن کو  
نہ ہر گلے کہ بخند مقرری داند

دور کیوں جائے حالت موجودہ کو لے لیجئے۔ اس وقت یورپ نے تہذیب کا وہ غلطہ بلند کیا کہ کتنی مسلمانوں کی اولاد ان کے اس ہنگامے میں ایسی تہ وبالا ہوئی کہ اسلامی معاشرت اسلامی لباس اسلامی صورت یہاں تک کہ اسلامی نام سے اسے چڑھ گئی۔ خواب میں بھی یورپ کا صلوہ ہے اور بیداری میں بھی کسی تصور رب جو پر کے حصص باجمہ لڑے تو تہذیب و تمدن کا جامہ ان کے جسم سے الگ ہو گیا اور ان کی وحشت اور بربریت صاف صاف ہر شخص کو نظر آنے لگی جرنی جس نے تہذیب و انکشافات علیہ میں قوم یورپ سے اپنی امتدادی کا سکہ منوالیا تھا جب میلان جنگ میں اترتا ہے تو تلچم کے ساتھ صرف اتنی بات کہ کہ جس نے راستہ دینے سے انکار کیا تھا اور اپنی خود مختاری و حقوق کو محفوظ رکھنا چاہتا تھا کیا عبرت ناک سلوک کیا۔ پھر جب امتداد کی یہ حالت ہو تو شاگردوں کا کیا پوچھنا۔ **فَاعْتَبِرْ وَايَا اُولٰٓئِہِ الْاَنْصَابِ** اب ایک نظر اپنے سپنے کے اس پر انوار حصہ زندگی پر ڈالئے جس کا تعلق محض خالق

حیاتِ محمدی کا  
ایک دوسرا پہلو

نصاری کی مدافعت، اہل دعیال کی کفالت، غرض طرح بطرح کے اہم امور روزانہ درپیش ہیں اور ہر ایک اپنی جگہ پر جہنم و جہنم پار ہے ہیں مگر کیا مجال کہ ان مصروفیتوں میں اوکھ کر صلوٰۃ و صیام میں کچھ گرانی بھی ہونے پائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ آپ کی نماز تہجد کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتی ہیں کہ فلا تسئل عن طولہن وجسہن لایزیدنہن وچھو کہ وہ کس قدر دراز اور کس قدر خوبصورت خاتون ہوتی ہیں تمام رات قیام میں بسر فرماتے اور ایک حالت ذوق و شوق میں کلام اللہ پڑھتے جلتے رات ختم ہوا صلی اور عبادت کی مناسباتی ہی رہ جاتی یہاں تک کہ قدم مبارک درم کر گئے۔ اس واقعہ کی خبر قرآن کریم

پیدا فعت - رفیعہ ایک دوسرے کو دفع کرتا، جثا ثا۔

مستشرقین کا (۲) کہ کام نہایت محکمہ کام میں ہو گیا طاعت سے ملگ جا نے والا ہے، انہما انہما طاعت کوئی کام کر نے والا ہے  
 "تو میری حاصل کردہ سے گفتگو" (الحشر: ۲)



ہوں دینا ہے طے مآثر لکنا علیک القرآن لتشقی لک تذکرۃ لمن یشتی لک رے حبیب قرآن  
ہم نے اس لئے نہیں نازل کیا کہ تم شفقت میں پڑ جاؤ یہ تو دُرِ نیالوں کے لئے ایک نصیحت ہی ہے۔

حضرت! اس پر بطف مفعول کو کہاں تک بیان کروں گے یہ سنش غایتہ دار درہ سہدی الرحمن  
پایاں۔ صرف اس قدر سمجھ لینا کافی ہوگا کہ عبارت ہی آنحضرت کی حسین بھی اور یہی آپ کا آرام تھا۔  
اس کے سوا کسی چیز میں آپ کو لذت نہیں ملتی تھی جب کبھی طبع لطیف حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکرر  
مہوتی تو حضرت بلال سے فرماتے کہ اگر چھٹی یہ بلال دلے بلال مجھے راحت پہنچاؤم حضرت بلال اذان  
دیتے۔ اس کبریا کے افعال کا نام ترتیب اذان میں شکر اس کی پر عیشی اٹھی کو عجب فرحت و انبساط ہوتا ہے  
دل زندگی شود بامیہ صال یا۔ جاں رقص می کند بسراج کلام دوست

دل میں ایک طب انجیر حقیقی سرور پیدا ہوتا اور ہر نبی موبادہ محبت اٹھی میں غمخوار ہو جاتی۔ شوق دیدار  
محب عبادت میں کھڑا کر دیتا اور وہ خدا کا محبوب و محبوب نمازیں مصروف ہو کر عالم ناسوت و ملکوت طے  
کرتا ہوا الٰہی مع اللہ وقت لادھیغی فیہ ملائکہ مقرب ولانی مرسل پر پہنچ کر مشاہدہ تجلیات  
شاہ حقیقی میں مصروف ہو جاتا اور فناغ ہو کر اپنی آنت سے فرما کہ قرۃ عینی نے الصلوٰۃ میرے  
آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ و صحابہ و بآمرک وسلم

## ختم کلام

ایسے حضرات۔ غور کرو مدید بے سرو پا زندگی کب تک۔ مہنوں و لالچنی کلیمات کا اور دکھاں تک۔ عمر  
گراں بہا کا صرف کس حد تک آؤ ہم اپنی زندگی کا کوئی مقصد قرار دیں تاکہ تیار کرنے احوال و افعال ایک  
محور پر گردش کریں جب تک اقوال و افعال کا کوئی محور قرار نہ دینگے اس وقت تک ہماری زندگیاں صحیح  
نتیجے پر نہ پہنچیں گے۔

زمین اپنے محور پر گردش کرتی ہے اس سے لیل و نہار و تغیرات موسم پیدا ہو کر طرح طرح کے عمل  
کھلتے ہیں اور کیسے عجیب و غریب فوائد ہیں اس سے حاصل ہوتے ہیں۔ پس ہمارے اقوال و افعال اگر  
ایک محور پر گردش کریں گے تو کیا ان سے مفید نتائج حاصل ہونگے؟ ہونگے اور ضرور ہونگے۔ پس

۱۔ اللہ تعالیٰ کا بارگاہ میں قرب ایک خاص ذات ایسا ہوتا ہے کہ اس میں نہ کوئی شریعت اور نہ کوئی شرک اور نہ کوئی کفر ہے۔  
الفاصلہ اکبر۔ تم بطریق ۳۶ ص ۵۸، طبع اقبال ہزار الکتب المطبعیہ۔ بیروت، ۱۹۸۷ء  
۲۔ مہنوں (مہنوں کی طرح) بیہودہ اور توہماتیں۔ ۳۔ گراں بہا۔ بہت قیمتی، بیش قیمت۔

۴۔ کشف الخفاء، حصہ دوم، ص ۳۳، طبع ۱۳۵۹ھ، دارالاجیاء، ترائس، کراچی  
۵۔ سنہ ۱۳۵۹ھ، طبع ۱۳۵۹ھ، دارالاجیاء، ترائس، کراچی

۶۔ طہ: ۳۴: ۲ (مصرع) ۷۔ نہ آپ کے حسن کی کوئی حد ہے اور نہ سعدی کی بات کا کوئی انجام۔ ۸۔ مکرر (کتابی) غلٹیں، بے تجدید  
۹۔ نہا بسلام اَوْ خُتْمًا بِالصَّلٰوة۔ سند احمد بن حنبل، احادیث رجال من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث ۳۳۲۷/۵، ۳۶۵، بیت الافکار  
قدوسیہ۔ اردن، ۲۰۰۳ء، ص ۱۶۹۹ ۱۰۔ کبیر التخال۔ خدائے بزرگ و برتر۔ ۱۱۔ ”محبوب کے وصال کی امید سے دل زندہ ہو جاتا ہے۔“

۱۲۔ کھلتے ہیں اور کیسے عجیب و غریب فوائد ہیں اس سے حاصل ہوتے ہیں۔ پس ہمارے اقوال و افعال اگر ایک محور پر گردش کریں گے تو کیا ان سے مفید نتائج حاصل ہونگے؟ ہونگے اور ضرور ہونگے۔ پس



اب ہمیں ایک محور تلاش کرنا ہے مگر اس کی تلاش میں ہمارا زیادہ وقت راٹھال نہ ہوگا۔ اس لیے کہ ہم کو یہ معلوم ہو جائیگا کہ ہمارے پیغمبر دینی فدا کرنے کو سنا سچ اپنی حیات کا قرار دیا تھا تو ہم نہایت سہولت سے اس کا میاب ہو جائیں گے۔ اور ان شریف ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک کا یہ محور بنانا ہے۔  
 قُلْ اِنْ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ کہدو لے میرے محبوب کہ میری نمازوں کا پھوٹنا عبادتوں کا کرنا یہاں تک کہ جینا اور مرنے کا سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام عالم کا رب ہے۔ عاشقی و اندھ بے دل و جاں زسبتین + جان و دل در با حق ہر ہوسے جانان زسبتین۔

پس معلوم ہو کہ اگر کئے تمام اقوال و افعال اس محور کے گرد چکر لگائیں تو زبان بھی آفات سے محفوظ اور جوارح بھی ہر معصی سے امن میں رہ سکتے ہیں۔ خدا کو حاضر و ناظر جانو۔ پھر جو چاہو کہو اور جو چاہو کرو اور جہاں چاہو جاؤ۔ یہود خیال ہے اور اس کا ایسا تصرف ہے کہ تمہیں لغو و بے سودہ اقوال و افعال سے اُس حال میں بھی باز رکھیں جس حالت میں کسی قانون بشری کی نگاہ یا اس کا پیچہ گرفت تم تک نہیں پہنچ سکتا ہوگا۔ زبردست سے زبردست قانون زبان و اعضا کو ارتکاب جرائم سے البتہ باز رکھتے ہیں اور ان پر حکومت کر سکتے ہیں۔ لیکن دلوں پر حکومت کرنے والا اور معاصی کی دنیا و قلبت زائل کرنے والا تو صرف خدا ہی کا خوف اور امتیازی یاد اور اسی کا نام ہے۔ پس لے دو دستور۔ صدق و اطلاق سے لٹھیت کو اپنی زندگی کا محور قرار دو اور بے شکلی نہایت کامیاب شاداں و فرمان اس دارالجن سے سفر کرنا تو باس سے زیادہ کیا کہوں۔

گفتگو آئین درویشی نہ بود

ورنہ باتو اما ہر ادا شتم

اے دل گلشنِ اسلام کیا ہوئی تیری وہ بہار جس نے اپنے فیضِ کرم سے خار دار چھو کر لا لہرا کر دیا تھا؟ سوکھی کلیاں بہائے جاناں کی طرح تر و تازہ پیکھڑیاں نکال لاتی تھیں ہر شاخِ نخلِ امت پر خوشگوار سے بار دہتی تھی، اور ہر برگ ایک ایک برگ میں لاکھوں چشمے سرسبز کی امانت رکھتی تھی، تیری باوجود یورپ کی نسیم سحر سے کہیں بڑھ چڑھ کر خدمتِ مہیا انجام دیتی تھی، اس کا ایک جھونکا چھوٹا سرستہ کو کھلا دیتا تھا۔ اب وہی تو ہے وہی تیرے مرغانِ طرب کی صدائیں، لیکن نہ کوئی کان اُن کو سنا سکتا ہو اور اگر تیرے نہ کوئی دماغ اُن سے راحت پالے بغیر عقل کو حیرت ہے اور ذہن کو جگر کہ آخر دیکھتے دیکھتے یہ رنگ چمن کیونکر بدلا، باغبانی کی خدمت جن کے قبضہ قدرت میں دی گئی تھی وہ کیوں پھرتے

غلی - کچھ کارکردگیاں (۲) عارفانہ ایذا لہو ۵۔ باتو کرم بہت کر رہا ۵۔ تیرے کوئی چیز نے اور دست دے گا ایک آری کھادی (۲) ایک تھی

۱۔ خود وہ جس پر کوئی چیز چھوے یا گردش کرے (۱) آ (۲) (۱) اطلاعِ علم نیست (۲) وہ فرضِ خطا جس کے گرد زمین گردش کرتی ہے۔ ۲۔ الانعام ۱۴۲

۳۔ "جانتے ہو کہ عاشقی کیا ہے؟ بے دل و بے جاں زندہ رہنا، جان و دل ہار جانا اور محبوب کی خوشبو پر زندہ رہنا۔" ۴۔ جوارح (چارہ کی جمع)

آدی کے ہاتھ پاؤں، زبان اور دوسرے اعضا۔ ۵۔ دارالجن (جن جنت کی جمع) اجتماعات و مصائب، کھول، ٹکھنوں، بلاؤں کا گھر

کہ اول و بعد اس کوئی شے نہیں دیکھتے چاہئے پر تے دیکھتے ہیں۔ قرآنی تہیوں کی نہیں اسی طرح چاروں  
 پر یہ سب طلب العشق و الخشوع کی رشتہ نگاریں۔ احادیث کریمہ سے جو اسی طرح ہرگز نہیں دراق اسے  
 وائے ایک تھوڑی ہی دنیا میں۔ فقہ کے مسائل اسی طرح حاجت روا، لیکن تو میں مجاہد کے ہاتھوں جھٹکانی  
 کے فکار، تصوف کے حکمت، ماب راہ کے وسط اسی طرح مشعل کی ایک مگر علوم جدیدہ کی بھولی پیمانی کی  
 بدولت آئندہ کا دھیر علم کلام حل مشکلات فلسفہ میں مخزن حکمت و عقل عمل و عقیدہ سے دفتر پارہ میں سنا  
 تیرے رفیق نہیں آتا تیرے علمار ہیں۔ نہ پوریہ میں تیرا جلوہ نہ مشد میں تو روش و غش۔ انوس اسے

اے صبا مایہ سودا نہ تو داری و نہ من  
 برے آں زلف چلیا نہ تو داری نہ ذرہ

الحمد للہ فخرنا بالخیر و اختلنا بالخیر و اجعل عواقب امورنا بالخیر سیدنا الخیر  
 انہ علی کل شیء قدیر و صلی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہو الاول و الاخر و الظاہر و الباطن  
 و ہدیٰ الی الخیر

ختم کرا بقول

فقیر محمد سلیمان اشرف عسی عنہ  
 قصہ بہار۔ محلہ مسعوداد



CALL No.

۸۹۱۲۲۳۵  
۹۸۳۹۵

ACC No.

۱۳۷۶۳

AUTHOR

سلیمان الشرف

TITLE

الخطاب

۸۹۱۲۲۳۵

۹۸۳۹۵

۱۳۷۶۳

سلیمان الشرف

الخطاب

Date	No.	Date	No.
1291003	1291003		

KEPT AT THE TIME



# MAULANA AZAD LIBRARY ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

## RULES:

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of Re. 1-00 per volume per day shall be charged for text-books and 10 Paise per volume per day for general books kept over-due.

کتاب خانہ مولانا آزاد علی گڑھ کے ذخیرہ میں نسخہ الخطاب کے اجراء کارڈ کا عکس

## بہ زبانِ ناشر

۱۸۵۷ء کے کٹھن اور پُر آشوب دور کے معا بعد اسلامیانِ ہند کو اپنے ملی وجود کو درپیش سخت اور نازک چیلنج سے نبرد آزما ہونے اور مسلم قوم کی نشاۃ ثانیہ کے لیے سرسید احمد خان نے اس عظیم خدمت کا بیڑا اٹھایا اور انقلاب بذریعہ تعلیم کا نعرہ بلند کیا۔ سرسید کی تعلیمی تحریک کا اولین عملی قدم مڈن ایجوکیشنل کانگریس کا قیام تھا، جس کا نام بعد میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس ہو گیا تاکہ لوگوں کو آل انڈیا نیشنل کانگریس سے اس تنظیم کی الگ اور منفرد حیثیت کا احساس ہو۔

کانفرنس کے اجلاسوں کی صدارت سربراہ آدرہ ماہرینِ تعلیم نے فرمائی۔ سالانہ جلسوں میں کی جانے والی تقاریر اور ہر خطبہ اپنے قومی نقطہ نظر کے علاوہ جہاں ایک طور سے صاحبِ خطبہ کے نہاں خانہ دل کا مجملہ آئینہ اور رجحانات کا ورق کشادہ ہوتا وہیں ان اجلاسوں میں قوم کی ترقی کی تدبیریں سوچی جاتیں، اور قابلِ عمل تجاویز مرتب کی جاتیں، متفرق اور منتشر قوم کو منظم اور مجتمع کرنے کے لیے غور و خوض ہوتا۔ باہمی صلاح و مشورہ سے قوم کی ترقی کا سیدھا راستہ نکالنے کی سعی کی جاتی۔

اس صدارتی خطبہ میں قوم کو یاد دلایا گیا تھا کہ جب تک عورتیں تعلیم یافتہ نہ ہوں گی بچوں کی تعلیم و تربیت معقول طریقہ سے نہ ہوگی، کیوں کہ تعلیم کی ابتدا آغوشِ مادر سے ہوتی ہے۔ چند سال کی پیہم تبلیغ و ترغیب کے بعد مسلمان تعلیم نسواں کی ضرورت کا دم بھرنے لگے۔ یہ شاید حالات کا جبر اور بعض اہل وطن کی تنگ نظری کی وجہ سے ملازمت کے دروازے مسلمانوں کے لیے بند ہونے کے خطرہ کے باعث صنعتی و تجارتی تعلیم کے حاصل کرنے کی ضرورت بھی مانی جا چکی تھی۔ ورنہ یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ اگر مسلمان صنعت و حرفت پر متوجہ نہ ہوئے تو وہ کسبِ معاش کے زرخیز



وسائل سے محروم رہ جائیں گے۔

تعلیمی کانفرنس کے زیر اہتمام پڑھے جانے والے خطباتِ صدارت جیسا کہ گزشتہ صفحات میں آچکا کوئی چالیس سالوں (۱۸۸۶ء تا ۱۹۲۵ء) پر محیط ہیں۔ آج سے نوے (۹۰) سال قبل شائع ہونے والے خطبات کی اہمیت و افادیت اور قدر و قیمت کیا ہے؟ اور مسلمانوں کی تعلیم پر بتدریج ان کے کیا اثرات مرتب ہوئے!!..... یہ آپ ’خطباتِ عالیہ‘ کے مقدمہ نگار فاضل ندوہ مولانا محمد اکرام اللہ خاں صاحب کی زبانِ بلاغت نظام سے سنئے۔

”آپ ان خطبات کا غور سے مطالعہ کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ تعلیم کے متعلق کتنے جدید مسائل پیدا ہو گئے اور ملک کی سیاسی و اقتصادی حالت نے مسلمانوں کی تعلیم پر کیسا زبردست اثر ڈالا ہے یہ چیزیں آپ کو کسی دوسری کتاب سے معلوم نہیں ہو سکتیں لہذا اس پہلو سے بھی خطبات کا مطالعہ مسلمانوں کے لیے مفید و سودمند ہے۔“

کانفرنس کے سالانہ اجلاس متحدہ ہندوستان کے مختلف صوبجات میں علی گڑھ، لکھنؤ، لاہور، الہ آباد، دہلی، شاہ جہاں پور، میرٹھ، کلکتہ، رام پور، مدراس، آگرہ، بمبئی، ڈھاکہ، راولپنڈی اور دیگر مقامات پر جن صاحبانِ علم و حکمت کی صدارت میں انعقاد پذیر ہوئے، کے بارہ مولوی انوار احمد زبیری (مارہروی) رقم فرماتے ہیں۔

”جن باوقار لوگوں نے کانفرنس کے جلسوں کی صدارت کے فرائض انجام دیئے ہیں وہ اپنی مختلف النوع قابلیتوں اور اوصاف کے لحاظ سے اپنے اپنے دورِ زندگی میں اس پایہ کے بزرگ تھے اور ہیں جن کا مرتبہ نہ صرف علمی حیثیت سے بلند نظر آتا ہے بلکہ ان کی اصابتِ رائے اور ان کی قومی ہمدردی کی وجہ سے بھی خواہاں قوم کے سربراہ اور وہ طبقہ نے اُن کو منصبِ صدارت پر منتخب کر کے عملاً اُن کے فضل و کمال کا اعتراف کیا۔“ (دیباچہ: خطباتِ عالیہ، حصہ اول)

ان خطبات میں خطبہ صدارت مولوی سر رحیم بخش (۱۹۱۴ء) ایک نمایاں اور قابل ذکر حیثیت کا حامل ہے۔ جس کی اہمیت اور افادیت اس کے مندرجات پڑھنے کے بعد ہی سمجھی جاسکتی ہے۔ ہم کوئی تبصرہ کیے بغیر یہ کام قارئین کرام پر چھوڑتے ہیں۔

ناشر



# خطبات عالیہ

یعنی

آل انڈیا مسلم کونسل کانفرنس علی گڑھ کے

پہلے سالہ خطباتِ صدارت کا مجموعہ

حصہ دُوم

(از اجلاس بست و یکم تا اجلاس سی ام)

جس میں ہر معزز صدر کے قابل مطالعہ سبق آموز حالاتِ زندگی مع فوٹو کے چھاپے گئے ہیں

مُرتبہ

مولوی انوار احمد صاحب زبیری (مارہروی)

حساب الشاد جناب اب صدیار جنگ بہاؤ مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شہوانی

آزیری سکریٹری آل انڈیا مسلم کونسل کانفرنس

باہتمام محمد تقی خاں شروانی

میں مسلم نو سوری پریس علی گڑھ میں طبع ہوئے

(صدر دفتر کانفرنس نے تصدیق کی ہے)

بار اول

عکس سرورق: خطباتِ عالیہ حصہ دوم مرتبہ مولوی انوار احمد زبیری، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۳۸ء

(۱۰۰۰ جلد)

# اجلاس سب سے

(منعقدہ راولپنڈی ۱۹۱۲ء)

صدر مولوی حاجی سر رحیم بخش صاحب خان بہادر کے سی آئی اے  
پریسیڈنٹ کونسل آف ریجنل ریاست بھاول پور  
حالات صد

مولوی سر رحیم بخش ان منتخب افراد قوم میں سے ہیں جو اپنے زور بازو سے اٹھ کر اعلیٰ مدارج کے ان بلند درجوں پر پہنچے جن کی آرزو بڑے سے بڑے نام اور شخص کے دل میں پیدا ہو سکتی ہے۔ وہ نسل اور قومیت کے لحاظ سے ”راجپوت“ مسلمان ہیں جن کا ابتدائی نشوونما ان کے اپنے وطن موضع (ٹٹکہ میران جی) ضلع کرناں میں ہوا اپنے وطن کے وزیکو لہ مدرسہ میں وہ ٹیچر کے لئے بیٹھے اور ڈل پاس کر کے پانچ روپیہ کا وظیفہ قابلیت حاصل کیا جس کے بعد نارل اسکول ڈلی میں داخل ہوئے اور درجہ بدرجہ اپنے تعلیمی معیار کو بلند کر کے نوکری کرنے پر مجبور ہوئے۔ ۱۹۰۷ء میں ان کو مدرسہ کی ملازمت ملی جن کی ابتدائی تنخواہ پندرہ روپیہ ماہوار تھی۔ ۱۹۱۲ء میں ترقی کر کے چیف کالج لاہور کی صدر مدرس پر پہنچے۔

ان کی زمانہ مدرسہ میں سابق ہزبائیں نواب صاحب مرحوم بھاول پور چیف کالج میں زیر تعلیم تھے۔ نواب صاحب کے لئے ایک لائین مصاحب کی تلاش تھی مولوی صاحب کے اوصاف نے ان کے لئے اس منصب کی سفارش کی جو مصاحبت کے بعد ۱۹۱۲ء میں ہزبائیں کے ایڈی کاٹنگ مقرر ہو گئے۔



کی ملازمت سے وابستہ ہو گئے اور پانچ برس تک پوری وفاداری اور قابلیت کے ساتھ  
 شہداء میں اس ملازمت سے سبکدوشی حاصل کی مدت ملازمت کے لحاظ سے وہ مستحق  
 پینشن نہ تھے لیکن ان کی عمدہ خدمات نے خاص پینشن کا مستحق بنا دیا تھا کچھ  
 عرصہ تک وہ اپنے وطن میں خانہ نشین رہے اس کے بعد ضلع مظفر نگر اور کرناٹک کی ریاست  
 منڈال کے منیجر مقرر ہو گئے اور سلسلہ ع سے سلسلہ ایک فرائض منیجری انجام دے رہے  
 تھے جو اس دوران میں ہربائیس نو اب صاحب بھاول پور نے دوبارہ یاد کر کے پرائیویٹ  
 سکرٹری کی خدمت پر طلب کر لیا، اور ایک سال کے اندر ریاست کے چیف جج مقرر ہوئے  
 اور پھر سلسلہ میں فارن سکرٹری کے عہدہ پر متاثر کئے گئے۔ انھوں نے اپنی محنت،  
 دیانت، وفاداری اور اعلیٰ درجہ کی قابلیت انتظامی کے لحاظ سے اور اپنے مضبوط  
 گیر کٹر کی وجہ سے اپنے اعتبار اور وقار میں حیرت انگیز ترقی کی یہاں تک کہ جب جج  
 کا انتقال ہوا اور ریاست میں انتظامی کونسل کا تقرر گورنمنٹ پنجاب کے زیر نگرانی عمل  
 میں آیا، تو سلسلہ میں کونسل آف رجنسی کی صدارت عظمیٰ کا عہدہ آپ کو پیش کیا گیا۔  
 جنھوں نے برسوں اس عہدے کے اہم فرائض کو اس وقت تک جب تک کہ رئیس حال  
 با اختیار نہ بنائے گئے پوری خوش اسلوبی پوری وفاداری اور اعتماد باہمی کے ساتھ  
 انجام دینے کی کامیاب اور نیک نام کوشش کی۔ ایک طرف برٹش گورنمنٹ کے اعلیٰ حکام  
 نے ان کی خوش انتظامی تدبیر کو تسلیم کیا تو دوسری طرف وہ رئیس اور ریاست کے چوسے  
 وفادار اور خیر اندیش ثابت ہوئے۔ اور وہ ہمیشہ اپنی بڑی ذمہ داریوں کے مقابلہ میں  
 رئیس، رعایا اور حکام کی نظروں میں اعتبار اور عزت کی نظر سے دیکھے گئے انھیں خدشات  
 جلیلہ کے اعتراف میں سلسلہ میں ان کو سی، آئی، ای کے خطاب سے گورنمنٹ انگریز  
 نے سرفراز کیا۔

سلسلہ میں گورنمنٹ آف انڈیا کے سنٹرل سیلٹی بورڈ میں بطور ایک مسلمان ممبر کے  
 آپ کا تقرر ہوا اور جنگ عظیم کی خدمات کے صلہ میں جو ریاست نے انجام دی تھیں ۱۹۱۹ء  
 میں کے سی آئی ای بنائے گئے اس کے علاوہ متعدد اسناد و تمغجات و نشانات اعزاز  
 بہت سے مواقع پر برٹش گورنمنٹ سے حاصل کئے اور اب زمانہ و راز کے بعد خدمات ریاست  
 سے جدا ہو کر بحصول پینشن و افعام خاص مختلف ملکی و قومی خدمات میں حصہ لے رہے ہیں۔

انھوں نے ہمیشہ سادہ اور عملی زندگی کو اپنا نصب العین قرار دینے کی کوشش کی وہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان کی حیثیت سے پابند مذہب اور بااخلاق مسلمان ہیں۔ جب وہ ریاست با اختیار اور ذمہ دار حاکم تھے اُس وقت سے مختلف علی انسٹی ٹیوشن اور قومی درس گاہیں اُن کی روشن خیالی و فراع قلبی اور ہمدردی کی رہین منت ہیں اور میں گی وہ آج اُس جفیس کالج لاہور کی مجلس انتظامی اور کونسل کے رکن ہیں جس میں کبھی ان کی حیثیت ایک معمولی مدرس کے درجہ پر تھی وہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی کورٹ و کونسل کے ممبر اور انجمن حمایت اسلام لاہور کے لائف ممبر ہونے کے علاوہ انجمن ترقی تعلیم مسلمانان امرت سر کے صدر ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی کی زندگی میں مرحوم کی تحریک کوشش سے پچاس ہزار کا سب سے بڑا عطیہ مجلس ندوۃ العلماء کی جامعہ کو دارالعلوم ندوہ کی تعمیر میں بھاول پور کی محل سرشاہی کی جس خاتون محترم نے عطا کیا تھا وہ آپ کی اس عملی دل چسپی کا نتیجہ تھا جو آپ کو اس مذہبی علمی مجلس اور اس کے دارالعلوم کے ساتھ ابتدا سے کار سے آج تک مسلسل طور پر وابستہ کئے ہوئے ہے آل انڈیا مسلم یو کیو کیشن کانفرنس و دیگر مجالس ہائے قومی کی صدر نشینی کی عزت بھی رہا ان کو مل چکی ہے۔

چنانچہ ۱۹۱۴ء و ۱۹۱۶ء کے اجلاس ہائے کانفرنس منعقدہ راول پنڈی و خیبر پور اسٹیٹ میں وہ دو مرتبہ صدر بنائے گئے اسی طرح ۱۹۱۶ء میں بمقام لکھنؤ اجلاس ندوۃ العلماء کی صدارت فرمائی ۱۹۲۳ء و ۱۹۲۶ء میں انجمن مسلم ہندوستان پنجاب کی انجمن کے صدر تھے۔ آل انڈیا تنظیم مکیٹی کے عارضی طور سے اور آل انڈیا تبلیغ الاسلام کے مستقل صدر ہیں۔

سال گزشتہ میں اضلاع اودھ اور مالک متحدہ اگرہ کے اکثر مشرقی اضلاع کا تنظیم کمیٹی کے سلسلہ میں سلسلہ طور پر کئے جیسے آپ نے دورہ کر کے قوم کو دعوت علم و عمل دینے کی کوشش فرمائی ہم نے بہت سے قومی کام کرنے والوں کے جوش و عمل کو دیکھا ہے قومی خدمت کے لئے پیرائے سال میں اس عظیم جفاکشی اور شہر شہر مہینوں دورہ کرنے کی جو مثال انھوں نے پیش کی ہے یہ مثال ان جیسی حیثیت کے لوگوں میں نظر نہیں آتی غرض بہترین اخلاق اور خصائص عملی کے لحاظ سے سر موصوف کا کارنامہ حیات قومی ہمدردی "سیلف ہیپ" اور خود داری کے لحاظ سے قوم میں ایسا زندہ نمونہ ہے جو ہر لحاظ سے قابل تقلید اور لائق عمل ہے۔



## خطبہ صدارت

خواتین و حضرات! ایسے لمحے بھی انسان کی زندگی میں آتے ہیں جب کہ اس کے کام یا مقررہ کی انجام دہی کے متعلق جو اس پر عائد ہوتا ہے اپنی دماغی ناقابلیت کا سب سے زیادہ احساس ہوتا ہے۔ اس وقت میرے اوپر بھی ایسا یا تقریباً ایسا ہی احساس غالب ہو۔ یہ پنڈال جو سید احمد جیسے نیک ہما و وفاق و فرزانه، نواب حسن الملک جیسے روشن دماغ فصیح و بلیغ، رائٹ آنریبل سید امیر علی جیسے برگزیدہ قرند ہند و ممتاز مقنن، مولوی نذیر احمد صاحب جیسے جید عالم، نواب عہد الملک جیسے فاضل و اہل الرائے اور ہمارے پنجاب کے نوز قوس آنریبل مشر شاہ دین جیسے ممتاز رجح کی فصاحت و بلاغت سے گونجتا رہا ہو بلا اظہار تصنیع گل سے اس شخص کے لئے جگہ ہو سکتی ہو جس کی مصروفیات زندگی ایک دوسرے دائرہ اور ایک مختلف احاطہ میں رہی ہوں جب اُن معیاروں کا خیال کیا جاوے جن کی بناءً آپ کے بہت سے صدر نشین منتخب کئے جا چکے ہیں جن میں سے صرف چند کا میں نے نام لیا ہو تو میں خیال کرتا ہوں کہ آپ کا یہ انتخاب کوئی خوش گوار انتخاب نہیں ہو۔ یہ صحیح ہے کہ میں بھی کالج کا ایک ٹرسٹی ہوں اور میرا تعلق کبھی کسی زمانہ میں کسی نہ کسی طرح پر تعلیمی تحریکات سے رہا ہے لیکن نفس الامر میں میرا تعلق بیک لائف سے نسبتاً کمتر طرز کار رہا ہو۔ ممکن ہے کہ آپ حضرات نے یہ خیال کیا ہو کہ ایک ایسے شخص کے خیالات و آرا کو معلوم کریں جو آپ کے حلقہ سے باہر کا ہو، اور میرا گمان ہے کہ آپ کا یہ انتخاب ممکن ہے کہ کسی جدید اور غیر معمولی توجہ اور لحاظ کی بنا پر ہوا ہو، اور آپ کو یہ خیال پیدا ہوا ہو کہ ایک تماشائی یا اکھاڑے سے باہر کا شخص بسا اوقات اُس شخص سے بہتر طور پر کھیل کا انداز لگا سکتا ہو جو خود کھیل میں شامل ہو۔

صاحبان! اگر آپ کا ایسا ہی خیال ہو تو میں اس عزت افزائی کے لئے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جو آپ نے اپنی انجمن کا صدر نشین منتخب کر کے مجھے بخشی ہے گو میں یہ عہد سس کرتا ہوں کہ اس ذمہ داری کے بوجھ سے میں دبا جاتا ہوں جو قدر شاہ محمد پر عائد ہوتی ہو

بالبیقین میں اس کو ایک اعلیٰ اعزاز تصور کرتا ہوں کہ آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس کی صدارت قبول کرنے کے لئے مجھ سے ارشاد کیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی اس کے میں یقین دلاتا ہوں کہ میں کبھی اس جگہ، کم از کم اس حیثیت میں، حاضر نہ ہوتا اگر مجھے کوشش تھرہ کی بنا پر یہ معلوم نہ ہوتا کہ مسلمان سامعین ایک ایسے شخص کی تقریر کو کس تلمظ آمیز طریقہ پر سنتے ہیں جس کی دماغی قابلیتیں خواہ کتنی ہی کم کیوں نہ ہوں لیکن یقین جاسے کہ اس کے دل میں ملک اور قوم کے مشترکہ مقصد کو محسوس کرنے میں ان حضرات میں سے کسی سے کم ٹرپ نہیں ہے جن کے اساتذہ گرامی اس طولانی اور ممتاز فرسٹ میں شامل ہیں جنہوں نے گزشتہ مواقع پر اپنے اجلاسوں کی کارروائی کی رہ نمائی کی ہے۔

اکابرین قوم کا اثر افسوس ہے کہ ان اکابر میں سے جو مسلمانان ہند کی شاہ راہ تیار کرنے والے اور "صد ہا قرون کے معلمین" تھے ہم سے جدا ہو گئے۔ لیکن ان کا اقتدار اب تک قائم رہا اور عرصہ دراز تک قائم رہے گا، تاکہ منازل الحیات میں وہ ہماری رہ نمائی کرے، ہمیں روشنی بخشنے اور ہماری ہمت افزائی کئے۔ داغ بیلیں جو وہ لگا گئے ہیں اور یادگاریں جو وہ چھوڑ گئے ہیں بکثرت ہمارے سامنے موجود ہیں اور ان سے ان کی ذکاوت اور ذہانت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

**جنگ** | اسے حضرات! ہم آج ایسے زمانہ میں مجتمع ہوئے ہیں جب کہ ہمارے سروں پر ایک مصیبت کبریٰ کی گھاٹ چھائی ہوئی ہے۔ جنگ جو یورپ میں ہو رہی ہے وہ بلاشبہ ایسی جنگ ہو گی کہ جس کی نظیر تاریخ کے صفحات میں نہیں ملتی۔ گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کو ہم لفظ "تمدن و تمدن" سے موسوم کرنے کا اشتیاق رکھتے ہیں وہ ایسی کم زور و زاطاقت شے ہے کہ وہ اس جوہ الارض کے طوفان اور حملوں کو نہیں روک سکتی جو آزمائش فیہ میں کسی نہ کسی شکل میں تباہ کن جنگوں اور حملوں کا باعث ہوا کرتی تھی۔ نہ تو اس کا یہ موقع ہے اور نہ وقت کہ ان اسباب پر پوری پوری بحث کی جاوے جو اس جنگ کا باعث ہوئے ہیں۔ یہ اسباب نہایت کثیر اور مختلف النوع ہیں، اور میں یہ عرض کرنے کی جرات کروں گا کہ ایک تعلیمی مجلس ہرگز ایسی جگہ نہیں ہے جہاں ان کے متعلق کوئی مطول و مبسوط بحث کی جاسکے۔ لیکن بحیثیت ایک ایسے شخص کے جس نے قدیم طرز کی روایات میں پرورش پائی ہو میں اپنی اس رائے کے اظہار کی جرات کرنا چاہوں گا جس کو میں ایسے گہرے یقین اور عمیق اعتقاد کے ساتھ محسوس کرتا ہوں



جو حد بیان سے باہر ہے کہ زمانہ حال کی تہذیب کی سب سے بڑی خرابیاں اس کی "ادیت" کے منہر کا غلبہ اور تمام دیگر خیالات پر مطلب پرستی کے قابل اعتراض عقیدے کو ترجیح دینا ہے۔ ہر ایک تعلیمی تحریک کی پائیداری اس کی مذہبی رنگت ہے۔ ہمارے مادہ مشرقی خیال کے مطابق کوئی تعلیم مکمل نہیں ہوتی، تا وقتیکہ اس کی بنیاد انسان کے عقائد مذہبی پر نہ رکھی گئی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں لوگ مادہ پرستی کی طرف اندھا دھند اوڑھے ہوئے ہیں دوڑ پڑے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس بات سے مدبران مشرق و مغرب ڈرتے اور خوف کھاتے تھے آخر کار وہی پیش آئی اور آتش جنگ نے خوف ناک طور پر افروختہ ہو کر خدائے زمین کی لعلہا قی مبارک کو تسنہس کر دیا۔ گو یا معلوم ہوتا ہے کہ ہم صبح کے اُس روایتی ہزار سالہ زمانہ سے جس کو انگریزی شاعر نے ویل کے دو مصرعوں میں ظاہر کیا بڑا ہی قدر رسید ہیں جتنے کہ پہلے کبھی تھے ۵

”جیکہ مجلسِ نبی نوع انسان اور تمام عالم کے اتحادی دربار میں جنگ و جدل کے علم کھل جائیں گے“

لیکن اس امر کے تسلیم کرنے میں کلام نہیں ہو سکتا کہ اس عظیم الشان تباہی و بربادی کا حقیقی باعث جرمینی کا اصول جنگ پرستی ہے اور لکھو کھا جی نوع انسان کی زندگیوں کی بے رحمانہ تباہی و قتل و غارتگری کی ذمہ داری خدا اور بندوں کے سامنے مرنے والی جرمینی ہی پر ہے۔ انگلستان کو اگر اس خوفناک غارتگری میں شرکت کرنا پڑی ہے تو اپنے تحفظ حقوق کے لئے اور اس لئے کہ اپنے روایات قدیمہ کی بنا پر اس کو کمزوروں کی حمایت میں جنگ کرنا اور نبی نوع انسان کے مقصد انصاف کی پشت پناہی کرتا ہے۔

انگلستان کا مقصد بدقسمتی سے اس مصیبت (جنگ) نے ایک مختلف شکل اختیار کی ہے کہ مبنی بر انصاف تھا۔ ٹرکی نے نا عاقبت اندیشانہ طور سے اپنی قسمت جرمینی و آسٹریا کے ساتھ وابستہ کر دی ہے جو انگلستان اور اُس کے حلیفوں کے ساتھ برسرِ پیکار ہیں۔

صاحبو! اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ یہ معاملہ نہایت ہی پیچیدہ ہو گیا ہے اور مسلمانان ہند کے لئے یہ موقع نہایت اُمید بخش کا ہے۔ لارڈ ہارڈنگ باقاعہ جیسے ممتاز مدیر کی فہم و ذکاوت سال ستائش ہے جن کے دست مبارک میں اس وقت ہندوستان کی زمام حکومت ہے اور جنہوں نے ہمیں یہ یقین دلایا ہے کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ وقوع میں آئے انگلستان اور اس کے اتحادی

اسلام کے مقابلات مقدسہ کے احترام پر نگاہ رکھیں گے۔ مجھے یقین واثق ہے کہ اس یقین دہانہ  
نے مسلمانوں کو مطمئن کرتے میں بڑا کام کیا ہے اور مسلمانوں کو اس روش پر قیام رکھنے کے قابل  
بنا دیا ہے جو موجودہ حالت میں صرف ایک ہی صحیح روش ہے۔ میرا مدعا سلطنت برطانیہ  
کی مستحکم وفاداری اور جاں نثاری کی روش سے ہو۔

سلطنت برطانیہ کے ساتھ | صاحبان! مجھے یقین ہے کہ کسی متنفس کو بھی ایک لمحہ کے لئے اس مگلام  
ہماری وفاداری کی بنیاد | نہ ہوگا کہ ہم حضور ملک معظم قیصر ہند کی زیر حکومت بکمال امن و امان رہتے  
اور محفوظ زندگی بسر کرتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم اپنے مذہبی رسوم کی ادائیگی  
میں جو ہر انسان کا پیدایشی حق ہے، کوئی رکاوٹ یا مزاحمت نہیں ہے۔ ایسی حالت میں ہمارا  
یہ جبکہ مقدم فرض ہے کہ ہم تاج برطانیہ کے ساتھ ایسی روش اختیار کریں جو ہماری غیر منزل  
اور لاجب فاشکاری پر مبنی ہو۔

اے حضرات! مجھے یقین ہے کہ ہم سب کو اس بات پر فخر ہو کہ اپنی سلطنت کی حفاظت میں  
مقصد نیک میں ہماری ہندوستانی افواج اپنا مناسب حصہ لے رہی ہیں اور یورپ کے میدان  
جنگ میں اپنی شجاعت و بہادری اور جاں نثاری سے یہ ثابت کر رہی ہیں کہ ہمارا اور انگلستان کا  
مقصد واحد ہو۔ تاریکیوں کے مختصر خلاصوں پر لحاظ کرتے ہوئے میرے خیال میں اس بات کے  
اظهار کے لئے کسی پیشین گوئی کی ضرورت نہیں ہے کہ فائدہ جنگ یعنی امن و امان کا حصول کچھ بعید  
نہیں ہے۔ جرمنی کے جنگی دم ختم کی کر کم از کم اُس وقت سے ٹوٹ گئی ہے جب کہ اُس کو پیرس کی  
طرف سے پیچھے ہٹ جانا پڑا، اور گواہی وہ وقت دور ہے کہ ہم کو ان مشکلات سے نجات ملے مگر  
اس میں کئی شبہ نہیں کہ اتحادیوں کی متفقہ افواج نے اگر اسی طرح چند اور شکستیں دیں تو یورپ میں  
امن و امان پھر قائم ہو جاوے گا۔ موجودہ حالت میں ہمارا فرض ہے کہ ہم تاج برطانیہ کے وفادار  
رہیں اور اس مقصد نیک کے حصول میں جو انگلستان کا ہے تمام امکانات سے دریغ  
نہ کریں۔

جائے تعلیمی کی تہذیبیت | صاحبان! میں ہمیشہ سنتا رہتا ہوں کہ محبت پسند نکتہ جیس یہ سوال کیا کرتے ہیں  
کہ آخر کافر نسوں کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اور ان کافر نسوں نے مسلمانوں کی یا مسلمانوں کی تعلیم کے متعلق کیا  
خدمت انجام دی ہے؟ صاحبان! تعلیم ایک پودا ہے جو آہستہ آہستہ بڑھتا ہے کسی میٹھی یا کٹی  
تیز رفتاری کی طرح سے اس کے نتائج کی توقع نہیں کی جاسکتی اور تباہ و دوکی سی تیزی پر اس کے



نتائج کا قیاس ہو سکتا ہے کہ ادھر آگ دکھائی اور ادھر بارود نے دھواں جسے دیا۔ اس کے لئے  
 اول ضرورت ہے پھاوڑے اور کدال سے بہت کچھ کام لینے کی کالجوں اسکولوں اور وظائف  
 کے بہت کچھ کھا ڈالنے اور مخم ریزی کرنے کی اور زمانہ دراز کے گڑے ہوئے تعصبات کی  
 ناکارہ گھاس کے سرائے کی جب جا کر کہیں ہم کو اپنی محنت و جانفشانی کے پھلوں کے دیکھنے  
 کی توقع کرنا چاہئے۔ جو حضرات اُن تعلیمی رپورٹوں کے مطالعہ کی تکلیف گوارا کریں گے جو  
 مختلف مقامی گورنمنٹوں نے شائع کی ہیں میں اُمید رکھتا ہوں کہ وہ اس امر کو معلوم کر لیں گے  
 کہ تعلیم نے بڑی حد تک ترقی کی ہے۔ لیکن اگر بغرض محال یہ مان بھی لیا جاوے حالانکہ اعداد و  
 شمار کے موجود ہوتے ہوئے یہ نہیں تسلیم کیا جاسکتا کہ تعلیم میں کوئی قابل لحاظ اور قابل پسند ترقی  
 نہیں ہوئی تب بھی جھکویہ تسلیم کرنے میں کچھ تامل نہیں ہے کہ ایجوکیشنل کافرنس نے جس کے لئے اس  
 بانی کی فہم و ذکا قابل ستائش و شکر یہ ہر کم از کم اُن تعصبات کے جڑ سے اکھیرنے میں کامیاب  
 حاصل کی ہے جو اُس دامنی تگ و دو کے حق میں مخالف بچے ہیں جس کی دورانیش پیشگواری  
 غیر بیشک نے بنیاد ڈالی تھی۔ اس لئے میں پھر کہتا ہوں کہ اگر کافرنس نے اس کے سوا کچھ اور  
 کام بھی کیا جو تب بھی اُس نے مسلمانان ہند کے نمون اور محبت بھرے دلوں میں اپنے بانی کی  
 اور اُن لوگوں کی یاد کو جاگزیں کر دیا ہے جنہوں نے بعد میں اس کی ترقی کے لئے سعی کی۔  
 مسلمانوں کا اخلاقی معیار | میں اب ایک مناسب حال مضمون کے متعلق کچھ عرض کرتا  
 چاہتا ہوں جو بادی النظر میں اگر مایوس کن معلوم ہو تو آپ مجھے معاف کریں گے۔ اخلاق اور  
 تعلیم کے درمیان میرے خیال میں کوئی نمایاں کفریق کبھی نہیں کی گئی ایک شے دوسری پر موثر ہو  
 اور پھر یہ دونوں خاص اخصار باہمی کی وجہ سے ایسے اجزا پیدا کرتے ہیں جن سے قومی وقار اور  
 قومی خصوصیات بنتی ہیں۔ ممکن ہے کہ ایک طرف نصف صدی کے جمود و قہاں اور تذبذب نے  
 اور دوسری طرف تعصبات نے مسلمانان ہند کی جماعت کو پراگندہ و منتشر کرنے میں مدد دی ہو  
 لیکن یہ صرف وہ امور ہیں جن سے اس حالت کی تشریح ہو سکتی ہے کہ کس طرح اُس قوم کی اولاد  
 کو جو کسی زمانہ میں شاہی دہلی کی پر شوکت درباروں پر برسر حکومت تھی آج ہندوستان کی نصف  
 پائیں میں جگہ ملی یا اب اس وقت اس کا یہ درجہ ہے۔ میں نے ہمیشہ یہ محسوس کیا ہے کہ مسلمانان  
 ہند کا اخلاقی معیار بالعموم انحطاط کی طرف رہا ہے میں سمجھتا ہوں کہ کسی قوم کی خصوصیات علی العموم  
 اس کے علم ادب میں منعکس ہوتی ہیں یعنی اُس علم ادب میں جو غیر کا نہ ہو بلکہ خود اسی قوم کا ہو۔



میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ شاعری میں نمک مرچ بھی لگایا جاتا ہے لیکن شعر کی قابلیت کا کافی لحاظ رکھتے ہوئے بھی اس امر واقعہ کی طرف سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی کہ اگر نظم تہذیب اخلاق کے بجائے صرف تفریح کا سامان ہی مہیا کر سکتی ہو تو ایک قوم کے ادبیات کی اعلیٰ ترین غرض مفقود ہو جاتی ہے اور وہی نظم جو روزانہ زندگی کے بے شمار حقائق پر مشتمل ہے اور جسے قوم کے قصائد و عمل حصہ حیات پر عظیم الشان اثر حاصل ہے، بے سود ثابت ہوتی ہے۔ میں آپ کو یقین دلانا ہوں کہ میں نظم کی توہین نہیں کرنا چاہتا لیکن نظم سے میری مراد وہ مقدس نظم ہے جو براہ راست ہمارے قلوب پر اثر ڈالتی ہے اور یہیں عوام کا لافنام کے دائرہ سے نکال کر روحانی بلندی کی طرف لیجاتی ہے۔ بیماری یا اندوہ کی حالت میں اگر ہمیں ایک شعر یا ایک معنی خیز فقرہ سنا دیا جاوے تو ہم ایک تازگی اور بشاشت محسوس کرتے ہیں لیکن اخلاقی یا روحانی ترقی کا اندازہ کرنے کے لئے ایسے مادی درجات مقرر نہیں ہیں جیسے ایک ظاہری حرکت کے اندازہ کے لئے ہو سکتے ہیں اور نہ یہ ترقی سطحی تازگی اور خوشی کی بنا پر متیز ہو سکتی ہے۔ بلکہ اس روحانی ترقی کا امتیاز صرف تبدیلِ محنت سے ہو سکتا ہے جس کی واضح مثال کے لئے میں آپ کو ایک انڈے کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ رفتہ رفتہ ایک کیرا بن جاتا ہے اور کچر مدت کی بعد پروبال نکال کر اڑنے لگتا ہے۔ جو نظم اس قسم کا روحانی اثر نہ پیدا کر سکے وہ میرے نزدیک محض وقت اور قابلیت کو ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ نظم کو انسانی طبیعت میں بڑا دخل حال ہو۔ وہ قلوب کو جس سانچے میں چاہے ڈھال سکتی ہے، خیالات میں بلندی پیدا کر سکتی ہے اور انسان کو مادی خود غرضی سے نجات دلا سکتی ہے اور جب اُس کا فہم العین درست ہو تو یہ اعلیٰ ترین طاقت ثابت ہوتی ہے۔ لیکن بخلاف اس سے مقصود صرف یہ ہو کہ چند کو تاہ بین و پست خیال لوگ تھوڑے عرصہ کے لئے اس کی تعریف و توصیف کے نعرے لگائیں تو یہ یقیناً ایک مجسم بدی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ بعض اوقات مضمون واحد پر کچھ شعر کے خیالات سچا ہمتوں کے اخلاقی تنزل کا اظہار ہوتا ہے۔ میں نے مسلمانانِ ہند کی کمزوریوں پر ہمیشہ غور کیا ہے اور میرے نزدیک اُن کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ اُن میں "عزت نفس" کا مادہ نہیں رہا۔ "قول مردانِ جان دارو" سے زیادہ ترقی پر اُبھارنے والا اور کوئی مسلح نظرتیں ہو سکتا ہے۔ میں بوشوق کہتا ہوں کہ جب تک مسلمانانِ ہند اس دستورِ اہل پرکار بند تھے ہر قوم اُن کی عزت کرتی تھی اور وہ ہر قسم کی نیکی و شرافت کے مظہر تھے لیکن بعد میں جب اُن کے اس اعتقاد میں



پیدا ہو گیا تو اُن پر ادب کی گھٹائیں چھا گئیں۔ پہلے تو وہ ”قول مرداں جاں وارد“ کے معتقد تھے لیکن اس کے بعد اُن کے اعتقاد میں جو تبدیلی پیدا ہوئی وہ اس مصرعہ سے ظاہر ہوتی ہے۔

”وعدہ آسان ہو وعدہ کی وفا مشکل ہو“

یہ مصرعہ ایک بین انقلاب کا منظر ہے لیکن اس سے بھی زیادہ وضاحت اور اختصار کے ساتھ یہ تبدیلی ذیل کے الفاظ میں بیان کی گئی ہے جو یہ ہیں کہ: ۵

”وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو گیا“

حضرات! میرے خیال میں یہ ضروری نہیں ہے کہ اس انقلاب پر ادبی پہلو سے کمال بحث کی جاوے اور ان فقرات کو مسلمانانِ ہند کے انحطاط و تنزل کے مختلف درجات کا قطعی منظر قرار دیا جاوے لیکن میرا اعتقاد ہے کہ اگر کسی قوم کے خیالات کا اندازہ اُس کی نظم اُس کی ادبیات اور روزانہ زندگی کے اعمال سے ہو سکتا ہے تو ان مصرعوں سے اُس مردانگی اور خود داری کے تنزل اور انحطاط کا پتہ چلتا ہے جس نے قرونِ اولے میں ہمارے آباؤ اجداد کو امتیاز بخشا تھا اور احساسِ فرض کا آلہ ہونے کی حیثیت سے جس کی بنیاد مذہبی تربیت یافتہ قلوب میں بڑے استحکام سے قائم تھی۔ مذہبی تربیت اخلاقی جرأت کے حصول پر ابھارتی ہے اور اخلاقی جرأت و خود داری عزتِ نفس کا مادہ پیدا کرتی ہے۔ جن اُردو مصرعوں کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں اُن کا قرآنِ کریم کی اس آیت سے مقابلہ کرو۔

و اوفوا بالعہد ان العہد کان مستوعلاً

یقین کیجئے کہ ہمارے نصف مصائب کا باعث متانت و عزتِ نفس کا فقدان ہے۔ میرے نزدیک یہی وہ صفات ہیں جو تمام اوصافِ حسنہ اور ہمدردی نبی نوع کی جڑ ہیں۔ بے شبہ یہ صفات اس شریفِ حب وطن کا سرچشمہ ہیں جو ایک جماعت میں قوتِ تحریک پیدا کرتی ہے اور اس کے خیالات کو بلند بنادیتی ہے اور جس پر کار بند ہو کر لوگ مردانہ و اپنے فرائض ادا کرتے اور دیانت و متانت اور انصاف کی زندگی بسر کرتے ہیں اور اپنے حقداروں کی ترقی کے لئے تمام اُن مواقع سے جو انھیں حاصل ہوں پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ اوصاف ہیں اُن بزرگوں کی مثال اور یاد تازہ رکھنے کے قابل بننا



ہیں جو اگر چہ اب دنیا میں موجود نہیں ہیں لیکن وہ ایک ایسا زبردست اثر اپنے پیچھے چھوڑ گئے ہیں کہ وہ ایک لازوال میراث ہے جس کا اثر ہر شے میں جلوہ اٹھتا ہے اور ہمارے لئے نشان قدم کا کام دیتی ہے۔ یہ ہماری اور خود اسلام کی خوش قسمتی ہے کہ مسلمانوں میں اپنی اصلی حیثیت کو سمجھنے کا میلان پیدا ہو رہا ہے اور یہ امر حوصلہ افزا ہے کہ اب تمام اقطاع ہند کے مسلمان متحدہ طاقت سے نہ صرف خرابیوں کا مقابلہ کر لے ہیں بلکہ اُس نقصان کی تلافی کے لئے کوشاں ہیں جو گزشتہ نصف صدی میں انھیں پہنچا ہے اس بیداری کی بنیاد علامت آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کا وجود ہے جو زندہ جاوید سرسید کی تقلید اور دور اندیشی سے معرض وجود میں آئی اور اسی کے ساتھ شعبہ نظم کی وہ مخصوص ترقی ہو جو علی گڑھ تحریک کے دوش بدوش شروع ہوئی اور جس کے بانی مولانا خواجہ الطاف حسین صاحب مالی جیسے بزرگ ہیں۔

تعلیمی عقدہ ہنوز حضرت ائمہ تعلیم ایک نہایت وسیع الحدود مسئلہ ہے۔ تعلیم کی نوعیت اور طریق حل طلب ہے | تعلیم یہ دونوں ایسے سوال ہیں جو ترقی یافتہ مغرب میں بھی کوئی قطعی صورت اختیار نہیں کر سکے۔ اس حیران کن عقدہ پر فضلا و ماہرین سیاست نے بہت کچھ بحث کی ہے۔ بے شمار نقاد موجودہ طریق کو قابلِ مسخ قرار دے چکے ہیں اور ایک کثیر التعداد گروہ ایسا بھی ہے جو اسے اب تک تھامے ہوئے ہے اور جس کے خیال میں یہ بہترین اور موافق ترین طریق ہے۔ اس کے ساتھ ہی اکثر ماہرین فن کی یہ رائے ہے کہ آئندہ تعلیم میں مذہبی اور اخلاقی پہلو غالب رہنا چاہئے اور اس میں یہ خصوصیت نمایاں ہونی چاہئے کہ وہ عملی زندگی کی ضروریات کے موافق ہو۔ اس اختلاف آرائی نے ایک بحث کی صورت پیدا کر دی ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ اب تک بھی کوئی ایسا طریق متیقن نہیں ہو سکا جس کے مطابق آئندہ تعلیم کی نوعیت کا فیصلہ کیا جاسکے۔ میرا ذاتی خیال تو یہ ہے کہ ہماری قوم کے لئے جسے غربت یا اخلاص یا ایک ایسی حالت نے جو سیاسی تنزل کے بعد ظہور پذیر ہو کر تہی بڑی سختی سے دوبار دکھا ہے۔ مختلف تعلیمی اصولوں کا عملی تجربہ یا جدید اور غیر آزمودہ طریقوں کا اجرا ایک ایسی بد عنوانی ہوگی جس کے بد نتائج کی وہ کسی صورت میں بھی تاب نہیں لاسکتی۔

ہم کو مقرر شدہ دستور عمل پر ہمیں لازم ہے کہ تمام مقاصد و اغراض کے لئے اُسی دستور عمل پر چلیں جو مقرر شدہ ہے، اُس میں صرف اسی قدر ترمیمات کر لیں

مال ہونا لازم ہے



جو ہماری قوم کی خاص ضروریات کے مناسب حال ہوں۔ میرے اس بیان سے آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ میرا مطلب اس سے یہ ہے کہ گورنمنٹ کی پالیسی تعلیم کے متعلق درست اور اٹل ہے یا یہ کہ ہم کو پس و پیش کا کچھ لحاظ نہ رکھنا چاہئے اور یہ نہ دیکھنا چاہئے کہ اس ہم پر کیا اثر کیا ہے۔ میرے خیال میں گورنمنٹ کی تعلیمی پالیسی کا لب لباب صاف طور سے اُن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے جو انڈین ایجوکیشنل پالیسی (مطبوعہ گورنمنٹ آف انڈیا سنہ ۱۹۰۶ء) سے میں اخذ کرتا ہوں:-

”طریقہ تعلیم میں جس کا اس طرح رول دیاجا ہے اُن تمام دماغی ترقیات کے لئے جو ایک مذهب قوم کے نمایاں شان ہوں، مختلف مروج کے لحاظ سے سامان موجود ہے۔ اس سے تعلیم فحس (ریسرچ) کے متعلق طلباء کی تمام خواہشات قابل اطمینان طور پر پوری ہوتی ہیں۔ اس سے گورنمنٹ کے لئے متدین اور ہوشیار ملازمین ہم پہنچتے ہیں۔ اس سے ایسے کاریگر تیار ہوتے ہیں جو ہر ایک شعبہ تجارت کے لئے جو ہندوستان میں مستحکم طور پر قائم ہو گئی ہے کارآمد ہوتے ہیں۔ اس سے ملک کے ذرائع ترقی کو امداد پہنچتی ہے اور فنون لطیفہ اور صنعت و حرفت کو ترقی ہوتی ہے۔ اس سے ملک کی ہر ایک جماعت کو اُن کی ضروریات زندگی کے مناسب حال تعلیم ہوتی ہے، اور ان اغراض کے حصول کے لئے یہ طریق تعلیم ایسے طور پر مدون کیا گیا ہے جس سے تعلیم غیر محدود طور پر پھیل سکتی ہے کیونکہ تعلیم کی مانگ بڑھتی جاتی ہے اور حکومت اور پبلک کی طرف سے ایک بڑے پیمانے پر فیاضانہ امداد ملتی جاتی ہے“

یہ پالیسی جناب گورنر جنرل باجلاس کونسل نے سنہ ۱۹۰۶ء میں ظاہر کی تھی، اور یہی پالیسی آج کے دن تک چلی آتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ گورنمنٹ کی پالیسی جہاں تک کہ وہ خاص مختص ضروریات پر مؤثر ہے، سخت مؤثر نہیں ہے۔

مذہبی تعلیم | یہ صاف عیاں ہے کہ گورنمنٹ بھی اس امر کو تسلیم کرتی ہے کہ اُس کی پالیسی ”غیر محدود وسعت“ کی محتاج ہے۔ بعض بڑے بڑے اصول کے لحاظ سے البتہ ہم کو اس عام طرز تعلیم کے ساتھ ساتھ چلنا پڑے گا جو ہندوستان میں مروج ہے لیکن اس سے ہمیں کوئی امر مانع نہیں ہے کہ ہم اس کو ایک ایسے سانچے میں ڈھال دیں جس سے کسی ایسی قوم کی ضروریات پوری ہو سکیں۔



جس کے مذہبی اور اخلاقی خیالات کی بنیاد اس کی قدیمی روایات قوی پر ہو اور وہی اس کی بہترین پونجی ہو۔ میرا اعتقاد ہے کہ یہ ایک دستور ہوگا ہے کہ جو شخص اس بات پر زور دیتا ہے کہ طریقہ تعلیم میں مذہبی تعلیم کو ممتاز درجہ اور اونچی جگہ ملنا چاہئے اس پر خوب لے جسے کی جاتی ہے۔ ایک ایسے زمانہ میں جیسا کہ زمانہ موجودہ ہے جس میں فیشن اور دستور کے شور و شغب سے لوگوں کا اکثر ناک میں دم کیا جاتا ہے مجھے شک ہے کہ کہیں میرے اُن مذہبی خیالات پر جو میں نے ظاہر کئے ہیں یہ فتویٰ تو نہیں لگا دیا جائے گا کہ یہ ایک طاقتور خیالات ہیں یا ایسے خیالات ہیں جن میں دیوانگی کا اثر پایا جاتا ہے۔ لیکن سلطان ہند کے امجدی پرنسپال نے کے متعلق آپ کے کچھ ہی خیالات کیوں نہ ہوں اور اس کے متعلق آپ کی تجاویز کو کچھ قرار کیوں نہ دی گئی ہوں مجھے یہ عرض کرنے میں کچھ بھی تامل نہیں ہے اور میں نہایت زور کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہم بہترین علی انسان اور بہترین دستور قوم اور عظیم الشان سلطنت کے بہترین شہری اُسی وقت بن سکتے ہیں جب کہ ہمیں اُس تعلیم کے ساتھ ساتھ جو سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں دی جاتی ہے۔ مذہبی تعلیم و تربیت بھی کافی طور پر دی جاوے۔ میری تو یہ قطعی رائے ہے کہ قومی ذہنی کی تعلیم و تربیت جو مذہب سے معزاً ہو یا زیادہ محنت کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ تعلیم جس کا باگ مذہب کی بات میں نہ ہو وہ زیادہ سے زیادہ ایک قابل اعتراض ذہانت و جدوجہد طبع پیدا کرتی ہے۔ تعلیم جو مذہب سے معزاً ہو وہ ایسے آدمی پیدا کرتی ہے جو ذہانت کے پہلوان کہلاتے ہیں۔ جس شخص کو اچھی طور سے مذہبی تعلیم دی گئی ہو خواہ وہ کسی فرقہ کا آدمی ہو کیونکہ میرا اعتقاد ہے کہ تمام مذاہب کے بنیادی اصول جو اچھے طریقے سے سکھائے گئے ہوں حقیقتاً ایک ہی ہوتے ہیں، وہ ایک ایسا فرد ہوتا ہے جس کے اندر ایک ایسی طاقت کام کرنے والی ہوتی ہے جو اُس کے قلب پر طغرائی کرتی ہے جو نیک خیالات، صالح ایمان اور نیک زندگی بسر کرنے کی تحریک کی قوت کا منبع ہے۔ اور یہی وہ کارکن طاقت و قوت تھی جو گزشتہ صدیوں میں شرفاں بہادران اسلام میں جاری و ساری تھی۔ یہی وہ چیز تھی جس نے جاں نثاران پیغمبر علیہ السلام اور علم برداران اسلام کو ہر بات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے پر مصیبت کو برداشت کرنے اور ہر طرح کا ایثار کرنے اور اپنے فرض کی انجام دہی میں مذہب نہ ہونے کے قابل بنا دیا تھا، اور یہی وہ زبردست مذہبی اور اخلاقی جذبہ ہے جس کی بدولت پیروان پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام عام انسانی گردہ سے بڑھ کر ممتاز نظر آتے ہیں اور جب ہم ان کے سوانح اور حالات زندگی پڑھتے ہیں تو اپنے آپ کو ان کے



مقابلہ میں ایسے پست درجہ پر پاتے ہیں کہ ہمارا خون خشک ہوتا ہے، دل بیٹھ جاتا ہے اور اعضا عین ریشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ ہم کو سرتاسر ایسی خوبیوں اور اوصاف سے متصف نظر آتے ہیں جو کسی قوم کے فخر اور افتخار و اعزاز کا باعث ہوتی ہیں۔ وہ مثل منور اور روشن تاروں کے ہر زلے اور ہر وقت میں تاباں اور درخشاں رہیں گے۔ ان کے کارناموں کی تابانی سے تاریخ کے صفحات منور ہیں اور ہم کو اس امر کا پر زور احساس دلاتے ہیں کہ ایک زمانہ میں اُن کا وجود تھا اور وہ جائزہ حیات میں تھے۔ کوئی شخص ایک لمحہ کے لئے بھی معقولیت کے ساتھ اس امر کا ادعا نہیں کر سکتا کہ علوم مشرقیہ اور مذہبی تربیت کی کافی استعداد لائق اور شایستہ افراد پیدا کرنے سے قاصر ہوگی۔ دور کیوں جاتے ہو۔ آپ تسلیم کریں گے کہ سرسید احمد، نواب وقار الملک اور ایسے ہی دیگر بزرگوں نے آپ کی فونی ورستی سے کوئی استفادہ حاصل نہیں کیا۔ لیکن مجھے امید ہے کہ کسی کو اس میں کلام نہ ہو گا کہ یہ لوگ عام انسانوں سے بالاتر ہیں۔ اور ایسے بالاتر جو اپنی شخصیت اور قوت کے نشان چارہی جماعت کے اخلاق پر چھوڑ گئے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ ان کی تعلیم کس قسم کی ہوئی، محض قومی تعلیم یا زیادہ صحت کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ خالص مشرقی تعلیم، اور اگرچہ ان کو بجا طور ذہانت اور قوتِ فاعلی کے لحاظ سے عام انسانوں سے بالاتر درجہ دیا جاتا ہے مگر اُن کی تعلیم و تربیت کی بنیاد عربی و فارسی ہی پر تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ میں سے بعض حضرات مجھ کو اس فلسفیانہ معسے سے خاموش کرنا چاہیں گے کہ وہ لوگ زمانہ کے ارتقا کا نتیجہ تھے، لیکن میں عرض کروں گا کہ اُن کی ذہانت و فطانت کی عمارت کی بنیاد میں مشرقی تعلیم اور محض مشرقی تعلیم ہی تھی۔

حضرات! میں اس موقع پر زمانہ حال کی تعلیم کے برخلاف وعظ نہیں کہتا۔ مجھ کو مغربی تعلیم کے فوائد کا بخوبی احساس ہے حقیقت یہ ہے کہ ممکن نہ تھا کہ بغیر مغربی تعلیم و تہذیب کے مسلمانان ہند اپنے تنزل و انحطاط کی روک تھام کر سکتے جس میں وہ اُن تعصبات اور تعصبات الاعتقاد کی بدولت کرتے چلے جا رہے تھے جو اُن کی سیاسی قوت کے جاتے رہنے سے اُن میں پیدا ہونے لگے تھے اور جو اُن کی جماعت کو اندر ہی اندر گھن کی طرح برباد کر رہے تھے میرا درحقیقت یہ اعتقاد ہے اور اس میں تحالف رائے کی گنجائش نہیں ہے کہ اگر ہم بحیثیت قوم کے چاہتے ہیں کہ زندگی کی جنگ و دوڑیں دیگر اقوام کے مقابل اپنی ہستی کو قائم و برقرار رکھیں تو ہمارے نظام تعلیمی میں زمانہ موجودہ کی تعلیم و تربیت کو اول جگہ ملنا چاہئے۔ لیکن میں عرض کروں گا اور پھر اسے اعتقاد کی بنا پر عرض کروں گا کہ من حیث القوم ہم اپنی شخصیت و جداگانہ حیثیت کو کھو بیٹھیں گے اگر



ہم نے اس ضروری مغربی تعلیم و تہذیب کے ساتھ اپنی مذہبی تعلیم کو جس کی بنیاد قرآن و حدیث پر ہے کافی طور سے باہم آمیز کر رکھی، ظاہر ہے کہ سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں ہم کو کوئی ایسی تعلیم جو مذہبی ہو نہیں لی جاسکتی لیکن مجھے اس امر کا کمال یقین ہے کہ خود ہمارے قومی کالجوں اور اسکولوں میں ہمارے لئے کوئی امر مانع نہیں ہے کہ ہم اس کو بہترین شکل میں نہ ہمیں کر سکیں، اور اس موقع پر میں اپنا دلی خیال آپ کو بتاتا ہوں، یعنی اُس شخص کا دلی خیال جس نے پرانی روایات کی بنا پر تعلیم پائی ہے اور جو زمانہ حال کی تہذیب و تہذیب و تہذیب سے بھی کوئی بغیر و خدا نہیں رکھتا کہ اگر اس خصوص میں آپ کی مجوزہ یونیورسٹی انتظام کرنے سے قاصر ہے گی تو وہ اپنے اس حقیقی مطلب و مدعا میں ناکام رہے گی جس کی دولت وہ قوم کی نظروں میں ہر دلعزیز و مفید اور تمام قوم کے لئے فائدہ رساں اور عملی کام کرنے والی ثابت ہوگی، مزید برآں میں عرض کروں گا کہ آپ کی مجوزہ یونیورسٹی کی مشرقی تعلیم کا پہلو نہایت مستحکم اور مضبوط ہونا چاہئے اور عربی تعلیم و نیات کی ڈگری کے لئے وسیع سہولتیں اور سامان لکھنا چاہئے۔

تعلیم عربیہ | میں عربی علم ادب کو پیر و ان اسلام کی تعلیم کے حق میں نہایت قیمتی خیال کرتا ہوں  
مقابلہ فارسیہ | اور میں اس کو فارسی پر جو مغلوں کی حکومت میں عدالتی زبان تھی قطعی طور سے ترجیح دیتا ہوں۔ شاہان مغلیہ کے وقت میں ہماری کتب دینی اور دنیات کا علم فارسی زبان میں نہیں تھا بلکہ عربی زبان میں تھا اور فارسی کی حیثیت اُس وقت وہی تھی جو اس وقت ہندوستان میں انگریزی زبان کی ہے، یعنی ملک کی عدالتی زبان۔ فارسی کا کام اب انگریزی نے لے لیا ہے اور اس لئے میری رائے ہے کہ اسے ترک کر دینا چاہئے اور عربی زبان کو اپنے نصاب تعلیم میں داخل کرنا چاہئے۔ مجھے اس امر سے انکار نہیں ہے کہ فارسی نے عربی کے اختلاط سے علم ادب پر بہت عمدہ اثر ڈالا ہے۔ ہماری قوم کے بہت سے افراد انگریزی اور عربی کو پڑھیں اور کسی دوسری مغربی زبان کا بوجھ نہ اٹھائیں، جس کے شمول سے زندگی کی دوڑ میں ہمارے لئے رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔ میں اس سوال پر بحث کرنے سے کہ قوم کو مذہب کی اور عربی کی تعلیم کے لئے کن ذرائع اور طریقوں کو اختیار کرنا چاہئے، بلا ضرورت آپ کی سمجھ سزا سخی نہیں کرنا چاہتا۔ یہ تفصیلات ہیں اور مجھے یقین ہے کہ جب مختلف شعبہ ہائے تعلیم کے نصاب کی ایک میں مدون ہوگی اُس وقت ان پر مناسب طور سے توجہ کی جائے گی۔ عربی اور مذہبی تعلیم کو ترقی دینے کے لئے



جو طریقے میرے ذہن میں آتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ دیسی مکاتب اور مدارس قرآنی کی توسیع کی جاوے۔ بنگال میں ڈاکٹر اس کی تحریک پر جو کئی سال سے کلکتہ مدرسہ کے پرنسپل تھے اور اب آخر میں گورنمنٹ ہند کے ہوم ڈیپارٹمنٹ کے اسسٹنٹ سکرٹری ہیں، گورنمنٹ نے بڑے بڑے دیہات میں مکاتب و مدارس قرآنی کے اجرا کا کام کرنا شروع کیا ہے یہ انتظام فی الحال بطور آزمائش کے ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر اس کا انتظام عمدہ طریقے سے چلایا گیا اور گورنمنٹ کی طرف سے جو تقویت اور امداد مل رہی ہے وہ ملتی رہی تو اس سے مسلمانوں کی مذہب کی ابتدائی تعلیم کی اشاعت اور ان کی قومی خصوصیات کی تقویت کے لئے عمدہ نتائج مترتب ہوں گے۔

ایک تندرست اور خوددار حضرات! اگر میں نے مذہبی تعلیم کے متعلق لمبی چوڑی تقریر کی ہے تو محض قومیت کے شرائط اس وجہ سے کہ مجھے اس امر کا یقین واثق ہے کہ کسی قسم کی بھی تعلیم سے جو اس نام کی مصداق ہو آخر الامر وہ بایں نہیں پیدا ہو سکتی جو ایک قوم کو تندرست مضبوط اور خوددار بناتی ہیں۔ آپ صاحبوں کا جو کچھ بھی خیال ہو وہ ہونا میرا تو یہ خیال ہے کہ جس تعلیم میں مذہبی تعلیم شامل نہ ہو اس سے اعلیٰ صفات کے انسان پیدا نہیں ہو سکتے۔ چونکہ ایک دن ہماری اپنی یونیورسٹی ہوگی، اس لئے میرے خیال میں یہ بے محل نہ ہوگا اگر میں چند الفاظ ان موٹے موٹے اصولوں کے متعلق عرض کروں جس پر یونیورسٹی کو کاربند ہونا چاہئے۔ لندن ٹائمز کے ایک مضمون سے جو بظاہر ایسے شخص کے قلم سے معلوم ہوتا ہے جو ہندوستانی یونیورسٹیوں کے نظام تعلیم کا ماہر ہے۔ میں حسب ذیل الفاظ کا اقتباس کرتا ہوں:-

خالص دماغی ذہانت کے نکتہ خیال سے (اور اسی پر آج ہم بحث کرنا چاہتے ہیں) اگر ہندوستانی یونیورسٹیوں کی حالت کا پورا معائنہ کیا جاوے تو نہایت تکلیف دہ ثابت ہوگا۔ اپنی خواتند آبادی کے تناسب کے لحاظ سے ہندوستان کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ یونیورسٹی گریجویٹوں کی اس تعداد سے بہت زیادہ تعداد رکھتا ہے۔ جو اس کی ایکسی دوسرے ملک کی ہے۔ لیکن اس پیداوار کی قابلیت اوسط کے لحاظ سے افسوس ناک طور پر کم ہے اور متقل طور پر کم ہوتی جاتی ہے۔

فی الواقع بات یہ ہے کہ ایک طرف تو مصنوعی امتحانات نے ہندوستانی تعلیم کو جو یونیورسٹیوں



میں دیجانی کہ کامل طور سے غلبہ پایا ہے اور نگاہ اور دوسری طرف کتب و رسبہ نے جولیا کے قوت یا دہی کو جانچتے ہیں نہ ان کی ذہانت کو۔ نتیجہ یہ ہے کہ بعض طباع اور ذہین طالب علم اس غیر مفید اور سخت طریقہ تعلیم کے جکڑ بند توڑ کر ابھر جاتے ہیں لیکن ایک کثیر تعداد "کتب و رسبہ" غلامی اور امتحانات کے جکڑ بندوں کا آہستہ آہستہ خکار ہو جاتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ہماری یونیورسٹی موجود الوقت یونیورسٹیوں کی اندھی تقلید نہیں کرے گی۔ اور جب اس کے مفاد اور ضوابط کے تدوین کا وقت آئے گا تو موجودہ طریقے کے نقائص و عیوب کو فراموش نہیں کر دیا جائے گا۔

اعلیٰ تعلیم استحکام یونیورسٹی کا نظام تعلیم جس سے میری مراد اعلیٰ تعلیم سے ہے، خواہ وہ برا ہے یا حاصل کی جلی ہے۔ بھلا اس ملک میں استحکام کیڑ چکا ہے۔ اس پر صرف خود رو گیری کرنا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے نقائص کا پتہ لگانے، اس کی اصلاح کرنے، اسے مضرات سے پاک کرنے اور ترقی و علم کی حقیقی ضروریات کے مطابق بنانے کی ضرورت ہے۔ اس موقع پر میں امید کرتا ہوں کہ آپ معاف فرمائیں گے اگر میں اصل بحث سے کچھ تجا و ذکر دوں۔ رسالوں اور عام اخبارات میں جو کچھ شکتہ چینی اعلیٰ تعلیم کے ناقص ہونے کے متعلق کی جاتی ہے اس سے بعض لوگ یہ خیال کرنے لگے ہیں کہ گورنمنٹ اس ملک میں اعلیٰ تعلیم سودست کش ہونے کا کوئی بہانہ تلاش کر رہی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ گورنمنٹ نہ تو سودست کش ہونا چاہتی ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ جب کہ ایک مرتبہ اس نے بیس ذہنی و عقلی حیثیت سے مغرب کا حصہ دار بنا دیا ہے تو اس کا یہ مقدس فرض ہے کہ وہ ہمارے اس حق کو برقرار رکھے اور اسے وسعت دے۔ نہ کہ اس کو محو کرے۔ لارڈ میکالے نے (جو اس نے) میں کونسل کے مشیر قانونی اور سررشتہ تعلیم کی مجلس کے صدر تھے) جو پالیسی ششہ اعر میں کورٹن ڈائریکٹر نے اپنے مشہور مراسلے میں اس پالیسی کو وسعت دی تھی جس میں انھوں نے اس فیصلہ کا اعلان کیا تھا کہ گورنمنٹ کو ہندوستان میں مغربی تعلیم کی وسیع اور باقاعدہ ترقی استعدادی کے ساتھ انداز دینا چاہئے۔ ششہ ۱۱ میں لارڈ ڈلموزی و ایسرائے تھے اس وقت سر جارجس ووڈ (جو بعد میں وائیکونٹ ہیلفیکس کہلائے) ان کا مراسلہ ہندوستان کے لئے ایک تعلیمی اسکیم پر مشتمل موصول ہوا۔ اس مشہور مراسلہ کے الفاظ حسب ذیل ہیں:-

"..... کثیر التعداد اہم معاملات میں سے کوئی معاملہ مسئلہ تعلیم سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا ہے یہ ہمارا ایک مقدس ترین فرض ہے کہ جہاں تک ہمارے امکان میں



ہی۔ ہم ہندوستان پر ان کا کثیر اخلاقی اور مادی برکات کے نزول کا ذریعہ بن جائیں جو علوم نافعہ کی عام توسیع و اشاعت سے حاصل ہوتی ہیں اور جو ہندوستان انگلستان کے ساتھ اپنے تعلق سے حاصل کر سکتا ہے۔

اس سے ذرا آگے چل کر مراسلہ مذکور میں نہایت زور کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے کہ:-  
جس تعلیم کو ہم ہندوستان میں وسعت دینا چاہتے ہیں اس کا مقصد ترقی یافتہ علوم و فنون، سائنس، فلسفہ اور ادبیات یورپ یا بالفاظ مختصر یورپین علوم کا پھیلاؤ ہے۔۔۔۔۔

جب ملک کی حقان حکومت تلج برطانیہ کے ہاتھ میں آئی تو شہداء میں اس پالیسی کی جس کی بنیاد انکونٹ ہینکس نے شہداء میں ڈالی تھی دوبارہ توثیق کی گئی۔ میں آپ کو بار و کراتا ہوں کہ اب اس پالیسی سے روگردانی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ برعکاس اس کے تعلیمی مصارف یونا فیوٹا زیادہ ہوتے جاتے ہیں۔ گزشتہ دس سال میں عام اخراجات چار کروڑ سے سات کروڑ تک بڑھ گئے ہیں۔ اس موقع پر مجھے یقین ہے کہ ان الفاظ کے اعادہ کے لئے مجھے معافی مانگنے کی حاجت نہیں، جو ہنر امپریل مجسٹریٹ حضور شاہشاہ نے کلکتہ یونیورسٹی کے ایڈریس کے جواب میں ارشاد فرمائے تھے۔ یہ وہ الفاظ ہیں جنہوں نے ہندوستان کے طول و عرض میں امید کی ایک برقی زد و ڈرا دی تھی، یہ الفاظ اعلیٰ دانش مندی، تدبیر اور فیاضی پر مبنی ہیں اور یہ ایسے الفاظ ہیں جو ہر طالب ہندوستانی کو سونے کی تختی پر نقش کرا کے اپنے پاس رکھنے چاہئیں اور جو ہندوستان کی تعلیمی پالیسی کا نشان امتیاز ہیں۔

شہنشاہ منظم ہمارے ہر غرضی نے ارشاد فرمایا تھا:-

”فی زمانہ کوئی یونیورسٹی مکمل نہیں ہو سکتی تا وقتیکہ علوم و فنون کے تمام اہم شعبوں کے متعلق تعلیمی ٹیکٹیاں اور تحقیق و تدقیق کے پورے مواقع اس میں مہیا نہ ہوں۔ ہمیں علوم قدیمہ کو محفوظ رکھنا ہے اور اسی کے ساتھ مغربی علوم کو ترقی دینا ہے۔ ہمیں کیرکٹر سیرت، بھی پیدا کرنا ہے جس کے بغیر تعلیم کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتی تم کہتے ہو کہ تم اپنی عظیم الشان ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہو میں اس کام کے لئے جو تم کو درپیش ہے خدا سے دعا ہے کہ کامیابی کی دعا مانگتا ہوں۔ اپنے مطلع نظر کو بلند رکھو اور ان کی مساعی تکمیل میں فرق نہ آنے دو اور خدا کے فضل و کرم

سے تم ضرور کامیاب ہو گے۔ چھ سال قبل میں نے انگلستان سے ہندوستان کو ایک پیغام بھردی بھیجا تھا اور آج ہندوستان میں موجود ہو کر میں تمہیں نوید اُمید دیتا ہوں۔ ہر طرف مجھے نئی زندگی کے آثار اور علامتیں دکھائی دیتی ہیں تعلیم نے پتھر سے دلوں میں اُمید پیدا کی ہے اور اعلیٰ اور بہتر تعلیم سے تم کو اعلیٰ و بہتر اُمیدیں حاصل ہوں گی۔ میرے حکم سے دہلی میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ میرا نائب السلطنت باجلاس کونسل ہندوستان میں مصارف و ترقی تعلیم کے لئے بیش تر ارقوم وقف کرے گا۔ یہ میری آرزو ہے کہ ملک میں اسکولوں اور کالجوں کا ایک جال بچھا دیا جاوے جن سے وفادار، جوان اور کارآمد شہری پیدا ہوں جو صنعت و حرفت، زراعت اور زندگی کے تمام دیگر شعبوں میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔

میری یہ بھی تمنا ہے کہ اشاعت و ترویج علم سے میری ہندوستانی رعایا کے گھر روشن و منور ہوں ان کی محنت و مشقت میں خوشی و خرمی پیدا ہو اور ان پر بلند خیالی، آرام و آسائش اور تندرستی و صحت کے تمام فوائد حاصل ہوں جو علم کے لوازمات میں سے ہیں۔ میری آرزو صرف تعلیم کے ذریعے سے پوری ہو سکتی ہے اور ہندوستان میں اشاعتِ تعلیم کا مقصد ہمیشہ میرے زیر نظر رہے گا۔

ان سے زیادہ شریفانہ الفاظ اور شریف زبان نہ کبھی سنی گئی اور نہ بیان کی گئی ہو اور نہ گورنمنٹ کا رویہ اس سے کچھ مختلف ہے۔ تعلیم کے متعلق پنجالہ رپورٹ جو ہر ایسٹ لارڈ ہارڈنگ (یعنی وہ عالی شان اور فراخ دل مدبر جو اس وقت ہندوستان پر حکمران ہے) اس کے بعد حکومت میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں صاف اور صریح الفاظ میں گورنمنٹ کی تعلیمی پالیسی اس طرح بیان کی گئی ہے۔

یہ بیان کرنے کے بعد کہ یونیورسٹیوں اور کالجوں کے نظام میں اصلاح شروع ہو گئی ہو اور پبلک فنڈ (سرمایہ عام) سے غیر سرکاری تعلیم گاہوں کو جو مدد دی جاتی ہے وہ گزشتہ نو سال میں دو چند کر دی گئی ہے اس میں تحریر ہے کہ:-

..... ان عظیم الشان فوائد سے جو تعلیم نے ہندوستان کو بخشے ہیں نہ انکار کرنا



چاہئے اور نہ ان کی قدر و قیمت گھٹانا چاہئے۔ غیر مکمل معلومات کی بنا پر جو نتیجے کی جاتی ہیں وہ اکثر غلط ہوتی ہیں مثلاً یہ قرین انصاف نہیں ہے کہ ہندوستانی طریقوں کا جو ابھی ابتدائی حالت میں ہیں مغربی دنیا کے موجودہ طریقوں سے جو کمپل کی پہنچ چکے ہیں مقابلہ و موازنہ کیا جائے یا نظام تمدنی اور تو اسے ذہنی کے اثرات کو نظر انداز کیا جاوے۔ مزید برآں یہ عام الزام کہ ہندوستان میں اعلیٰ تعلیم کی بنا عام تعلیم کی نازک اور کمزور بنیاد پر رکھی گئی ہے اور یہ کہ اس ذرائع ناکافی ہیں ایک ایسا الزام ہے جو یورپ کے ہر ملک پر کسی نہ کسی وقت میں لگایا جاسکتا تھا۔ ہندوستان ایسے منازل سے گزر رہا ہے جو دوسرے ممالک نے دوسرے زمانوں میں طے کئے ہیں۔

ذوالفاظ ذیل پر غور فرمائیے:-

..... اپنی پالیسی میں سب سے پہلے گورنمنٹ زیر تعلیم طلباء و انڈرگریجویٹس کے کیریئر (سیرت) کی تربیت کی خواہشمند ہے۔ سیرت کے پیدا کرنے میں گھر کے اثر اور معلم کی ذات کو بڑا دخل ہے۔ سابقہ تجربہ کی بنا پر اس امید کی کافی وجہ موجود ہے کہ جوں جوں بہتر تعلیمی حالات کے زیر اثر تعلیمی آسانیاں بڑھتی جائیں گی سبیل اصلاح کی صورت پیدا ہوگی۔ تعلیم نسواں پھیلے گی اور بہتر معلمین دستیاب ہوکر گئے۔ اب تک مذہبی اور اخلاقی کافی امداد بھی دی جا چکی ہے اور اس اصلاح کے بہت وسیع معنی لئے گئے ہیں۔ یعنی بلا واسطہ مذہبی اور اخلاقی تربیت کو علاوہ بالواسطہ طریقوں پر بھی یہ متکل ہے جن میں ناصحانہ طریق، اجتماعی زندگی، روایات، انتظام ماحول حفظان صحت کی بہتری اور تعلیم کا نہایت ضروری پہلو یعنی جسمانی ترقی اور نظام تفریح بھی شامل ہے۔

اس خیال کی ایک اور عملی تردید کہ گورنمنٹ تعلیمی حوصلہ افزائی کی طرف سے ہاتھ بکنچ لینا چاہتی ہے اسلامیہ کالج پشاور کے قیام میں موجود ہے۔ جو میاں سے کچھ زیادہ فائدہ پر نہیں ہے اور جو سر جارج روس کیپل کی ہربانی اور کشادہ دلی اور صاحب ادب عبد القیوم صاحب کی حب وطن اور محنت کی یادگار ہے۔ پشاور میں اس تعلیمی تحریک کی اہمیت کے متعلق اشارہ کرتے ہوئے سر ڈاکٹر کوٹ بٹرنے فرمایا تھا کہ:-

درہ خیبر کے دہانے کے سامنے ایشیا کے اس مشہور شاہراہ پر کھڑے ہو کر میں اعتراف کرتا ہوں کہ میرے تصور اور قوت تخیل پر اس آئندہ روشنی کا زبردست اثر پڑ رہا ہے جو اس اسکول اور کالج کے لئے نہ صرف اس صوبہ میں بلکہ ایشیا کے دور دراز گوشوں میں منعکس ہو کر پھیل چکی۔

ہم نہایت جوش کے ساتھ یہ امید کرتے ہیں کہ سر ہارکورت بٹر صاحب کا خواب پورا ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہاں اس تازہ گراں قدر فیاضی کا ذکر کرنا نامناسب نہ ہوگا جو اسلام آباد کالج لاہور کے متعلق کی گئی ہے یہ کالج زندہ دلاں پنجاب اور بالخصوص انجمن حمایت اسلام آباد کے ایثار اور حب وطن کی زندہ مثال ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانان ہند اس کی تعلیمی ترقی کے لئے مالی امداد، لکھتہ مدرسہ کو اعلیٰ درجہ کے کالج تک پہنچانے کی منظوری ایک یونیورسٹی ڈھاکہ میں اور دوسری پٹنہ میں قائم کرنے کا فیصلہ اور رنگون (ملک برہما) میں ایک تیسری یونیورسٹی کے قیام کی تجویز۔ یہ سب ایسے امور ہیں جن کی اہمیت سے انکار نہیں ہو سکتا، میں خیال کرتا ہوں کہ یہ اور اسی قسم کی دیگر تحریکات اس غلط فہمی کی تردید کے لئے کافی ہیں کہ گورنمنٹ کی آئندہ پالیسی ہندوستان میں یونیورسٹی کی تعلیم کی ترقی و اشاعت کو محدود اور کم کرتا ہے۔ اس کے لئے ضرورت ہوگی کہ تعلیم پر بڑی بڑی رقم خرچ کی جاوے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تعلیم گراں ہو جائے گی لیکن گورنمنٹ کا نشانہ یقیناً یہ نہیں ہے کہ تعلیم کو مٹا دیا جاوے، برضات اس کے یہ ظاہر ہے کہ مذہبی اور اخلاقی تعلیم کو بہت اہمیت دی جا رہی ہے، اور نہ اعلیٰ حکام اور ماہران تعلیم کی رائیں ایسی تعلیم کی خواہش میں ہیں جو مذہب سے معز ہو۔ سر اینڈر و فریز صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:-

”میں ایک اعلیٰ تر طریق کی خواہش ہے یعنی ایک ایسے طریق کی جو انسان کی اخلاقی

اور مذہبی تربیت کے دوش بدوش ذہنی اور جسمانی تعلیم کو بھی حاوی ہو“

(ماخوذ از نائٹنہ سینچوری اکتوبر ۱۹۰۶ء)

مشہور مذہبی عالم اور ماہران فن تعلیم ڈاکٹر ولین کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ ایسے انتہائی دتوق کے ساتھ جس کا اظہار شکل ہے یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ محض دنیوی تعلیم جہاں اور جس شخص کو بھی دی جائے گی اس کا نتیجہ قابل افسوس ناکامی کی صورت میں رونما ہوگا۔

اے حضرات! ملک عظمیٰ تقریر سے، مختلف سرکاری رپورٹوں کے اقتباسات سے اور ممتاز عمدہ داران سرکاری کے آراء سے صاف ظاہر ہے کہ اعلیٰ تعلیم کے متعلق قدم بہرگز پیچھے



نہیں مٹایا جاسکتا۔ یہ تمام رائیں جس عقیدے پر متحد و متفق ہیں وہ یہ ہے کہ کوئی تعلیم جو مذہبی اور اخلاقی تربیت سے معرا ہو وہ ضرور ناکام رہے گی۔ اس لئے میری یہ پختہ رائے ہے کہ مسلمانوں کی قوم کو جنھوں نے یونیورسٹی کی تحریک سے اپنی آئندہ نسلوں کی تعلیم کی خصوصیت اور تربیت کے حصول کا فیصلہ کر لیا ہے تو مذہبی تربیت کو نظر انداز نہ کرنا چاہئے۔ اب گزشتہ حالات کی طرف مراجعت نہیں ہو سکتی، لیکن جیسا کہ میں پیشتر عرض کر چکا ہوں، اس امر میں کچھ بھی شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ آئندہ تعلیم گراں تر ہوتی جائے گی۔ بہتر مکانات، بہتر ساز و سامان، بہتر علم اور بہتر ماحول بلاشبہ آخر الامر تعلیم کی خاصیت کو ترقی دینے والے ثابت ہوں گے۔ اور اس سے اس چیز کا حصول زیادہ آسان ہو جائے گا جسے گورنمنٹ نے اپنی پالیسی کا ”مقصد اولین“ قرار دیا ہے۔ لیکن یہ صورت مسئلہ برہنیت سابق زیادہ اخراجات کی موجب ہوگی اور یہ امر مسرت خیز ہے کہ گورنمنٹ نہ صرف اس حیثیت سے واقف ہے بلکہ ان روایات کے مطابق جو ایک روشنفکر فیاض اور ترقی کن حکومت کے لئے مخصوص ہوتی ہیں وہ اس سوال کے مالی پہلو پر توجہ کرنے کے لئے بھی تیار ہے۔

اب میں اس حالت کے متعلق عرض کرتا ہوں جو اعلیٰ تعلیم میں ہماری ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اگرچہ ابتدائی تعلیم میں من حیث القوم ہماری حالت کسی قدر بہتر ہے لیکن اعلیٰ تعلیم میں ہم دیگر اقوام کے مقابلہ میں بہت پس ماندہ ہیں۔ تلافی یافتہ کی سخت ضرورت ہو۔ آئرس کا بجوں میں ہمارا اوسط صرف ۱۰.۲ ہے یعنی کالج کے ہر تلو طالب علموں میں سے صرف دس مسلمان ہیں۔ کسی پیشہ کی تعلیم دینے والے کالجوں میں یہ اوسط اور بھی کم ہے یعنی صرف دس ہے۔ ثانوی تعلیم میں بھی ہماری حالت کچھ اچھی نہیں ہے، اور تعلیم کے مدارس میں ہر تلو میں صرف ۱۹ طلبہ مسلمان ہیں۔ عام تعلیم گاہوں میں بھی مسلمان طلبہ کی تعداد دیگر اقوام کے مقابلے میں حوصلہ افزا نہیں ہے۔ صوبہ دار تفصیل پر اگر غور کیا جائے تو صوبہ دار اس میں ہر تلو طالب علموں میں سے مسلمان نو بیس بجوں میں ۱۶، بنگال میں تقریباً ۱۸، مالک متحدہ میں ۱۵، پنجاب میں ۲۸، برہما میں ۲، مشرقی بنگال و آسام میں ۵۲، مالک متوسط و برابر میں ۹، کرگ میں ۲ اور صوبہ شمال و مغرب سرحدی میں ۱۲ صرف شمال و مغرب سرحدی و مشرقی بنگال و آسام ہی وہ صوبے ہیں جس میں مسلمانوں کا اوسط زیادہ ہے اور اس طرح پر یہ امر ظاہر ہے کہ اعلیٰ تعلیم میں ہونہو ہماری



حالت بہت پست ہے اور ضرورت ہے کہ تلافی مافات کرنے اور دیگر اقوام ہند کے  
دوش بدوش ہونے کے لئے مستقل اور زبردست جدوجہد کے کام لیا جاوے۔

حضرات! ایک اور پہلو بھی قابل غور ہے جو اگرچہ ابتدائے تعلیم سے علاقہ نہیں رکھتا لیکن  
بالآخر اس سے گہرا تعلق رکھتا ہے وہ یہ کہ تعلیم کی مجموعی اور آخری صورت کیا ہونا چاہئے؟ میں  
میاں اس امر کے فلسفے پر بحث کرنا نہیں چاہتا کہ علم کو علم کی خاطر حاصل کیا جاوے۔ یہ ایں بحث  
ہے جس کو میں دیگر حضرات کے لئے چھوڑتا ہوں۔ لیکن میرے نزدیک جب ایک شخص کو خوراک  
کی حاجت ہو تو فلسفہ اس کے لئے وجہ تسلی نہیں ہو سکتا اور اگر ہم ایک بھوکے اور قحط دیدہ لکڑی  
کے دل کو افلاطون کے اصول فلسفے کے بیان سے تسلی دینا چاہیں تو یہ وہ بات ہوگی کہ ایک گدا اگر  
کے ہات میں جو روٹی کے لئے چلا رہا ہو ہم پتھر کا ٹکڑا دکھ دیں۔ میں دوسرے ممالک کی بابت تو  
جانتا نہیں کہ وہاں حالات مختلف ہیں، لیکن ہندوستان کی حالت کے لحاظ سے بالعموم ہمارے  
لئے سوائے اس کے اور چارہ کار نہیں ہے کہ ہم اُس قسم کی تعلیم کے حصول کی جدوجہد کریں جو  
طنزاً ”وال روٹی“ کی تعلیم کہلائی جاتی ہے۔ اگر ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں کا بیشتر حصہ سرکاری  
ملازمت میں داخل ہوتا ہے تو میرے خیال میں اس کا سبب نتائج تعلیم کے متعلق فلسفیانہ  
خیالات کی کمی نہیں ہے بلکہ اس قسم کے اقتصادی حالات ہیں جو دیگر معاملات کی پر نسبت بدجبا  
زیادہ ناقابلِ تسخیر ثابت ہوئے ہیں۔ ہندوستانی تعلیم کے اس پہلو کے متعلق لارڈ کرزن کی جو  
رہنمائی تھی وہ گورنمنٹ ہند کے رزلوشن مورخہ الرابچ سیکشن میں بالتفصیل مذکور ہے اور اس  
رزلوشن کا خلاصہ حسب ذیل ہے:-

”..... مختلف اسباب نے جن میں سے کچھ تو تاریخی اور کچھ اجتماعی ہیں، باہم مل کر  
برسبت انگلستان کے ہندوستان میں نمایاں صورت میں یہ نتیجہ پیدا کیا ہے کہ اکثر  
طلباء جن سے اعلیٰ مدارس اور یونیورسٹیاں معمور ہیں، اپنے تئیں حصول معاش  
کے قابل بنانے کی غرض سے داخل ہوئے ہیں۔ تعلیم یافتہ طبقہ سرکاری ملازمت کو  
زیادہ قابل و فوق، زیادہ معزز اور زیادہ پسندیدہ طریق معاش خیال کرتا ہو  
اور طلباء کی طرف سے ان کثیر التعداد منافع کی آرزو ان اسکولوں اور کالجوں کو  
لپٹنے اُن مناسب فرض کی ادائیگی کے مانع آئی ہے جو آزادانہ تعلیم کے خزان کی  
حقیقت سے اُن پر عائد ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر بار بار اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ



ہندوستان میں تعلیم کے اعلیٰ فوائد کو اس رائج الوقت طریق سے سخت نقصان پہنچ رہا ہے کہ سرکاری ملازمت کے امیدواروں کا انتخاب یونیورسٹی اور اسکول کی سندت پر منحصر رکھا گیا ہے۔ بعض لوگوں نے اس پہلو میں یہاں تک ترقی کی ہے کہ اُن کے خیال میں اگر سلطنت سے یہ مادی تعلقات منقطع ہو سکیں اور انگلش سروس سروس کیشن کے طریق پر ایک خاص بورڈ کے ماتحت پبلک سروس کے متعلق ایک اضحانات مقرر کئے جاسکیں تو تعلیمی معیار بہت بلند کیا جاسکتا ہے۔۔۔

لارڈ کرزن کی گورنمنٹ نے اس رائے کو قبول نہیں کیا لیکن مجھے امید ہے کہ آپ حضرات میری اس رائے سے متفق ہوں گے کہ موجودہ حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ سوال ضرور قابل بحث ہو کہ آخر ہمارے تعلیم یافتہ نوجوان کیا کرنے والے ہیں؟ یہ تو حیل ہے کہ سب کے سب سرکاری ملازمت اختیار کریں۔ ان میں سے اکثر قانونی پیشہ اختیار کر سکتے ہیں، جس میں اگرچہ پہلے ہی سے بہت کچھ اثر و حاکم ہے۔ تاہم مسلمانوں کے لئے جگہ نکل سکتی ہے۔ بہت سے انجیری کے پیشے میں جاسکتے ہیں، جس میں ہماری معدومیت شہرہ آفاق ہے اور بہت سے طب کے پیشے میں داخل ہو سکتے ہیں جس میں ہمارا وجود براہ راست نام ہے۔ لیکن بایں ہمہ ایسے کچھ پیشے کی ایک کثیر تعداد باقی ہے جن کی تکمیل مناسب جگہ ملنے کی کوئی توقع نہیں ہو سکتی، اور جوں جوں ہر سال مختلف یونیورسٹیاں تعلیم یافتہ طبقہ میں اضافہ کرتی جاتی ہیں اُن سب کے لئے حصول معاش کا مسئلہ نہایت ضروری اور سخت مشکل صورت اختیار کرتا جاتا ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اس سوال نے پہلے ہی ہمیں بہت کچھ متفکر کر رکھا ہے۔ اور اگر ہم نے اسے حل کرنے کی کوشش کی تو غریب سخت مشکل حالات کا مقابلہ ہوگا۔ میں مایوس نہیں ہوں مگر میرا خیال ہے کہ ہمیں زندگی کے دوسرے طریقوں کی طرف بھی متوجہ ہونا چاہئے اور اس کوشش میں کامیاب ہونے کے لئے میری رائے میں ضروری ہے کہ تعلیم کو ایسی صورت میں لایا جاسے جو زیادہ تر عملی ہو اور ضروریات زندگی کے لئے زیادہ موافق ہو۔

صنعتی و حرفتی تعلیم | ہم دفاعی قابلیت کے انعام جیتنے کی سعی و کوشش میں اس قدر تنہم ہیں کہ صنعت و حرفت کے متعلق ہم پر جو ستر اقص عائد ہوتے ہیں اُن کی طرف سے قطعاً غافل ہو جانے کا اندیشہ ہی۔ مسٹر ٹاٹا اور دیگر ملک التجار حضرات کے ہم نمون احسان ہیں جو ہندوستان کی سب سے زیادہ حوصلہ مند قوم یعنی پارسیوں سے تعلق رکھتے ہیں کہ انھوں نے ایک صنعتی تعلیم گاہ کے قائم کرنے کے



علاوہ لائق اور منتخب ہندوستانیوں کو صنعت و حرفت و دستکاری و فنون کی تعلیم کے لئے ممالک غیر میں بھیجنے کی غرض سے متعدد انتظامات کر رکھے ہیں۔ پنجاب میں ہندو جوہلی ٹیکنیکل انسٹیٹیوٹ قائم ہے۔ لیکن مجھے یقین نہیں آتا کہ اس کے مقابلہ میں ہمارا بھی کوئی اسکول ہو۔ بنگال میں رلے بارڈر نریندر ناتھ سین اور سر چندر مادب گھوش کے فرزند بابو بے سی گھوش جیسے ممتاز کی مسلسل مستعدی کی بدولت صنعتی تعلیم کی ترقی کے لئے ایک انڈین ایسوسی ایشن قائم ہے جو مفید کام کر رہی ہے اور جو ہر سال طلباء کی جامعیت صنعت کے متعلق علمی اور عملی معلومات حاصل کرنے اور آخر الامر حرفت کا کوئی شعبہ اختیار کرنے کی غرض سے انگلستان، امریکہ اور جاپان بھیجتی رہتی ہے۔ بدقسمتی سے اب تک من حیث القوم نہ ہمارے پاس کوئی اس قسم کی درس گاہ ہو اور نہ کوئی اس قسم کی انجمن ہے اور نہ اپنے نوجوانوں کو جن پر ہماری آئندہ امیدوں کا انحصار ہے، اس شعبہ کی طرف متوجہ ہونے کی کوشش کی ہے، جو آئندہ ہمارے ان بیکار افراد کے لئے میدان جدوجہد کی صورت اختیار کرنے والا ہے جو سرکاری ملازمت کے دروازے اپنے لئے مسدود پائیں گے۔ میں اس امر سے ناواقف نہیں ہوں کہ بیٹی کے ممتاز لکچر پی سر ابراہیم کریم بھائی کی شاہانہ فیاضی کے فضل سے علیگڑھ میں ایک کالج کی بنیاد پڑ چکی ہے جو پرنس آف ولز سائنس کالج کے نام سے موسوم ہے۔ لیکن جو قوم جمع ہوئی ہیں وہ نہ صرف بہت قلیل ہیں بلکہ اس کالج کو عملی صنعت کے حکم کے درجہ تک پہنچانے کی غرض سے جس وسعت کی ضرورت ہے اس کے مقابلہ میں سراسر غیر ممکن ہیں۔ اس زمانہ میں جبکہ بقول ایک ممتاز مصنف کے (ترقی صنعت مصنفہ ایچ گھوش) اس ملک کے باشندے ”قدرت کی فیاضیوں کی بدولت صنعت و حرفت کے زیادہ محتاج نہ تھے اور زراعت ہی ان کے لئے ہر طرح سے کافی تھی، صورت حال آج سے مختلف تھی۔ لیکن جوں جوں آبادی بڑھتی گئی زمین کی زرخیزی میں فرق آتا گیا۔ آزاد تجارت کے اصول رائج ہو گئے۔ ہندوستان کے حالات میں ایک مہتمم با نشان تبدیلی واقع ہو گئی اور اب اس ملک کی اقتصادی تجارت اگر تمام نہیں تو ایک بڑی حد تک ضرور محض زمین کی پیداوار پر نہیں بلکہ صنعت و حرفت اور تجارت پر منحصر ہے۔

میں خیال کرتا ہوں کہ مغربی تعلیم کی طرح ہمارے ہندو بھائی صنعت و تجارت میں بھی ہم سبقت لے جا چکے ہیں۔ تین سال کا عرصہ گزرا ہے کہ مسلمانان ہند بڑی یا س و نا امید کی لگاتار میں نوحہ زنی کرتے تھے کہ ہم انگریزی تعلیم میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ میں



چالیس سال بعد ہمیں پھر یہ شکایت لاحق ہوگی کہ صنعت و حرفت اور تجارت کے زیادہ پُر امن شعبوں میں ہم دیگر اقوام کے مقابلے میں بالکل پس ماند ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہمیں من حیث القوم سرکاری ملازمت کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کر لینا چاہئیں یا مختلف آزاد پیشوں کی طرف مثلاً قانون، طب اور انجینیری کی طرف مائل نہ ہونا چاہئے بلکہ ہم میں ایک کثیر تعداد کو چاہئے کہ ان شعبوں میں داخل ہو، حقیقت حال یہ ہے کہ بمقابلہ دیگر اقوام کے سرکاری ملازمت میں ہمارا حصہ بالکل قلیل ہے۔ اور ہمیں اُمید ہے کہ مختلف سرکاری ملازمتوں کے متعلق ہمارے جائز حقوق پر ہماری تعداد کے لحاظ سے ضرورت توجہ کی جائے گی۔ لیکن یہ یاد رکھئے کہ کسی قوم کے متول کا اندازہ سرکاری ملازمت میں اس کی نیابت سے نہیں کیا جاسکتا انگلستان یا حقیقت میں یورپ کے کسی اور ملک کی دولت و ثروت، اُن کے مصنوعات کی وسعت اور اُن کی تجارتی ترقی اور قابلیت پر منحصر ہے۔ اس کشمکش حیات میں جو ہمارے گرد جاری ہے میں اپنے نوجوانوں کو زیادہ آزاد اور سود مند پیشوں کی طرف متوجہ ہونے کی نصیحت کرتا ہوں۔ انھیں چاہئے کہ اپنے تئیں تجارت اور صنعت و حرفت کے کاموں میں لگائیں اور ملک کے اُن ذخائر کی تلاش کریں جو مشترک سرمایہ اور باقاعدہ محنت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ انھیں باہر جا کر بڑے بڑے کارخانوں اور عظیم اُشان تجارتی دوکانوں میں کام سیکھنا چاہئے اور پھر خود اپنا کاروبار جاری کرنا چاہئے۔ میں جانتا ہوں کہ ہندوستان میں تجارتی کاروبار کے لئے کافی سرمایہ مہیا کرنا مشکل ہے۔ لیکن میں یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ ہم تھوڑی بہت ضروریات ہی نہیں کر سکتے یا تجارت کے کاموں میں ہمیں بہت بڑے سرمایہ کی ضرورت ہے۔ اس قسم کے پیشے کچھ کم نہیں ہیں، جن کو ہم قلیل سرمایہ سے چلا سکتے ہیں اور اُن کے ذریعہ سے معقول آمد و رقم حاصل کر سکتے ہیں بلکہ اگر میں یہ کہوں تو کچھ بجانہ ہوگا کسی قوم کی صنعتی دولت کی تاریخ دراصل اس کے کاموں کی معمولی ابتدا کی تاریخ ہوتی ہے اور صنعت استقلال اور محنت و مشقت کے اوصاف اُس کامیابی کے لئے کچھ کم ضروری اوصاف نہیں ہیں جو متول و دولت و ثروت کا باعث ہوتی ہے۔ سر زمین ہند میرے خیال میں ایسے وسائل اور خزانے سے بھرپور ہے جن کی اب تک کسی کو خبر نہیں اور جن سے اب تک کسی نے فائدہ نہیں اٹھایا۔ بہت سی خام پیداواریں ہیں جو مالک غیر کو جاتی ہیں اور جو ہاں سے اُٹھا کر آمد اور نفیس نشین اہل ایشیائے تجارت کی شکل میں واپس آتی ہیں جن کو ہم اصل قیمت سے سو گنا زیادہ دام سے کر



خریدتے ہیں بے شبہ ایسی دستکاریاں بھی ہیں جو بغیر سرمایہ کثیر کے نہیں چلائی جاسکتیں مثلاً  
لوہا، کپڑا بننے اور کاغذ بنانے کی کالیں، لیکن ایسی دستکاریوں کی تعداد بھی بے شمار ہے جن کی  
چلانے کے لئے سرمایہ کی اس قدر ضرورت نہیں ہے جس قدر محنت اور استقلال کی۔ انہیں  
ہے کہ شکر سازی کی صنعت جو بالکل دیہی صنعت ہے اب بہ نسبت سابق رو بہ تنزل ہے اور  
ظروف سازی کی قدیم صنعت بھی سرمایہ اور محنت کی کمی کی وجہ سے پڑمردہ ہو رہی ہے۔

سیوان اور کہلنا واقعہ بنگال۔ اعظم گڑھ۔ آگرہ۔ چنار۔ لکھنؤ اور میرٹھ واقعہ مالک  
مخدہ وادوہ سلیم مدو واقعہ اعلاہ مدراس اور ہالا ویمبئی واقعہ اعلاہ بمبئی کی منقش ظروف سازی  
کی صنعت آہستہ آہستہ معدوم ہو رہی ہے۔ روغن دار ظروف سازی جو ایران کے قدیم ظروف  
کی نقل تھی اور جس کی نسبت سرعاج برڈوڈ کا قول ہے کہ افغان مغلوں کے ذریعہ سے ملک  
چین سے ایران میں تیمور لنگ کی چینی ملکہ کے اثر سے داخل ہوئی تھی وہ ایک زمانہ میں دہلی، پشاور  
لاہور اور ملتان میں خوب رائج تھی اور یہ نامور مقبروں، قبروں اور محلات کی صناعتی کاموں  
کی خوبی کو بڑھانے اور دیر پار کھنے کے کام میں لائی جاتی تھی۔ مگر اب یہ فن اپنی جاں کنی کی حالت  
میں ہے۔ اور امر واقعہ یہ ہے کہ ہندوستانی آرٹس یا فنون کا خاصہ ہے کہ یا تو وہ ایک خاص حالت  
پر اگر رک جاتی ہیں یا ان میں تنزل پیدا ہو جاتا ہے اور وہ معدوم ہو جاتی ہیں۔ مثلاً قدیم زمانے  
کے رتھ کو بیچنے کے کسی نے اس کی جاسے نشست میں حرقی کرنے یا رفتار میں تیزی پیدا کرنے کی کوشش  
کی ہے۔ پس مغرب کی صنعت و حرفت کے نئے اصول اور نمونوں کی ترقیات کے مقابلے میں  
یہ صنعتیں قدرتی طور پر معدوم ہوتی جائیں گی۔ اب حالت یہ ہے کہ بجائے دہلی، لاہور اور ملتان  
کے روغن دار ظروف کے ریوے اسٹیشنوں کے مسافر خانوں کے کمروں یا شاہیر کے محلات میں  
مغربی مالک اور انگلستان کے ظروف نظر آتے ہیں۔ لیکن ظروف سازی کے لئے کسی برٹے  
سرمایہ کی ضرورت نہیں تھی۔ مصاحف ازاں اور بآسانی دستیاب ہو سکتا تھا اور کاریگر  
بھی بلا تکلف مہیا ہو سکتے تھے۔ ایک شخص جس میں عملی کام کرنے کا مادہ ہوا اور حرفت سے کسی  
قدر واقفیت اور انتظامی قابلیت ہو وہ اس صنعت کو سرسبز اور کاروبار کی حالت میں  
پہنچا سکتا ہے۔ ماسوائی اس کے شیشہ سازی کی حرفت ہے جس کو زمانہ حال کے طریقے پر نہیں چلایا  
گیا۔ راجپوتانہ اور دیگر ریگستانی علاقہ جات میں بغیر کسی کثیر سرمایہ کے اس کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔  
شیشہ سازی کی حرفت کے صرف دو کارخانے قابل ذکر ہیں ایک تو اپر انڈیا گلاس ورکس انبالہ میں



جس کی بنیاد مشہور ۱۷۹۰ء میں پڑی تھی اور دوسرا مالک متحدہ میں بمقام مینی میں ہے۔ ایک کارخانہ کلکتہ میں بھی ہے لیکن اس کا مال ایسا اچھا نہیں کہ جس کی توقع ہو سکتی تھی۔ دوسرے مقامات میں بھی مشہور ماری کی غیر منتظرہ جدوجہد کی گئی مگر وہ بحالہ زار میں ہیں یا بند ہو گئے ہیں اور اس طرح پڑنے شیشہ گردوں یا چوڑی گردوں کو روٹی لکنا بھی دشوار ہو گیا ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اس قسم کے خانگی ضروریات کی اشیاء جیسے بچوں کے آئینے۔ لمپوں کی چنیاں۔ فانوس اور شیشے کے گلاس، ان چیزوں تک کے لئے ہمیں تجسیم، آسٹریا اور جرمنی کا دست گر ہونا پڑتا ہے۔ دروازوں کے پردوں کے لئے موتی اور پوتھ وینس اور آئنا سے منگوانے پڑتے ہیں۔ میں نے ہندوستان کی پزیر مردہ صنعتوں کے متعلق آپ کی سمیع خراشی صرف اس لئے نہیں کی کہ ہم ان کی طرف سے بے پرواہی کرتے ہیں بلکہ اس لئے کہ یہ کیسے ظلم کی بات ہے کہ ہم یہ یقین کرتے ہیں کہ ہندوستان کے دوکاندار پیداہشی دوکاندار ہوں۔ اور کہار پیداہشی کہار ہو۔

قصہ کو تاہ ہماری حالت یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے تجارتی کاروبار اور دوکانداری میں پہلے ہی سے ہم ہندو دوستوں سے پیچھے رہ گئے ہیں اور سرمایہ مشترکہ کی کمپنیوں کے مقابلے میں بھی ہم میں اور اپنا وطن میں اس سے کچھ کم بعد فضل نہیں ہے۔ میں یقین نہیں کرتا کہ یہ بات محض ہمارے اخلاص اور تنگدستی کے سبب سے ہے۔ بے شک ہم غریب ہیں اور غریب اس لئے ہیں کہ مقابلہ اپنے محل اور سرسبز اور کفایت شعار ہندو بھائیوں کے ہم غیر مال اندیش اور مسرف ہیں۔ تجارتی معاملات میں ہمارے مقابلہ پیچھے رہ جانے کے اور بھی وجوہات ہیں۔ اول تو یہ ہے کہ ہم باقاعدہ کاروبار کے طور طریق سے نا آشنا ہیں۔ دوسرے ہم کو یہ ایک محل شک رہتا ہے کہ شاید اس کام کے کرنے میں فائدہ ہو یا نہ ہو اس لئے ہمارے صاحب جائدا اور متمول لوگ بہت سے ایسے ہیں جو تجارتی کاروبار میں ہاتھ ڈالنے جھجکتے ہیں۔ بہت سے ہندو والیان ریاست، مالکان اراضی اور زمیندار تجارتی کمپنیوں میں ہمیشہ حصہ لیتے رہتے ہیں جیسا کہ ہڑہائینس راجہ صاحب تاہن رائے بہادر لالہ رام سرن داس صاحب اور ایسے ہی بہت سے دیگر اصحاب ہیں لیکن کوئی فواب یا کوئی اور بڑے مسلمان صاحب اراضی کسی تجارتی کمپنی میں شرکت کرنا اپنی شان کے خلاف تصور کرے گا انگلستان اور دیگر ممالک مغربیہ میں لارڈز اور دوسرے بڑے بڑے آدمی تجارتی کاروبار میں نمایاں حصہ لیتے ہیں لیکن من حیث القوم ہماری سمجھ ہی میں یہ بات نہیں آتی ہے کہ طبقہ متوسطہ کے تعلیم یافتہ اور کاروباری لوگوں کے ساتھ



ارباب دولت کے کام کرنے سے ایک قسم کی سادگاہ قائم ہوتی ہے جس کے بغیر بہت ہی تھوڑے تجارتی کاروبار ہوں گے جو شروع کئے گئے ہوں۔

حضرات! ہندوستان میں تعلیم عامہ کے ہم پلہ تعلیم نسواں کا مسئلہ بھی ہے آپ مجھ سے متفق ہوں گے کہ یہ ایک بڑا نازک مسئلہ ہے کیونکہ اس کا اثر ہندو اور مسلمان دونوں کی عزت مقدس رسوم پر پڑتا ہے یا پڑنے کا احتمال ہے۔ اختلاف آراء صرف اس سوال کے متعلق نہیں ہے بلکہ اس سوال کے متعلق بھی ہے کہ عورتوں کے درس کے لئے کس قسم کی کتابیں ہونا چاہئیں جو ان کے اور جماعت نسواں دونوں کے حق میں سودمند ہوں۔ پس اس سوال کے دو شعبے ہیں۔

(۱) یہ کہ طریق تعلیم کیا ہو؟ - (۲) نصاب تعلیم کیا ہو جو عورت کے لئے سودمند ہو؟ طریق تعلیم کے متعلق آزادی پسند جماعت کی توجہ راستے سے کہ جب تک پردہ کا رواج قائم رہے گا عورتیں تعلیم نہیں پاسکیں گی اور پاسکیں گی تو وہ تعلیم کافی نہ ہوگی۔ قدامت پسند یا وہ لوگ جو زیادہ صحیح طور پر کنٹرول کر سکتے ہیں اس کے باطن مخالفت ہیں کیونکہ اس سے پردہ کی جس کو وہ دل و جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں بے حرمتی ہوتی ہے۔ وہ اس امر کو نہایت تباہ کن سمجھتے ہیں کہ آزادی پسند جماعت کا یہ خیال ہو کہ زنانہ اسکول کی چار دیواری میں گویا اصلاح کی عیب کا گولا لٹکا جائے تجربہ اور بہترین استاد، زمانہ شاید بتلائے کہ ہم اپنے جسم کے بہترین حصے کو (عورت کو) کس طریق سے بہترین تعلیم دے سکتے ہیں۔ لہذا میں نہیں چاہتا کہ اس امر کے متعلق اپنے خیالات کے اظہار سے میں آپ کی سمیع خراشی کروں مگر صاحبان۔ ایک بات کا تو مجھے یقین واقع ہے کہ ہمارا مذہب صاف طور پر تعلیم نسواں کا حامد و معاون ہے طلب العلم فریضۃ علی کل مسلمہ و منسیلۃ۔ میں باور کرتا ہوں کہ اس امر میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے کہ عورتوں کو بھی مردوں کے پلو پہلو تعلیم دی جانی چاہئے گھر جہاں بچے پرورش اور تربیت پا کر مرد اور عورت بنتے ہیں اس طاقت کے لحاظ سے اچھو یا برے ہوتے ہیں جو وہاں عکس ہوتی ہے اور جو طاقت گھروں پر عکس لاتی کرتی ہے وہاں ہوتی ہے۔ سب سے پہلا اور بڑا معلم مثال ہوتی ہے اور یہ مثال ماں ہی کی ہوتی ہے جو ہمیشہ بچوں کے پیش نظر ہو کر رہتی ہے اور ان کی زندگی پر اس کا ہی اثر پڑا کر رہتا ہے۔ بچپن کے زمانہ میں جو بہت اثر پذیر اور تقلید کا زمانہ ہوتا ہے یہ ماں ہی کا رانچہ جس میں روزانہ جو فعلیات رہتا ہیں میں امید کرتا ہوں کہ میرا یہ کہنا بجا ہوگا کہ رنج باریخت، روشن دماغی یا جمالیات مزاج اور طبیعت اور عادت کے پسندیدہ یا ناپسندیدہ ہونے کا نتیجہ جن کے ساتھ ساتھ پرورش پاتا ہو ایک بڑی حد تک ان اختیارات کے استعمال پر ہوتا ہے جو عورت کو گھر کی خاص واداشت ملتا



حاصل ہوتے ہیں عورتیں ہمارے نیک بداروخ و راحت کی شریک حال ہو ا کرتی ہیں جب صورت حال یہ ہو کہ ہم مذہباً اخلاقاً و علمی قواعد کی روش سے واجب اور لازم ہو کہ ہم ان کو تعلیم دیں اور اس قابل بنائیں کہ زندگی میں وہ ہمارے لئے ایک رفیق اور ہمدرم ثابت ہوں اب سوال یہ ہو کہ وہ تعلیم کونسی ہو جو دی جائے حضرات! اگرچہ میں اس امر پر مخالفین تعلیم نسواں کے ہم رائے نہیں ہوں کہ عورتوں کو جغرافیہ کی اتنی تعلیم ہو کہ وہ گھر کے مختلف کمروں کو جان لیں یکمشری کی اس قدر کہ پانی کا ابلنا جانیں اور تیار کر کے اس قدر کہ لپٹے والدین کے مختلف رشتہ داروں کو معلوم کر لیں تاہم برخلاف اس کے میں اس تعلیم کا بھی سخت مخالف ہوں جو عورت کو اس کے دائرہ سے نکال دے یا اس کو گھر کی بارگاہی کو اس سے چھڑانے اپنی لڑکیوں کی تعلیم کے حکم میں من مذہبی تعلیم اور کمال مذہبی تعلیم کو سب اول جگہ دے گا اس کے بعد سینا پرونا سنون کاری اور خانہ داری کی تھوڑی تعلیم حفظان صحت کا علم ان کے علاوہ انگریزی سے بھی تھوڑی بہت واقفیت ہونا دو الی شیشیوں کے لبل اور دوسری ضروریات خانہ داری کی چیزوں کے ناموں کی شناخت ہو سکے۔

حضرات! اس بارے میں آپ کے کچھ ہی خیالات کیوں نہ ہوں کہ ہماری مستورات کے کس طرح پر تعلیم دی جائے اور میں جانتا ہوں کہ ابھی اس پر سب کا اتفاق رائے بھی نہیں ہوا ہے لیکن ایک شے کا مجھے یقین ہے جو وہ یہ کہ اگر آپ تعلیم نسواں کی مخالفت بھی کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے اصولاً بھی ہم کو یہ تعلیم دلا نا چاہئے اور اس کی طلب اور ہم رسائی کے اعتبار سے ہم پر لازم ہو کہ ہم تعلیم دلائیں۔ زمانہ اس کی تائید میں ہوا اور جس طرح ہم آبشار ٹکڑا کر روک نہیں سکتے اسی طرح ہم ان کی تعلیم کی بھی فراموشی نہیں کر سکتے۔ ترکی اور مصر میں پہلے ہی سے تعلیم نسواں کی بابت ایک فیصل شدہ تحریک ہو چو ہے ہندوستان میں بھی دیگر اقوام اس خصوص میں سرگرمی دکھلا رہی ہیں بنگال میں ہندوؤں نے اور حیدرآباد میں مسلمانوں نے اس میں بڑی ترقی کی ہے۔ بیہی اور مداس میں نوجوان لڑکیوں کی تعلیم کا خوب بندوبست ہو گیا ہے اور بھوپال میں علیا حضرت حکیم صاحبہ بھوپال کی فیاضی کی بدولت ایک بہت عمدہ درس گاہ نوجوان خواتین کے لئے جاری کی گئی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ مستورات کو تعلیم یافتہ بنانے کی مخالفت ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر ہم اس کی تعلیم کے نصاب میں مذہبی تعلیم کو سب اول جگہ دیں تو یہ مخالفت جاتی ہے گی۔

حضرات! ایک بات مجھے سب سے زیادہ ٹھنکتی ہے اور جس پر اس قدر غور نہیں کیا گیا جس قدر کہ وہ مستحق ہے۔ ہم اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ بہت سی ایسے طالب علم ہوتے ہیں جو میٹرکولیشن کا امتحان پاس کر لینے کے بعد بوجہ نمونے کا فی ذرائع کے تعلیم آگے جاری نہیں رکھ سکتے۔ ہم نے اپنی قوم کے ان نادار و مستطیع طلباء کی امداد کے لئے اب تک کچھ نہیں کیا۔ مسلمانوں کی بڑی ضرورت ہے کہ چند وظائف کا اہتمام کیا جائے جن سے غریب اور سخی طلباء کو مدد مل سکے۔ یہ ضرورت نہیں ہے کہ ہر ایک ہندوستان ل کر ایسے وظائف مقرر کرے اور اگر ایسا ممکن ہو تو مجھے کوئی وجہ مخالفت نہیں ہوگی۔ میں خیال کرتا ہوں کہ عملی طور سے زیادہ تر یہ ہو گا کہ ہر ایک صوبہ یا ضلع میں اس مطلب کے لئے علمی و علمیہ فنڈ ہوں۔ کام کرنے والوں کی ایک شریف جماعت



- نیز جن کا نام انجمن ترقی تعلیم امرتسر ہوا اس بارہ میں نہایت عمدہ تحریک جاری کی جو اور مجھے امید ہو کہ دوسرے اضلاع  
 میں بھی اس کی تقلید کی جائے گی اور جہاں جہاں آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس منعقد ہوا سو اس کا ایک  
 اثر ٹیٹ ایجوکیشنل فنڈ کے قائم کرنے کے متعلق وصولی چندہ کے لئے ایک کارکن کمیٹی کے قائم کرنے میں دیکھ ہو گا۔  
 اگر ہم اس کارکن کمیٹی کو مجھے یقین ہو کہ اپنی قوم کے تعلیمی درجہ کو دیگر اقوام کے پہلو بہ پہلو کرنے کے اہم مسئلہ میں ہم کامیاب بن گئے  
 ایک اور معاملہ بھی جو حق اسی طرح کم توجہ کی گئی ہے۔ یعنی علوم قدیمہ کی استواری جس کا حوالہ نمایاں طور سے حضرات ملک  
 معظم نے لکھتے ہیں یونیورسٹی کے ایڈریس کے جواب میں لیا تھا۔ یہ ایک ایسا مقصد ہے جس کے ترقی میں نے میں جیہت ایک قوم  
 ہم نے یا تو بہت کم جدوجہد کی جو بالکل ناگزیر بھی نہیں کیا۔ یہ کہا جاسکتا ہو کہ ہماری یونیورسٹی کے انفرادی مقاصد میں اس کو  
 بھی شامل ہونا چاہئے۔ لیکن کسی ملک میں بھی حتیٰ کہ ان ممالک میں جہاں یونیورسٹیاں بکثرت ہیں قدیم علوم کی اشاعت  
 کرنے کا کام یا اس قدر قدیم اور قدیم فلسفہ اور تاریخ کو ترقی دینے کا کام محض یونیورسٹیوں پر بلا امداد و معاونت نہیں چھوڑا  
 گیا۔ سو سائنس کا تعلیم گا میں، مدارس اور انجمنیں کس کے کام میں امداد اور تقویت دیتی ہیں۔ لیکن اس میں محسوس  
 ہو کہ ہمارے یہاں بھی کوئی ایسی سوسائٹی ہو یا اس کے پاس اس کام کے لئے سرمایہ ہو کہ مستلانیان علوم کے لئے توجہ  
 اور اخذ مطالب ہو وہ خزانہ علوم ہم سب کو چاہئے جو عربی یا فارسی یا سنہ میں یا نایاب قلمی نسخہ مات میں مجھے پڑے ہیں میں  
 سمجھتا ہوں کہ اگر ہم کوئی ایسی انجمن قائم کرنے کی سرگرمی کے ساتھ سعی کریں جو اس قدر مشرقیہ کے تراجم و اشاعت کا  
 کام کرے تو ہمارے یہ یہ کوشش حتیٰ بجا ہوگی۔ پنجاب میں سردار سندرن سنگھ جیٹھ کے سعی و کوشش سے اس قسم کی ایک  
 تحریک کی بنیاد پڑ گئی ہے۔ بنگال میں ہندوؤں کی ایک سمجھنا تھا پاریشاد نام کی قائم ہو رہی ہے۔ اس قسم کی  
 انجمن جو جس کی کامیابی را تا ہے اور بنگال جیسے اصحاب کے طفیل میں ہوئی ہو۔ الہ آباد میں نہایت مفید کام  
 یتیمی کے دفتر میں تراجم و طبع کے ذریعہ سے ہو رہا ہو، لیکن ہمارے یہاں اس قسم کی کوئی انجمن نہیں ہے۔  
 اے حضرات کانفرنس! میں نے آپ کا بہت سا وقت لیا جس کے لئے میں خجاستگار معافی ہوں اور آپ کا شکریہ ادا  
 کرتا ہوں کہ آپ نے صبر اور توجہ سے میری تقریر کو سنا جس کو میں صرف ایک بات اور کہہ کر ختم کرتا ہوں۔ آپ کا مقصد  
 و حقیقت نہایت اعلیٰ اور شریفانہ مقصد ہے۔ میری مراد اس مقصد سے ہو جو آپ اپنے ہم مذہبوں کی تعلیم کے لئے  
 سرانجام دے رہے ہیں تعلیم مثل غیرات کے ہوا اس کو برکت دیتی ہو جو اسے لیتا ہو یا دیتا ہو۔ مگر ساتھ ہی اس کے یہ  
 ایک ایسا مقصد ہے جس کے لئے اس کو تیار استقلال اور اس قوت ارادی کی ضرورت ہو جو ہم اس کے لئے  
 صرف کر سکیں، اور اس لئے میں دست بدعا ہوں کہ آپ کو ان مقاصد میں جو آپ کے پیش نظر ہیں اعلیٰ طور پر  
 کامیابی حاصل ہو۔



## اجلاس منعقدہ راولپنڈی میں منظور ہونے والی قراردادیں

اس اجلاس میں مندرجہ ذیل امور پر خاص طور پر بحث ہوئی اور یہ تجاویز منظور کی گئیں۔

- ۱۔ مدراس میں مسلمانوں کی تعلیم کے لیے اسکولوں کا قیام۔
  - ۲۔ کلکتہ کے مدرسہ کو اسلامی کالج بنائے جانے کی تحریک۔
  - ۳۔ کلکتہ یونیورسٹی کے اس فیصلہ سے اختلاف کیا گیا کہ وہاں ایم۔ اے۔ کلاسوں سے عربی اور فارسی کو ترک کر دیا جائے۔
  - ۴۔ راولپنڈی ڈویژن کے مسلمانوں کی درخواست برائے وصول یا بی چندہ (۳ پیسہ فی روپیہ) کی منظوری۔
- (”آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سوسال“ از امان اللہ خاں شیروانی، ص ۸۲، ۸۳)

# آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے ستوا سال

امان اللہ خان شیرانی

سابقہ پرنسپل

اسلامیہ کالج، اٹارہ

آنریری جوائنٹ سکریٹری  
آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس  
سلطات جہاد منزل ☆ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲



خبر

(۱۶۳ تا ۱۸۷)



# رپورٹ

متعلق اجلاس بست و ہشتم

آل انڈیا محمدن اینگلو اور نیشنل ایجوکیشنل کانفرنس

بمقام راولپنڈی

منعقدہ ۲۷، ۲۸، ۲۹ دسمبر ۱۹۱۳ء

جو حسب ہدایت نواب حاجی محمد اسحاق خاں صاحب آنریری سکریٹری

زیر نگرانی آفتاب احمد آنریری جوائنٹ سکریٹری مرتب کی گئی

باہتمام محمد متھلی خاں شرونی

انسٹیٹیوٹ پریس علی گڑھ میں طبع ہوئی

(اور صدر دفتر کانفرنس سے شائع ہوئی)

عکس سرورق: رپورٹ متعلق اٹھائیسواں سالانہ اجلاس ۱۹۱۳ء۔ آل انڈیا محمدن اینگلو اور نیشنل ایجوکیشنل

کانفرنس منعقدہ راولپنڈی، طبع علی گڑھ ۱۹۱۸ء



کچھ مخلص احباب اس فقیر کو ”جنونی“ کہتے ہیں۔ صاحب جنوں ہونا اپنی جگہ بہت بڑی بات ہے جس کا میں خود کو اہل نہیں پاتا۔ اس میں کلام نہیں کہ جب سے حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا دامن تھاما ہے، تحقیق و جستجو کے صحرا کی خاک چھانتا پھرتا ہوں۔ یوں سیلائی بھی کہہ سکتے ہیں۔ مقامی طور پر مواقع کچھ زیادہ نہیں پاتا، تو اکثر کراچی نکل جاتا ہوں۔ قائد ملت اسلامیہ حضرت علامہ شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۱۱ دسمبر ۲۰۰۳ء) کے غرس پر حاضری یقینی ہوتی ہے۔ اس بہانے کراچی کا قیام طویل ہو جاتا ہے جس میں مقتدر علمی شخصیات سے بالمشافہ شرف استفادہ کے ساتھ ساتھ لائبریریوں میں محفوظ نوادرات سے خوش چینی کی نعمت غیر مترقبہ میسر آتی ہے۔

اب کے جانا ہوا تو اکادمی آف ایجوکیشنل ریسرچ (ادارہ تصنیف و تالیف) کراچی کی مطبوعہ رپورٹ متعلق اجلاس بست و مشتم آل انڈیا محمد اننگو اور نٹل ایجوکیشنل کانفرنس بمقام راولپنڈی منعقدہ ۲۷، ۲۸، ۲۹ دسمبر ۱۹۱۲ء (مطبوعہ بار دوم ۲۰۰۳ء) دستیاب ہوئی۔ ۲۳۱ صفحات پر پھیلی یہ مستند رپورٹ بے حد قیمتی دستاویز ہے۔ کانفرنس کا بڑا مقصد متحدہ ہندوستان کے تلام صوبجات میں انگریزی اور جدید تعلیم کے ادارے قائم کرنے کے ساتھ معیاری اسلامی تعلیم گاہوں کا قیام بھی تھا۔ اس کانفرنس میں (۳۱) رزلوشن باتفاق آراء پاس ہوئے (رپورٹ صفحہ ۳)۔ اس رپورٹ میں سرحد اور پنجاب کے ہی نہیں ہندوستان بھر کے مسلمانوں کے تعلیمی احوال اور ضروریات کا احاطہ کیا گیا ہے۔

پیش نظر رپورٹ کے مطالعہ سے ایجوکیشنل کانفرنس کے ہمہ گیر اثرات کا پتا چلتا ہے۔ قارئین کرام کے لیے یقیناً آج یہ بات اچنبھے کی ہوگی کہ راولپنڈی اسٹیشن پر دوسرے ہم وطن افراد

(اہل ہندو سکھ) کی بڑی تعداد موجود تھی جنہوں نے صاحب صدر اجلاس اور تمام مہمانوں کا گرم جوش سے استقبال کیا، پھول برسائے۔ شہر میں جا بجا ان کی طرف سے آرائشی دروازے بنائے گئے تھے۔ اور مہمانان گرامی کی پان، مصری، لالچھی وغیرہ سے تواضع کی اور وہ کانفرنس کے تمام اجلاسوں میں برابر شریک رہے۔ صدر مجلس نے سکھ و ہندو صاحبان راوپلنڈی کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کیا اور دعا کی کہ خدائے تعالیٰ تمام باشندگان ملک کو اسی قسم کی یک جہتی اور باہم ہمدردی کی توفیق عنایت کرے جس کے جواب میں بابا اوجا گر سنگھ صاحب بیدی، آزریری مجسٹریٹ و سول جج راوپلنڈی نے حسب ذیل کلمات بطور اظہار تشکر ادا کیے۔

”فخر وطن پریزیڈنٹ صاحب و حاضرین جلسہ۔

میں مولوی صاحب سی۔ آئی۔ ای (خان بہادر سر رحیم بخش صاحب) کے اُن سنہری الفاظ کا (جو کہ آپ نے اہل ہندو شہر راوپلنڈی کے بارہ میں ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمائے ہیں) تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اے صاحبان آپ کی خدمت میں یہ ظاہر کر دینا ایک نئی بات نہیں ہے کہ ہمارے مذہب کے بزرگ ”بانی“ شری گوردانک دیوجی مہاراج کی پوتر ہدایت جو کہ انھوں نے ایک مرتبہ اپنی پرتہ یا ترا کرتے ہوئے ایک قابل عزت قاضی صاحب سے تذکرہ ہونے پر فرمائی جبکہ قاضی صاحب کا یہ سوال تھا کہ اے بابا نانک! کہیے۔ ہندو اچھے ہیں یا کہ مسلمان۔ اس وقت آپ نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ

اول اللہ نور اُپایا، قدرت کے سب بندے

ایک نور نے سب جگ اُجیا کون بھلے کون مندے

صاحبان آپ کو بخوبی روشن ہو گیا ہو گا کہ اہل ہندو سکھ قوم کے واسطے اسی پوتر اُپدیش پر چلتے ہوئے یہ ایک عجیب بات نہیں ہے کہ وہ اپنے وطن کے رکن اور اپنی ہمسایہ قوم کے لیڈر کو جو کہ ان کے شہر میں تعلیم کی ترقی کے نیک کام کو مد نظر رکھ کر



تشریف لاتے ہیں ان کا خیر مقدم کہنے کے واسطے کیوں اسٹیشن پر حاضر نہ ہوتے.....“  
یہاں اس بات کا تذکرہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایجوکیشنل کانفرنس کے قائدین کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ اپنے اجلاس میں اختلافی امور اور ایسی تقاریر سے اجتناب کریں جن سے ملی یک جہتی کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہو، تاہم ان موضوعات کو شرعی اور سیاسی بحث کے لیے دوسرے موقعوں پر اٹھا رکھا جاتا (رپورٹ ص ۱۹۰)۔

چوں کہ کوئی بھی قومی ادارہ یا کوئی بھی انجمن یا تنظیم روپے پیسے کے بغیر نہیں چل پاتی اس لیے کانفرنس کی جانب سے نہ صرف رؤساء، مخیر اور فیاض اصحاب سے اپیل کی جاتی بل کہ علما اور مشائخ کی توجہ ان قومی تعلیم گاہوں کی طرف مبذول کروائی جاتی کہ وہ بھی اس کام میں ہاتھ بٹائیں۔ رپورٹ کے صفحہ ۱۶۱ کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خان، آنریری جانٹ سیکریٹری آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس فرماتے ہیں۔

ہم کو اپنی قوم کے مشائخ اور علما سے مدد لینا چاہیے کہ اس امر کا علمی الاعلان فتویٰ دیں کہ اس ملک کے اسلامی باغ کے افراد کے دلوں دماغوں کو علم اور تربیت کے چشموں سے سیراب کرنا بہترین ذریعہ مغفرت اور حصول ثواب کا ہے نیز ہماری کانفرنسوں اور لوکل کمیٹیوں کو چاہیے کہ اپنے اپنے حدود میں قوم کی موجودہ پستی اور اُس کے اسباب اور علاج کو افراد قوم کے ذہن نشین کریں یہ کانفرنس سالہا سال سے اس خدمت کو انجام دے رہی ہے لیکن ایک آواز اس قدر بڑے ملک اور قوم میں سب جگہ اور سب کے پاس کیسے پہنچ سکتی ہے؟ ہر جمعہ کو مساجد کے وعظوں میں ہر سال عیدین کے خطبوں میں، امیر شریف اور دیگر متبرک مقامات کے عرسوں میں غرض کہ ہر جگہ اور موقع پر جہاں مسلمان خود اپنے عقائد کی بدولت جمع ہوتے ہیں وہاں انھیں خیالات اور حالات کی اشاعت ہو۔

صاحبزادہ صاحب کی مندرجہ بالا اپیل کے تناظر میں اگر علامہ شبیر احمد خاں غوری کے

مضمون کا مطالعہ کر لیا جائے تو دل چسپی اور معلومات کا موجب ہوگا کہ مولانا سلیمان اشرف محولہ رپورٹ سے بہت پہلے اسی راہ پر گامزن نظر آتے ہیں۔ بے غرضی اور فروغ علم کے مشن کے لیے تنہی کا جذبہ خیر مولانا ہی کا حصہ ہے۔ غوری صاحب مرحوم رقم طراز ہیں۔

مسلم یونیورسٹی میں اپنے فرائض منصبی کے دوران مولانا کے دینی و علمی معمولات میں سب سے اہم مصروفیت ہر سال عرس کے موقع پر حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ پر حاضری اور وہاں میلاد خوانی تھی، مگر حضرت مولانا کی دینی غیرت کہ یونیورسٹی سے مصارف سفر نہیں لیتے تھے اور نہ متولی درگاہ سے یہ الگ بات کہ اس میلاد کے ذریعہ یونیورسٹی کی کارکردگی اور پبلشری کے علاوہ اہل خیر کی جانب سے رقم کثیر یونیورسٹی کے چندہ کے لیے دی جاتی تھی۔

مطبوعہ رپورٹ سے کچھ صفحات کے عکس بطور ضمیمہ کتاب کے آخر میں شامل کرتے ہوئے ہم مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اس عہد ساز کردار کو ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں کہ ”ہندوستانی مسلمانوں میں تعلیمی بیداری پیدا کرنے اور انھیں جدید علم و فن سے واقف کرانے میں کانفرنس نے زبردست رول ادا کیا، آج کی نئی نسل اس عظیم تعلیمی، اصلاحی اور ثقافتی ادارے کے کارناموں سے قطعاً ناواقف ہے۔“ اور بقول امان اللہ خاں شیروانی، ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد مسلم نشاۃ الثانیہ کی تحریک میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا سب سے زیادہ حصہ رہا ہے۔ دراصل کانفرنس ہی علی گڑھ تحریک ہے۔ یقیناً کانفرنس نے تعلیمی اور معاشرتی اصلاح کے سلسلہ میں مسلمانوں میں بیداری پیدا کی۔ اس عہد آفریں کانفرنس کی اہمیت اور قدردانیت اس کے شرکائے محترم کی عظیم شخصیات کے کھض نام لینے سے اظہر من الشمس ہے۔ زرا غور تو کیجیے کہ کون کون نابھہ اس محفل کو رونق بخش رہا تھا۔ یہ ہیں مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد، صاحبزادہ سر عبدالقیوم بانی اسلامیہ کالج پشاور، مولوی محمد حبیب الرحمن خاں شروانی، بابائے اردو مولوی عبدالحق، خواجہ کمال الدین۔





## مولانا محمد علی جوہرؒ

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس راولپنڈی ۱۹۱۴ء میں دیگر مندوبین کے ساتھ (بائیں سے دائیں کرسیوں پر): ۵ صاحبزادہ سر عبد القیوم بانی اسلامیہ کالج پشاور ۷ مولانا ابوالکلام آزاد کے خواجہ کمال الدین ۸ مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کارروائی اجلاس بست و ختم

آل انڈیا محمدن انسنگلو اور نیل ایجوکیشنل کانفرنس

منعقدہ بمقام سرولینڈی (پنجاب)

اجلاس اول

منعقدہ بتاریخ ۲۷ دسمبر ۱۹۱۲ء یک شنبہ بوقت کنسل بجے دن سے ایک بجے تک

پریزیڈنٹ

عالی جناب خان بہادر مولوی حاجی رحیم بخش صاحب سی۔ آئی۔ اے۔ پریزیڈنٹ

کنسل آف انجینیئر ریاست بہاولپور



اجلاس کا وقت سابقاً آٹھ بجے تجویز ہوا تھا مگر سرولینڈی کی سردی کا خیال کر کے وقت بدل دیا گیا اور کنسل بجے دن کا وقت مقرر کیا گیا۔ وقت مقررہ کے قبل ہی تمام کسج پنڈال ممبران و ڈیڑھران سے



میں ہو گیا تھا۔ ساٹھ تین سو سے زائد معزز قریباً پانچ سو فیٹ اور ڈیڑھ سو کے قریب آنریری و ڈیڑھ ٹریک اجلاس  
تھے باوجود سفر دور دراز و سخت سردی کے اکثر معززین و کارکن قوم اس اجلاس میں تشریف فرما تھے  
یوہین اصحاب میں سے کرنل یوہیم بنگ کشتراؤ لپنڈی، سر میراڈ کٹشن کمانڈنگ آفیسر کیشراؤ لپنڈی  
ڈویژن، صاحب پٹی کشتراؤ لپنڈی، مشر ایل ٹینگ صاحب ایم اے پرنسپل اسلامیہ کالج پشاور صاحب  
سپرٹنڈنٹ پولیس۔ پرنسپل صاحب بن کالج نے اپنی شرکت سے اجلاس کو رونق بخشی۔ ماسٹری یورپین خسترا  
کے اکثر بڑا اور ان اہل ہنر و حکم ہر اجلاس میں برابر شریک ہو کر کارروائی ملاحظہ کرتے تھے۔

ساٹھ دس بجے عالی جناب خان بہادر مولوی حاجی رحیم بخش صاحب سی۔ آئی۔ اسی پنڈال میں  
رونی افروز ہوئے حاضرین نے تظاہر و قدسیادہ ہو کر پرچوس نعرہ داتے مسرت و چیز کے ساتھ  
خیر مقدم کیا۔ ڈانس پر عمران ریشن کیشی اور دیگر معزز اصحاب تشریف رکھتے تھے جن میں سے چند بزرگوں کے  
اساتذہ گرامی ذیل میں درج ہیں۔

- ۱۔ عالی جناب اب کپتان ملک محمد مبارز خان صاحب لڈز میں شاہ پور
- ۲۔ عالی جناب نربیل محمد امین صاحب میں صنلع کیمپل پور
- ۳۔ عالی جناب صاحب جزدادہ عبدالقیوم خان صاحب سی۔ آئی۔ اسی
- ۴۔ عالی جناب جنرل عبدالرحمن خاں صاحب بدول پور
- ۵۔ عالی جناب مولوی محمد صبیح الرحمن خاں صاحب کوٹلی میں علی گڑھ
- ۶۔ عالی جناب نربیل سید رضا علی صاحب کیکل مراد آباد
- ۷۔ عالی جناب مشر محمد علی صاحب جی۔ اے (اگس)
- ۸۔ عالی جناب مشر شوکت علی صاحب جی۔ اے
- ۹۔ عالی جناب مولوی ابوالکلام صاحب زادہ جملوی
- ۱۰۔ عالی جناب مولوی عبید اللہ صاحب غلام ظہار العارف القرانیہ دلی
- ۱۱۔ عالی جناب مولوی عبدالحی صاحب جی۔ اے سکریٹری انجمن ترقی آزادو
- ۱۲۔ عالی جناب مشر ایل ٹینگ صاحب پرنسپل اسلامیہ کالج پشاور
- ۱۳۔ عالی جناب مولوی بشیر الدین صاحب ڈیڑھ خیل بشیر آباد



- ۱۴۔ عالی جناب میرزا حسین صاحب ٹی پی جوہر ٹی نزل گڑھ۔  
 ۱۵۔ عالی جناب مولوی سلیمان اشرف صاحب پروفیسر دینیات مدرسۃ العلوم علی گڑھ  
 ۱۶۔ عالی جناب مولوی الفہین صاحب پبلیک ٹیچر پور  
 ۱۷۔ عالی جناب مولوی نثار علی صاحب کیمپٹر مدراس لاہور سرگرم

## آغازِ کارِ رِوائی

دس بجکر ۴۵ منٹ پر جلسے کی کارروائی شروع ہوئی۔ سب سے اول مولوی سلیمان اشرف صاحب پروفیسر دینیات مدرسۃ العلوم علی گڑھ نے تینا و تیر کا قرآن کریم کی چند آیات خوش الحانی کے ساتھ تلاوت فرمائیں۔ دو راتیں تلاوت میں جملہ حاضرین تعظیماً اساتذہ ہیں۔ اس کے بعد جناب الہ اکبر خان ملک محمد بلرزغال صاحب ٹیچر سرس شاہ پور نے جنیت پر ریڈن استقبال کمیٹی اپنا ملبوم و مایڈیس پڑھا جو ذیل میں صبح کیا جاتا ہے۔

ایڈیس پریزیڈنٹ صاحب ریڈن کمیٹی آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس

## راولپنڈی

حضرات! سب سے پہلے مجھے استقبال کمیٹی کا شکریہ ادا کرنا لازم ہے کہ کمال مرہانی سے مجھے کمیٹی پریزیڈنٹ منتخب کیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی مجھے اپنے ان مکرم و معزز احباب کا جو استقبال کمیٹی کے عمر میں آپ حضرات کے سامنے شکوہ بھی کرنا ہے کہ انہوں نے میرے انکار پر جو میں نے اس طویل القصد منصوبے قبول کرنے سے بابا اوتان کے سامنے پیش کیا۔ مطلق التفات مذکور مسلسل طور پر اصرار کرنے سے مجھے اس خدمت کو اپنے ذمہ لینے پر مجبور کیا۔ بلاشبہ امر میرے لئے نہایت فخر اور شکر گزاری کا موجب ہے اور میں سچے دل سے اس عزت کی قدر کرتا ہوں۔ میرا انکار اس بنا پر نہیں تھا کہ ایک قومی خدمت کے ادا کرنے میں ہجے ہائل تھا میرے انکار کی اصلی وجہ یہ تھی کہ تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی اس عظیم الشان قومی تعلیمی مجلس کی استقبال کمیٹی کا پریزیڈنٹ ہونے کا اپنی علمی بے بضاعتی کی وجہ سے میں اپنے آپ کو اہل



نہیں سمجھتا تھا اور اب جب میں اپنے آپ کو اپنی قوم کے تعلیم یافتہ اصحاب علماء کی اس محترم مجلس کے  
 سامنے کھڑا ہوا دیکھتا ہوں۔ تو اپنی حالت کو اس قطرہ باران کی مانند پاتا ہوں جس کو سمندر میں جا کر  
 گرنے کی ہدایت کی جاتی ہو اور اپنی بے انگلی کو اور بھی زیادہ محسوس کرتا ہوں، ہاں مجھ میں اپنی اس  
 خوش قسمتی کا ممنون احسان ہوں کہ جو کام میرے سپرد کیا گیا ہو وہ آسان ہونے کے ساتھ ہی انتہائی  
 خوش گوار ہے کہ مجھے آپ صاحبان کا آل انڈیا محمدان ایجوکیشنل کانفرنس کے اس اٹھائیسویں اجلاس میں  
 راولپنڈی تشریف فرما ہونے پر آپ کا خیر مقدم کنا ہے اور آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں جس میں نہایت مودبانہ  
 طور پر ان نہایت صدق اور جوش کے ساتھ اپنا اور مسلمانانِ قلمت راولپنڈی کا دلی خیر مقدم آپ کی خدمت  
 میں عرض کرتا ہوں۔ باقی رہا آپ کا شکریہ ادا کرنے کا سوال۔ اس کی نسبت میں چند الفاظ گزارش کر سکیں  
 اجازت چاہتا ہوں آپ کی یہ بزرگ تعلیمی مجلس اس سے پیشتر ۲۰ اجلاس ہندوستان کے مختلف مقامات  
 پر کر چکی ہے۔ لیکن ان تمام مقامات میں جیسے کہ دہلی، تھلکے، بمبئی اور کراچی وغیرہ میں کچھ تاریخی یا مقامی  
 دل چسپاں اور دل فریبیاں بھی موجود تھیں اور کہا جاسکتا ہے کہ وہ خاص اسباب بھی ممبران کانفرنس کو  
 ان مقامات کی طرف کش کرنے کا باعث ہوئے ہونگے۔ لیکن راولپنڈی کسی ایسے قسم کی دلکش خصوصیت  
 سے خالی ہے، اور اگر اس میں کوئی امتیاز ہے تو صرف یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کی ایک ایسی کثیر آبادی کا مرکز ہے  
 جہاں جہالت اور بے علمی کی گہری تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ قلمت راولپنڈی کی آبادی کی کیفیت کو ملاحظہ  
 فرمائیے۔ تمام ڈویژن میں ۳۳ لاکھ کی آبادی ہے جن میں سے ۲۹ لاکھ مسلمان ہیں۔ اسی طرح ہماری  
 قلمت ملتان میں ۲۸ لاکھ میں سے ۳۰ لاکھ مسلمان ہیں۔ گویا برٹش پنجاب کے مسلمانوں کی ایک کروڑ و ۱۰ لاکھ  
 کی آبادی میں سے ۹۰ لاکھ مسلمان ان دونوں قلمتوں میں آباد ہیں پھر ہمارے ڈویژن کے ایک جانب بہ  
 سرحدی ہے جہاں قریب قریب تمام مسلمان آباد ہیں اور دوسری جانب ریاست کشمیر ہے جس میں تقریباً  
 ۹۵ فی صدی مسلمانوں کی آبادی ہے۔ لیکن ان علاقہ قریات کے مسلمانوں کی تعلیمی حالت نہایت زبردست  
 طور پر پست ہے جس کی تفصیلات آپ کو اپنے اجلاس کی کارڈ ایٹوں کے دوران میں معلوم ہونگی، مگر جہاں ہرگز  
 علاقہ اور ہماری ہمسایہ سرزمین میں جیسے کہ میں نے کہا ہے، جہالت اور بے علمی کا امتیاز ہے۔ وہاں آپ کو یہ  
 بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ اس تمام علاقہ کے مسلمان باشندگان کو قدرت نے جو جسمانی اور ذہنی خصوصیات  
 عطا فرمائی ہیں ان کے لحاظ سے بھی وہ ایک خاص حق امتیاز رکھتے ہیں آپ صاحبان کو معلوم ہو گا کہ



ہماری سلطنت کی افواج قاہر ہیں مسلمان سب سے زیادہ راؤ لینڈ می ڈویژن اور صوبہ سرحدی کے ہیں۔ اور  
اسی طرح کشمیری دباغوں کے جوہر کسی سے مخفی نہیں ہیں جس قدر کہ اس علاقہ کے مسلمانوں کی تعلیمی حالت  
ردی ہو اور جس قدر کہ اس نواح کے مسلمان تعلیم و تربیت سے قوم کے لئے مفید افراد بنائے جاسکتے ہیں۔ اسی  
آپ صاحبان کا جو اس حصہ کے مسلمانوں کی تعلیمی حالت پر غور کرنے اور ان کی ترقی تعلیم کی تدابیر سوچنے  
کے لئے تشریف لائے ہیں، ہمارے شکریہ اور احسانندی پر زیادہ حق ہو۔ حقیقت کانفرنس کا یہ اجلاس  
جو راؤ لینڈی جیسے بیکے مقام پر منعقد ہوا ہے جہاں سرحدی زیادہ ہے اور اس کے ایک گوشہ ملک میں واقع  
ہونے کی وجہ سے سفر کی تکلیف بھی زیادہ برداشت کرنی پڑتی ہے تعلیم یافتہ مسلمانان ہندوستان کی قومی  
ہمدردی کے امتحان کا ایک موقع ہے اور اس امر کا ثبوت ہم پہنچانا ہے کہ قوم میں ایسے پاک اور ہمدرد نفوس  
کس قدر ہیں جو ایک ایسے مقام پر جہاں یہ وقفہ کا کوئی سامان کشش کرنے والا نہیں ہے محض اپنے پس منڈ  
مجاہدوں کی بھلائی کی خاطر بہت سی تکالیف برداشت کرنے کے لئے تیار ہو کر آئے ہیں۔ خدا دیکھے آپ کو  
اس کی جزائے خیر ہے۔

اے صاحبان! آفتاب جب نکلتا ہے تو نہ صرف پہاڑوں اور میدانوں ہی کو روشن کرتا ہے۔  
بلکہ غاروں اور خندقوں میں بھی روشنی پہنچاتا ہے، اور اس دفعہ اگر محمدان یوگیشنل کانفرنس کے آفتاب نے  
اپنی پوری روشنی ڈالنے اور گرمی کا فیض پہنچانے کے لئے ہماری اس تاریک اور سرد سرزمین کو مستحق کیا  
ہے تو ہم اس احسان کی دست اور عظمت کو بخوبی سمجھتے ہیں اور اس کا کافی شکریہ نہیں ادا کر سکے، جو لوگ  
کانفرنس پر براعتراض کرتے ہیں کہ اس نے عملی کام کچھ نہیں کیا وہ صرف تہی بات بگھنے سے قاصر ہیں، مگر  
بچ بٹلنے سے پہلے زمین کو تیار کرنا ضروری ہے، اور یہی سب سے زیادہ محنت کا اور دشوار کام ہے ہم کو اس میں  
کچھ شک نہیں ہے کہ جہاں جہاں قوم کی تعلیم کی کھیتیاں اچھی طرح بار آور ہو رہی ہیں، وہ زمینیں کانفرنس  
ہی کے ترو سے تیار ہوئی ہیں، اور ہم کو یقین ہے کہ ہماری خوش قسمتی سے اس دفعہ ہماری سرزمین کی باری  
آئی ہے اور اگر ہماری زمین اچھی ہو تو خدا کی مہربانی سے آپ لوگوں کے کہ یہ کھیتیاں کیا اچھا پھل لائیں گی  
اور کانفرنس کی ہر سعی کیسی مشکور ثابت ہوگی۔

ہمارے حکام عالی مقام نے کانفرنس کے اس اجلاس کے متعلق جو دلی ہمدردی اور مہربانی کا اظہار  
فرمایا ہے اس کا خاص طور پر شکریہ ادا کرنا ہمارے لئے لازمی ہے۔ ہم نے عالی جناب ہر آنرز ناب خشت گورنر



بہادر پنجاب کی خدمت بابرکت میں اجلاس کانفرنس میں رونق افروز ہونے کی گزارش کرنے کے لئے عرض  
پیش کرنے کی جدت کی تھی جس کے جواب میں جناب مدوح کے پرائیویٹ سکرٹری صاحب بہادر نے  
حسب ذیل نوازش نامہ تحریر فرمایا ہے کہ "میں نے آپ کے عزیز مورخہ اردمبہ کو بہتر نواب لغت گورنمنٹ  
کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ اس کے جواب میں جناب موصوف نے اس امر کی آپ کو اطلاع دینے کی ہدایت  
فرمائی ہے کہ بہتر آپ کی دعوت کی دل سے قدر فرماتے ہیں اور کانفرنس کی کاروائیوں کو جس کی اغراض  
کے ساتھ ان کو ہر ایک قسم کی پوری ہمدردی ہے، گہری دلچسپی سے ملاحظہ فرماتے رہیں گے۔ لیکن جناب مدوح  
کو انوس ہے کہ کمرس کے ہفتہ کی لاہور کی سابقہ شدہ مصروفیات کی وجہ سے بہتر اجلاس کانفرنس  
میں شرکت نہیں فرما سکیں گے۔"

جناب کرنل پوپم نیگ صاحب بہادر تسی۔ آئی۔ اے۔ کشتراولینڈی ڈویژن نے صرف اجلاس کانفرنس  
کو اپنی تمولیت سے زینت بخشنے ہی کا وعدہ نہیں فرمایا، بلکہ کمال مہربانی سے ممبران کانفرنس سے ملاقات  
کرنے کے لئے ان کو اپنے دولت خانہ پر گارڈن پارٹی کے لئے مدعو فرمایا ہے۔ جناب مشرینوف صاحب بہادر  
ڈپٹی کشتراول مشرچلم صاحب بہادر سپرنٹنڈنٹ پولیس راولپنڈی نے نہایت ہمدردی سے ہر طرح کی  
اہداف فرمائی ہے، اور ایسے ہی اعلیٰ افسران فوج مثلاً جنرل سرجی کشن صاحب بہادر کاندھلنگ سیکٹار راولپنڈی  
ڈویژن اور دیگر صاحبزادگان جنرل بلیر صاحب بہادر اسٹنٹ ڈائریکٹر سیلابی و ٹرانپورٹ و میجر ونگ  
صاحب بہادر گنڈیٹنٹ جو مشرینٹ نے بڑی کشادہ دلی سے ہم کو بہت قیمتی ہمدردی ہے، اور ان سب اصحاب کا  
میں اپنی اور سرپرست کی کمی کی جانب سے تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

میں ایک برسی روز گذشتہ کے گناہ کا مجھ پر چھٹا اگر اس موقع پر میں اپنے ہندو اور سکھ بھائیوں اور  
پادری صاحبان اور افسران سرحدتہ تعلیم کا شکریہ خاص طور پر ادا کر دوں۔ یہاں سے ہمانوں کے قیام کے لئے  
ڈی۔ آے۔ ڈی۔ ہائی اسکول مشن ہائی اسکول۔ خالصہ ہائی اسکول۔ ڈینس ہائی اسکول۔ گورنمنٹ ہائی  
اسکول اور نادرل اسکول کی عمارتیں استعمال کے لئے یہاں سے حوالہ کر دی گئی ہیں، اور جس شوق اور محنت سے  
ہمارے ہندو عزیز کام کر رہے ہیں، اور کل ریلوے اسٹیشن پر اور شہر میں ہماری کانفرنس کے محترم پریزینٹ  
صاحب کے استقبال میں جس جوش اور ہمدردی سے ہمارے ہندو بھائیوں نے حصہ لیا ہے، اس کو ہم کسی  
فراشوش نہیں کر سکیں گے۔



مجھ کو اپنے دوست اے صاحب ذاکر ان دنوں صاحب کا بھی خاص شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ  
اپنی خدمات ملتی ادا کرنے کے بلا معاوضہ ممبران کانفرنس کی زندگی ہیں۔  
مجھ کو اندیشہ ہے کہ میں نے آپ کا بہت ساقی وقت لے لیا ہے۔ میں نے مسلمان بھائیوں  
ممبران استقبالیہ کمیٹی اور دیگر اصحاب کا شکریہ ادا کرنے کے کام کو آپ کی کمیٹی کے سرکاری کے ذمے  
چھوڑنا چاہوں، اور آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہوں کہ خداوند کریم و رحیم کا نام لے کر آپ اپنے کام کو میری  
اس دعا کے ساتھ شروع فرمائیں، کہ وہ مجیب الدعوات آپ کی ان ساری حسنین میں برکت بخشے، اور آپ کی  
آئینہ دل سے ہر امر ان کو کامیاب ثابت کرے۔

ایڈریس ختم کر کے ملک صاحب مدوح نے مناسب الفاظ میں تحریک کی کہ جناب الامامی رحمہ اللہ  
صاحب پریذیڈنٹ کونسل جہاں پور اجلاس کانفرنس کے صدر منتخب کئے جائیں جناب حاجی غلام حسین  
صاحب سرکاری انجمن حمایت اسلام لاہور نے اس تحریک کی تائید کرتے ہوئے فرمایا کہ۔

”ہمارے محترم بزرگ قوم جناب ملک سائے انتخاب صدر کی جو تجویز پیش کی ہے وہ نہایت  
”مبارک متحسن ہے، جناب مولانا حاجی رحیم بخش صاحب ایک ایسے مشہور مجدد و قوم بزرگ ہیں کہ جن کے  
”دعا و صاف مجدد کا ذکر آپ صاحبان کے سامنے کرنا تحصیل حاصل ہے۔ آپ کی ذات بابرکات  
”مسلمانوں کے لئے مغفبات میں سے ہے جناب مدوح کو مسلمانوں کی عام بہبودی کے کاموں کے  
”ساتھ بالعموم اور مسلمانوں کی تعلیم کے ساتھ بالخصوص گری ہمدی اور دھچپی ہے، اور جس طرح جی  
”کے ساتھ جناب مدوح قومی بہبود کے کاموں میں معاونت فرماتے ہیں وہ سب پر روشن ہے، انہ  
”دہم انور کے محاذ سے ہمارے لئے موجب فخر ہے کہ ایسے بزرگ قوم اس کانفرنس کے صدر منتخب ہوں۔  
”حاجی صاحب موصوف نے جس قدر ملی مدد اس وقت تک مختلف کمیٹیوں کی اپنی ذات خاص  
”کے سے ہے یا اسلامی ریاست سے دلائی ہے وہ ہر طرح سے قابل تحسین و لائق افزہ ہے۔ میں یقین کرتا  
”ہوں کہ آپ صاحبان میری اس آئینہ کے ساتھ شریک ہونگے کہ جناب حاجی صاحب کی توجہ سے  
”آئینہ اس سے بڑھ کر قومی کاموں میں امداد ملتی رہے گی۔ چونکہ اب کانفرنس کا کام شروع کرنا ہے  
”اس لئے میں اس دعا کے ساتھ اس تحریک کی تائید کرتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ مدوح کو عمر و راز عطا



”فرمائے اور درخواست کرتا ہوں کہ جناب مدح کرسی صدارت پر دفن افزہ ہوں۔۔۔۔“  
 جملہ حاضرین نے انتخاب صدر کی تجویز کو نہایت مسرت کے ساتھ قبول کیا اور جناب حاجی صاحب نے  
 چیرکی آوازوں میں صدارت کی کرسی کو زینت بخشی اس موقع پر منشی غلام محمد صاحب دہم کشمیری نے  
 دو رباعیاں پڑھیں جس میں سے ایک باہمی ذیل میں ترجیح ہوئے

آغاز تیرے نام پر ہوا ہے رحیم بخش      درمادہ اس گروہ پر فیض عظیم بخش  
 دنیا میں ہم کو علم کی دولت کونساں      اور عاقبت میں بخش جنت نعیم بخش

حاضرین رباعی کا طعن حاصل کر ہی رہے تھے کہ وجہ الاحترام صاحب صدر نمبر اپنا ایڈریس پڑھنے  
 کے لئے کھڑے ہوئے اور ایڈریس کے زبان انگریزی میں ہونے کی معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ :-

”حضرات! اگرچہ میرے دوست صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب اور قاضی برج الدین احمد  
 ”صاحب مجھ سے خفا ہیں مگر میں کہ میرا ایڈریس اردو میں ہوا اور غالباً اس وجہ سے کہ میں نے یہ  
 ”ایڈریس انگریزی میں لکھا ہے یہ صاحبان مندرجہ ہونے لیکر میں معافی چاہتا ہوں کہ خاص مصلحت ہے  
 ”مجھے ایسا کرنا پڑا۔ ایسی شاندار کانفرنس کے لئے ایڈریس انگریزی میں ہونا ضروری تھا مگر میں آپ  
 ”صاحبان سے عرض کروں گا کہ ہر گم صلی کے جو غلطیاں مجھ سے سرزد ہو جائیں آپ معاف فرمائیں گے  
 ”میں نے انگریزی بول چال میں پڑھی ہے۔ مگر شکر کرتا ہوں کہ بڑے حاطو عالمی نہیں ہوں۔۔۔۔“  
 انگریزی ایڈریس کا ترجمہ ذیل میں دیں کیا جاتا ہے :-

## ترجمہ تقریر صدارت

خواتین و حضرات!

ایسے لمحے ہی انسان کی زندگی میں آتے ہیں جبکہ اس کو اس کام یا فرض کی انجام دہی کے متعلق جو  
 اس پر عامہ ہوتا ہو اپنی دماغی ناقابلیت کا سب سے زیادہ احساس ہوتا ہو۔ اس وقت میرے اوپر بھی ایسا  
 یا تقریباً ایسا ہی حس غالب ہے اس پندل میں جو سرسید صاحب سے نیک خدا و عاقل و ذوالانوار اب  
 محسن الملک جیسے روشن ذہن و بلیغ وراثت انزلی سید لبرٹی جیسے برگزیدہ فرزند ہندوستان و متنازعین،  
 مولوی نذیر احمد صاحب جیسے جید عالم و نواب حامد الملک جیسے فاضل و اہل الراے اور ہمارے پنجاب کے

# اجلاسِ روم

یوم یکشنبہ بتیخ، ۲ دسمبر ۱۹۱۲ء وقت ۳ بجے پہرے ۵ بجے  
زیر صدارت عالی جناب خان بہادر حاجی مولوی رحیم بخش حساسی آئی۔

آنریبل ممبر جسٹس شاہ دین صاحب آنریبل خواجہ غلام الحقین صاحب در حاجی مولوی محبوب عالم صاحب  
ایڈیٹر ایڈیٹر کے تار آفریدی جانتے سکریٹری کانفرنس نے جلسہ میں پڑھ کر سنا جن میں عدم شرکت اجلاس  
کانفرنس پرائس اور کانفرنس کے اجلاس کی کامیابی کی دعا کی گئی تھی۔ نیز نذر نواب لغٹ گورنر بہادر پنجاب  
پرائس سکریٹری کی چٹی بھی پڑھی جس کا ترجمہ ذیل میں دیے کیا جاتا ہے:-

گورنٹ ہاؤس، لاہور

مورخہ ۱۳ دسمبر ۱۹۱۲ء

مہربان من - میں نے آپ کی چٹی مورخہ ۱۳ دسمبر ۱۹۱۲ء کو ملاحظہ کیا ہے جس کے جواب  
میں مجھے ہدایت ہوئی ہے کہ میں آپ کو مطلع کروں کہ نذر نواب محمد علی آپ کے دعوت نامہ پر اظہار خوشنودی فرماتے ہیں  
حضور جمع کو کانفرنس کے اغراض و مقاصد کے ساتھ کمال ہمدردی اور اس کی کارروائیوں کو بغایت دلچسپی  
ملاحظہ فرمائیے لیکن انفس و کر تعطیلات کر سس کے موقع پر چونکہ سابق کی قراردادہ مصروفیات میں اس لئے  
موجود اجلاس کانفرنس میں شریک نہ ہو سکتے۔

آپ کا وفادار

ایس۔ سی۔ بیلی

(دستخط)

لغٹ کرنل  
پرائس سکریٹری



# اجلاس سوم

یوم یکشنبہ بوقت ۸ بجے شب

زیر صدارت مولوی حبیب الرحمن خان صاحب شہوانی

آنزیری بائٹ سیکرٹری نے بیان کیا کہ اس جلسہ کیلئے مولوی حبیب الرحمن خان صاحب شہوانی صاحب  
تجزیہ جوئے میں لیکن وہ ابھی تک تشریف نہیں لائے اور وقت ہو گیا جو اس نے میں ہستہ مارا تاہم چون کہ  
مولوی بشیر الدین صاحب اس جلسہ کے صدر قرار دے جائیں۔ یہی ہے اس تحریک کی تائید کی اور مولوی صاحب  
موصوف صدر جلسہ ہوئے۔ اس کے بعد جناب مولوی عبد اللہ صاحب ناظم نقارۃ المعارف دہلی نے تقریبا  
ایک گھنٹہ تک وقفہ فرمایا۔

مولانا موصوف کا وقفہ ختم ہونے پر مسٹر شوکت علی صاحب نے مولانا کا شکریہ  
ادا کرتے ہوئے ایک خوشامیابی تقریر کی اور اثناء تقریر میں اس قسم کے خیالات کا اظہار  
کیا جو آنزیری بائٹ سیکرٹری کا فرض کی رائے میں کافر نس کے لطیف فارم کے موزون  
نہ تھے۔ اس نے آنزیری بائٹ سیکرٹری نے صاحب صدر جلسہ سے درخواست کی کہ  
مسٹر موصوف کو اس قسم کی تقریر سے روکا جائے اور عرض کیا کہ اگر نہ روکا گیا تو اس کی  
فہم واری آئے ہوگی۔ اسی عرصہ میں جناب مولوی محمد حبیب الرحمن خان صاحب شہوانی  
رقمیں جسے کم پور دہلی گڑھ، تشریف لے آئے جو تقریر سیکنشن کے اجلاس کی صدارت فرما  
والے تھے۔

مولوی بشیر الدین صاحب صدر جلسہ خان صاحب ممدوح کی تشریف آوری پر  
کرتی صدارت سے ممدوح ہو گئے۔ اور اس طبع سرج جو کا مددائی اس وقت پہنچ ہی تھی وہ  
ختم ہو گئی۔

مولانا ممدوح کے کرتی صدارت پر تشریف فرمانے کے بعد اہل مولوی عبدالحق صاحب بی بی  
سکرٹری جنین قری قریب ۱۵۰۰ انجین کی سالانہ رپورٹ پڑھ کر سنائی جو حسب ذیل ہے۔



## اجلاس چہارم

منعقدہ تاریخ ۱۹ دسمبر ۱۹۷۹ء دس بجے دن سے ایک بجے دن تک

زیر صدارت عالی جناب خان بہادر مولوی حاجی رحیم بخش صاحب سی۔ آئی۔ ای۔

سب سے پہلے حاقہ محمد سعید صاحب نے کلام پاک کی ایک سورۃ خوش الحانی کے ساتھ تلاوت کی۔ اسکے بعد صاحب صدر نے فیق وقت کی وجہ سے یہ قرار دیا کہ رزولوشن کے محرکین کو دس منٹ اور موئیدین کو پندرہ منٹ تقریر کے لئے دئے جاتے ہیں اور مولوی بشیر الدین صاحب کو براڈنشل محمد ایجوکیشنل کانفرنس صوبہ متحدہ کی رپورٹ پڑھنے کیلئے آدھ گھنٹہ دیا جائے اور فرمایا کہ ”مقررین اپنے موضوع سے تجاوز نہ فرمائیں گے علاوہ انہیں دو باتوں کا خاص طور سے لحاظ رکھا جائیگا۔ اول یہ کہ اگرچہ کانفرنس ایک اسلامی انجمن ہے لیکن یہاں شرعی فتاویٰ کی بحث کا ہرگز موقع و محل نہیں ہے۔ اس قسم کی بحث دوسرے مناسب موقع پر ہونا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ کانفرنس ایک تعلیمی مجلس ہے اسلئے پالیٹکس اور سیاسیات کے متعلق بھی کوئی بحث نہ کیا جائے اور نہ کوئی ایسی بات ہونا چاہئے کہ جسکی وجہ سے اختلافات پیدا ہوں کانفرنس اپنے دائرہ عمل کے اندر

نہایت مفید تعلیمی خدمت انجام دے رہی ہو اور جہاں جہاں اسکے اجلاس ہوتے ہیں وہاں کے مسلمانوں میں تعلیمی تحریک کو بہت کچھ تقویت پہونچی ہو اسلئے کانفرنس میں ایسے خیالات کا اظہار جن سے اختلافات پیدا ہوں اور جو متفقہ ہونے والی اپنی حالت پر تبادلہ خیالات اور ضروری کارروائیوں کا تسلسلہ وہاں سے نہ جاتا ہو جو کام ہکوار کے پروگرام کے لحاظ سے درپیش ہیں انکو باصن وجود انجام دینا چاہئے۔ کوئی صاحب بڑا نہائیں کسی مقررہ کارروائی کے علاوہ کسی جدید امر کے پیش کر نیکی اجازت نہیں دی جائے گی جو کام آج کے لئے ضروری ہو ہی ہونا چاہئے پس اب میں مولوی بشیر الدین صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنی رپورٹ پڑھ کر نکلیں چنانچہ مولوی بشیر الدین صاحب بحیثیت سکرٹری براڈنشل محمد ایجوکیشنل کانفرنس صوبہات ممالک متحدہ اپنی رپورٹ پڑھنے کیلئے اٹھے لیکن قبل اسکے کہ موصوف رپورٹ پڑھا شروع کر س صاحبزادہ آفتاب محمد خاں صاحب نے مولوی صاحب موصوف کا حاضریں ایسے تعارف کرتے ہوئے کیا کہ یہ وہ بزرگ ہیں جنکی تئنا کو شش اور جانفشانی کی بدولت اٹا دہ میں مسلمانوں کی مشہور و سرگاہ اسلامیہ ہائی اسکول اٹا دہ قائم ہو اور جہاں علاوہ اس صوبہ کے تقریباً تمام صوبوں کے طالب علم تعلیم پاتے ہیں مولوی صاحب موصوف جس خلوص اور سچے انیار سے کام کرتے ہیں وہ محتاج بیان نہیں انہوں نے مسلمانوں کے تعلیمی معاملات پر غور کر نیلیں اپنی فکر کا بیشتر حصہ صرف کیا ہے اور جو رپورٹ وہ پڑھ کر سنائیں گے وہ خاص توجہ کے قابل ہوں گی۔“

خان بہادر مولوی بشیر الدین



# اجلاس خیم

یوم دوشنبہ بتاریخ ۲۸ دسمبر ۱۹۴۷ء وقت ۸ بجے شب سے ۱۱ بجے شب تک

کارروائی اجلاس اسکول سیکشن

زیر صدارت جناب خان بہادر صاحبزادہ عبدالقیوم خان صاحب سی ایس۔ آئی

کارروائی اجلاس شروع ہونے سے قبل حاجی عبدالصمد صاحب لکڑیوں میں بارہ مولانا کشمیر کے ایک مختصری تمید کے ساتھ حمد و ثناء میں ایک نظم جو حاضرین نے دیکھی سے سنا، پڑھی۔

چونکہ صاحبزادہ عبدالقیوم خان صاحب جو اسکول سیکشن کے اس اجلاس کی صدارت فرما رہے تھے پشاور سے اجلاس شروع ہونے کے وقت تک شریف نہیں لاسکے اس لیے صاحب تحریک صاحبزادہ آفتاب احمد خان جناب خان بہادر مولوی حاجی برکٹ صاحب کرسی صدارت پر رونق افروز ہوئے۔ اور مندرجہ ذیل رزلوشن پاس ہونے سے کارروائی اجلاس شروع ہوئی۔

## رزلوشن نمبر ۱

اس کانفرنس کی رٹ ہے کہ قہم کے کارخانہ دار اپنے اپنے کارخانوں میں ایک ایک ٹرنک کلاس جاری کریں اور اس میں مسلمان نوجوانوں کو عملی تعلیم حاصل کرنے کا موقع دیں اور جس قدر اور جس کیفیت کا کام امیدوار انجام دیں اسکے موافق انھیں معاوضہ دیں۔ اس میں کارخانہ داروں کا بھی فائدہ ہوگا اور تلامذہ روزگار مسلمانوں کے لیے ایک وسیع اور مفید ذریعہ پیدا ہو جائیگا۔

اصل محرک رزلوشن کی عدم موجودگی کی وجہ سے جناب غلام حسین خان صاحب ساکن اوپنڈی نے رزلوشن کی تحریک کو مختصر بیان کیا کہ مسلمانوں کے باوجود صنعت و حرفت کے مفید پیشہ کی طرف سے

# اجلاس ششم

یوم شنبہ بتاریخ ۲۹ ربیع الثانی ۱۹۱۲ء شروع وقت ۱۰ بجے دن سے ایک بجے تک

زیر صدارت عالیجناب خان بہادر حاجی مولوی حسیں بخش صاحب سی کئی ای

جوئے کارروائی اجلاس کے شروع ہوئی کا وقت ہو چکا تھا اور صاحب صدر جلسہ فیض لائے تھے اسلئے  
سب تحریک صاحبزادہ آفتاب محمد خاں صاحب جناب مولوی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی کرسی صدارت  
پر رونق افروز ہوئے اور صاحب ارشاد جناب صدر جلسہ مولوی امین احمد صاحب بی لے (ملک) نے جو بی بی  
کی دگری حاصل کرنے کے بعد مدرسہ عالیہ دیوبند اور نظارۃ المعارف القرائیہ دہلی میں ورمہ تک قرآن پاک  
کی تعلیم حاصل کرتے ہیں یہ تعلیم القرآن پر اپنا لیکچر کر دیا۔ یہ لیکچر جس جامعہ سے لکھا گیا تھا اور جس پاپیر کا  
تھا وہ خود لیکچر کے وضع کردہ تمام حاضرین اس لیکچر کو سن کر نہایت محظوظ ہوئے۔ یہ لیکچر بہ تمام و کمال ذیل میں  
نقل کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَنَزَّلْنَا مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ

گزشتہ کانفرنس منعقدہ اگرہ میں خاکسار نے ایک مضمون پڑھا تھا جس میں زیادہ تران دو امور پر بحث کی گئی  
تھی کہ ہماری قوم کے جدید طبقے میں مذہبی تعلیم کی کس حد تک ضرورت ہے اور اس طبقے کی مذہبی تعلیم کے لئے  
کس قسم کے مصلحتوں کی ضرورت ہے۔

اس مرتبہ ہماری مذہبی کتاب قرآن مجید کی تعلیم کے متعلق اپنی رائے عرض کروں گا غرض اس قرآن کی تعلیم کا  
اثر تھا کہ چند سال کے عرصہ میں عرب کے بت پرست جاہل لوگ دنیا میں سب سے زیادہ خدا پرست اور سب سے زیادہ  
متمدن مہد سے زیادہ تہذیب یافتہ اور سب سے زیادہ طاقتور بن گئے۔



# اجلاس ہفتم

پوشنبہ بتایج ۲۹ دسمبر ۱۹۱۳ء وقت ۲ بجے دن کو ۲ بجے تک

زیر صدارت عالی جناب خان بہادر مولوی حاجی رحیم بخش صاحب سی۔ آئی۔ ای  
صدر انجمن صاحب کے کرسی صدارت پر رونق افروز ہونے کے بعد مولوی الف دین صاحب نے  
بجائز صاحب موصوف نظم ذیل چمکرتی تائی جس نے خاص اطف پیدا کیا۔

## نظم خطاب بہ مسلم

سبق آموز عبرت سے تمھاری داستان باقی  
نہ وہ میا نہ وہ ساغر نہ وہ پہر معاش باقی  
نہ اب وہ شمع ہے روشن نہ وہ پروانگان باقی  
عوض پنا کے رہتی ہے یہ چشم خونچکاں باقی  
خوار بادہ دوشینہ سے اک سرگراں باقی  
بیا کیوں ہے یہ ماتم اور کیوں آہ و فغان باقی  
پکارے ہو کرب میرا نہیں کوئی مستان باقی  
نہیں اسے نام کے سلم کین اس کا نشان باقی  
نہیں اسے وحدت ترا نام و نشان باقی  
مگر اب رہ گئیں لے دے کو خاند جنگیان باقی  
فلج شیعہ دستی ہے جب تک رسیاں باقی  
رہا گردا عاتے مدی آخر زماں باقی  
رہیں پھر کیوں مسلمانو! یہ فرستہ بندیاں باقی

مسلمانو! کمان اسباب نہ غلط کے نشان باقی  
نہ وہ محفل نہ وہ سامان نہ وہ میخوارگان باقی  
ہوئی چشم زون مین بزم اخوان العقباء ہم  
دل پر داغ ہے اک یادگار محفل رنگین  
رہا ہے ہنسنیو! یادگار صحبت عشرت  
ہوئی وہ بزم کیوں برہم نکلے ہو گئے کیوں ہم  
سبب اس کا تو ہے ظاہر کہ قرآن طاق نیا کا  
وہ روح وحدت انسان کہ جس کو لایا تھا میں  
یہ شیشی ہے وہ جو شیشی یہ لافض ہے وہ ہر صاحب  
کبھی تھا اتحاد باہمی سرایہ نازش  
اترنا سائل مقصود پر دشوار ہے اپنا  
سبت ہوں گے خدا حافظ بہار و میرزا پیدا  
ہے جب واحد خدا لئے قبلہ پیچیدہ قرآن



کبھی ہم پیشہ و روئے زمین پر تھے تمدن کے  
اگر میں مین ابلی کبشتہ ہو تو اندر مین طاق  
زمانے پر بیان ہے رخت مینار ولی سے  
وہ تاج اگر تہذیب عالم اپنی خوبی مین  
ادھر چوٹی ہمالہ کی دھوپ پر نیز کی وادی  
اشدلاء علی اکھار پر تھے جدل باحسم  
جب اس نرمی و گرمی پر حکومت تھی فرہت کی  
مخافہ قرآن ہاتھ مین بکیر لب پر درو سینہ مین  
جھکا اللہ کے آگے جھکا یا ساری دنیا کو  
کمال عبدیت مین تھا جلال سلطنت مہمتر۔  
یہودی ہن کہ نظرائی برہمن ہن کہ زرتشتی  
کوئی دن مین یہ سارے جذب ہو جائیگے وہ مین  
تو اے دین الرحمن کا شرف ابراہیم ہے۔  
گل توحید قرآن سے سطر ہے شام جاں  
الہی کیا ہوا وہ اعتصام عروۃ الوثقی۔  
نہ وہ مومن نہ وہ ایمان نہ وہ مسلم نہ وہ عرفان  
نہ ساجد ہیں نہیں راسخ نہ قاعد ہیں نہیں قائم  
موجود عام سے طاری نہیں تیزی انوار مین  
نہ مسر سید کی لہری نہ حمدی کی لہری  
ہے گلستانہ رنگیں سے اک شیریں بیاں حالی  
الہی دینک محفوظ رکھو دست گلچین سے  
گل، آشک چشم، لالہ داغ دل، سنبل پریشانی  
مدد اے جذبہ فیض خدا سے برتر و دانا

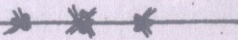
ہن اب تک رہ گذاروں پر نشانہ کاروان باقی  
ہے ذکر ابن قاسم سندھ مین و زبان باقی  
زمین ہند مین اسلام کا ہے آسمان باقی  
بحکم ہے سر ابا حیرت نفا رگاں باقی  
شکوہ سطوت اسلام کے ہن ترجاں باقی  
تمہاری نرمی و گرمی سے تھا نظم جہاں باقی  
تھے اظیم سیاست مین تعین تم حکمران باقی  
نہ تھا روئے زمین پر کوئی اپنا ہمنان باقی  
یہ راز غفلت مسلم تھا سب دھن نہاں باقی  
یہ نکتہ سیرت احمد سے ہو نیک بیاں باقی  
یہ ہن سب نعمت اسلام کے تلاشیاں باقی  
رہ گیا سکھ توحید عالم مین رواں باقی  
رہ گیا تیرے قبضہ مین ہمیشہ ملک جاں باقی  
رہیگی باغ احمد مین بہار بے حشران باقی  
کہ ہے اب منتظر شیر لڑا اسلامیان باقی  
یونہی ہن سپیکر بے جان بدست زندگان باقی  
نہ سر اغازیاں باقی نہ سر افرازیان باقی  
نہ دل مین نرمیاں باقی نہ خون مین گرمیاں باقی  
نہ یروش بیاں باقی نہ شبلی نکتہ داں باقی  
سو مین یہ اک گل پھر مردہ یا د گلستان باقی  
کہ ابن کے بعد مین خالی ہے جامع و مکان باقی  
یہی اب رہ گئی ہے یادگار گلستان باقی  
کہ ہے اس دور رحمت مین یقین حضرت گمان باقی



تراور مجھ کو کر یا رب بتا جائے کہاں مسلم تو اگر کم ہے کریمن میں تو اگر کم ہو کریمن میں	کہ ہے اللہ والوں کا یہی اک آستان باقی تو ہی اک بیکسی میں ہے نصیر یکساں باقی
شفیق ماجراں ہے تو غفور عاصیاں جو تو سہارا تیری رافت پر ہر دوسہ تیری رحمت پر	تو ہی بس بے بسی میں ہے رفیق بے بلبا باقی اگر کم ہے تری تکیہ معین و مستان باقی

ترا ارشاد ہے مولیٰ اَحَبُّیْ دَعُوْا اِلَیَّ  
رہے گا تک محزون نفیس ختہ جان باقی

فانکار۔ الف دین نفیس



تلم کے ختم ہونے کے بعد جناب مولوی محمد اکرام خان صاحب ریٹائرمنٹ و پریسڈنٹ اسلامیا  
اسکول پونچھ نے ایک مختصر تقریر فرمائی جو حسب ذیل ہے۔

میرے کرم و دست پر حرام الدین شاہ صاحب سجادہ نشین پونچھ نے آیۃ شریفہ کل حُر کا  
اَلْاِحْسَانِ اِلَیَّ اِحْسَانِ کی تیل کی ہے جس کا کرنا ہم پر واجب تھا مگر اس وقت تک جس قدر رعایت  
یا عطیات ہمیں ملے ہیں ان کا شکریہ مناسب ہو چکا لیکن حضرات اس سے کہیں نیچے جاویں کہ بس یہی  
میں ہمارے اغراض و مقاصد پورے ہو گئے ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں تمہاری آرزو میں بہت کچھ ہیں تمہاری خواہش  
تعلیمی بہت وسیع ہیں۔ انٹر میڈیٹ ڈیپارٹمنٹ باری کرنے کے لئے بڑے روپیہ کی ضرورت ہے جس قدر زیادہ پڑوے

کی ضرورت ہو اتنی قدر ہم باشندگان ریاست پونچھ زیادہ اخلاص زدہ ہیں۔ اس لئے میں خود باز طور پر اس  
عظیم الشان کانفرنس کی وجہ اس طرف مبذول کرنا چاہتا ہوں کہ پونچھ بھی کثیرے مٹی جو میان تک خط  
و کتابت میں بھی پونچھ کثیر لکھا جاتا ہو جس جہان کہ کانفرنس میں کثیر مسلمانان کی صلاح کا ذکر آئے ان  
بھی پونچھ کو بھی احاطہ اور شمول کرنے کا حربہ بننا چاہوے۔ تاکہ اکابرین کانفرنس کو غلطہ تکلیف گوارا نہ کر  
پڑے اور ساتھ ہی میں تحریک کرتا ہوں کہ براہ عنایت کانفرنس سے حضور سہی و صاحب بہادر پونچھ اور  
جناب کپٹن سی۔ ایف۔ یکٹری صاحب بہادر پرنسپل ہسٹنٹ ریڈنٹ اور جناب پنڈت جنار دھن صاحب  
وزیر ریاست کو خطوط لکھے جاویں اور ساتھ ہی ہمیں وہ مسلمانان پونچھ کی تعلیمی ترقی کے لئے یہی تحریک فرمائی  
جاوے تاکہ سلسلہ جلدی ہو جاوے۔



چند روز لیوشن کی اہمیت کی وجہ سے پروگرام مطبوعہ میں کیس قدر فرق کیا گیا اور اول دو روز لیوشن پیش ہوئے جو پروگرام کے آخرین وجہ تھے چنانچہ وہ روز لیوشن ذیل باتفاق پاس ہوئے

### روز لیوشن نمبر (۲۹) مسلمانان کشمیر

ریاست کشمیر کے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ دکان کے سرپرستہ تعلیم میں مسلمانوں کی کافی تعداد ہو اس لئے یہ کانفرنس حضور مبارک صاحب ہند اور ریاست کشمیر سے بادستہ ملی ہے کہ جس طرح دیگر قوم کے طلبہ کو وظیفہ دیکر ٹریننگ کالجوں کی تعلیم کے لئے بھیجا جاتا ہے مسلمان طلبہ کو بھی وظیفہ دے کر ٹریننگ کالجوں میں داخل کرایا جاوے۔

### روز لیوشن نمبر (۳۰)

اس کانفرنس کی رائے میں مسلمانان صوبہ سرحدی و صوبہ پنجاب کی تعلیمی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ پہلے صوبہ مالک متحدہ کی گورنمنٹ نے اپنے روز لیوشن مجریہ ۲۵ اگست ۱۹۱۸ء کے ذریعے ہر ضلع میں اس ضلع کے مسلمانوں کی تعلیم کی بخیرانی کے لئے مسلمان مبروں کی کمیٹیوں کی تشکیل کے فیصلہات قائم کئے جانے کی تحریک کی ہے اس طرح ان ہر دو صوبہ جات کے اضلاع میں کمیٹیوں قائم ہوں۔

### روز لیوشن نمبر (۳۱)

یہ کانفرنس گورنمنٹ ہند سے بادستہ التجا کرتی ہے کہ جو قوم کشمیر میں مسلمانوں کے منافع سود کے سیکورنگ بنکوں میں جمع ہیں جو سود لینا نہیں چاہتے وہ اس کانفرنس کو عطا فرمائی جاویں اور ان سے یونیورسٹی کے متعلق ایک ہوشل مسلمانوں کی واسطے قائم کیا جاوے اور جو آمدنی اس ہوشل سے ہو وہ مسلمان طلبہ کے وظائف میں صرف کیا جاوے۔ روز لیوشن نمبر ۳۲ واپس لیا گیا اور نمبر ۳۳ سے ترک کیا گیا۔ بعد اس کارروائی کے مولانا شاہ سلیمان اشرف صاحب واعلم مدرسۃ العلوم علی گڑھ نے جو خاص بہرغرض شرکت کانفرنس تشریف لائے تھے وہ عطا فرمایا۔



# وخط

جناب مولانا سید سلیمان اشرف صاحب

ہموقع

اجلاس سبت و ہر شتم آل انڈیا محمدیہ یوگ کونسل کانفرنس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حَلَمَدًا وَصَلِيًّا

خطِ مسنونہ و صلواتِ تنہا، تعوذ و تسمیہ کے بعد رات کریمہ تلاوت کی گئی۔ ہُوَ الَّذِي ارْسَلَ رُسُلَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظَاهِرَ عَلَى الَّذِي نَظَّمُوا وَكُنِيَ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝

بشارتِ فتحِ مبین

یہ آیت کریمہ آخر کو سورہ فتح کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کی ایک جماعت پر جو حبیبِ عالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہرگاہی میں سعادت کو زمین کی ثلث لوثی ہوئی مدینہ طیبہ واپس جاری ہے۔ بغرض عمرہ رسول کریم علیہ الوفاء الصلوٰۃ و التسلیم چودہ سو سالانہ کو لیکر عازم مکہ مظفر ہوئے تھے۔ کفار مزاحم ہوئے اور حقیقیہ سے لگے بڑھنا نہوا۔ دوا و اقدہ طویل ہے۔ مختصر میں سمجھیے کہ ایک صلح نامہ لکھا گیا جس کے شرائط مسلمانوں پر شاق تھے۔ لیکن سرکارِ دو عالم کی متابعت اسی میں تھی لہذا ہر قسم منظر تھا۔ مگر اس طرح کی مراجعت نے دلوں کو اس کیفیت کو جس میں ایک سوزش اس سوزش میں اخلاص اس اخلاص میں عبودیت کامل موجود تھی ذرا اچکا دیا تھا۔ اس پر منافقین کے ہستہ و طعن و تشنیع اور بی نہک چہرے کھتے تھے۔ پس کمال نیا زمندی انتہائے مدلل انخار سے قلوبِ مبین

# اجلاس ہشتم

منعقدہ

یوم سہ شنبہ بتاریخ ۲۹ دسمبر ۱۹۱۲ء وقت شب ۸ بجے سے دس بجے تک  
زیر صدارت عالی جناب خان بہادر مولوی رحیم بخش حساسی - آئی - آئی

سب سے پہلے صاحبزادہ آفتاب احمد خاں نے رزلویشن نمبر ۳۵ کی تحریک کی اور کہا کہ میں مندرجہ ذیل  
حضرات کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ ان صاحبان نے قومی تعلیم میں دلچسپی کا اظہار فرمایا ہے اور ہمارا  
فرض ہے کہ علی الاعلان اس کا اعتراف کریں۔ تمام حاضرین نے اس سے اتفاق کیا اور اصحاب ذیل کا شکریہ  
منظور ہوا۔

## رزلویشن نمبر ۳۵

یہ کانفرنس مندرجہ ذیل اصحاب کا ان کی پیش بہا تعلیمی خدمات کے واسطے شکریہ ادا کرتی ہے۔

## صوبہ سرحدی کشمیر و پنجاب

شاہچور ڈاب کپتان کاکھٹہ مبارز خاں حسا۔ ڈانڈیش اعظم۔  
گجرات - خاں صاحب چودہری فضل علی خاں صاحب پیش و آفریری محبٹرٹ۔

منفی محمد دین صاحب پیڈر سکریٹری لوکل کمیٹی۔

جلم - مولوی محمد اکرم صاحب بیرٹراٹ لا۔ سکریٹری انجمن مد تعلیم جلم  
راولپنڈی - قاضی سلج الدین احمد صاحب بیرٹراٹ لا۔



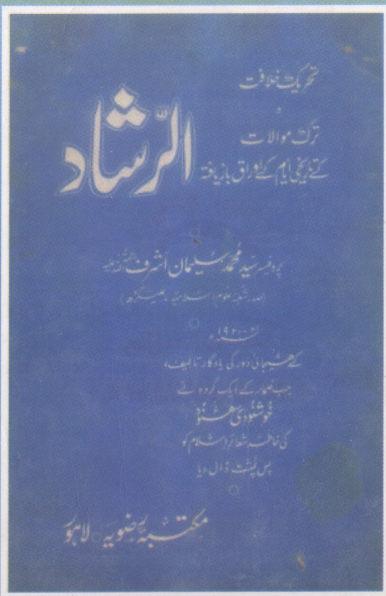
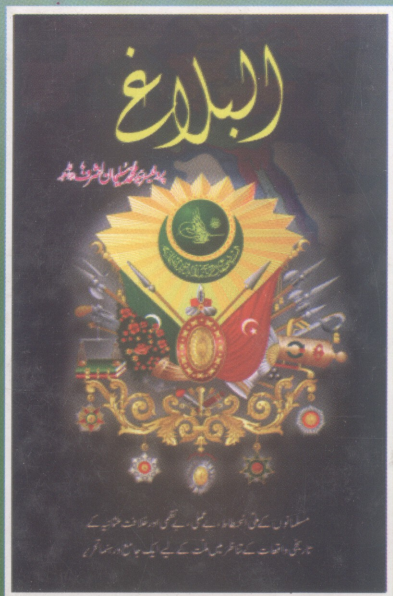
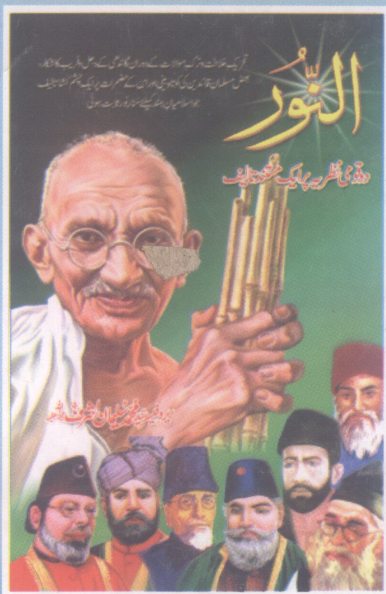
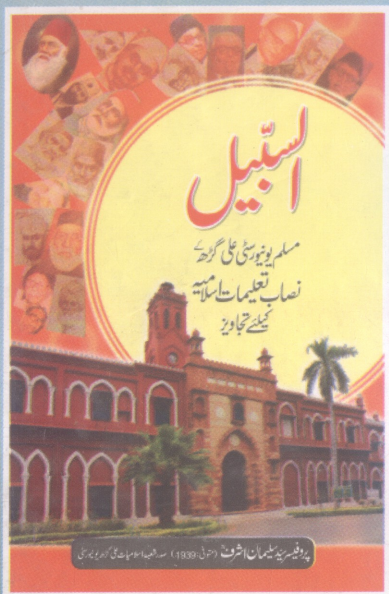
## پنڈت جواہر لال نہرو مدح سرسید میں

تحریک کی تاریخ کی ورق گردانی سے یہ بھی محسوس ہوا کہ سرسید اور ان کے رفقاء پر بسا اوقات ان کی برطانوی حکومت سے وفاداری اور تحریک آزادی سے علاحدگی کے باعث تنقید کی جاتی ہے۔ اس تنقید کے محرکات یا تو سیاسی اور بعض دوسرے رجحانات ہیں یا اس کی وجہ تاریخی حقائق تک ناکافی رسائی ہوتی ہے۔ یہ اپنی جگہ سچ ہے کہ کانفرنس کے قائدین نے شروع میں حکومت سے تعاون پر زور دیا کیوں کہ ان حالات میں یہ ناگزیر تھا۔ وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ مسلمانوں کو ہر قیمت پر ایک پس ماندہ اور غیر موثر اقلیت میں تبدیل ہو جانے سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ جیسا کہ پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی خودنوشت سوانح حیات میں ایک جگہ سرسید اور ان کی تحریک پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

”سرسید نے اپنی پوری قوت جدید تعلیم کی طرف مرکوز کر دی تھی اور اپنی قوم کو کسی دوسری طرف متوجہ ہونے دینا نہیں چاہتے تھے کیوں کہ یہ ایک دشوار کام تھا اور مسلمانوں کی ہچکچاہٹ دور کرنا مشکل تھا۔ سرسید کا فیصلہ کہ مسلمانوں کی ساری توجہ مغربی تعلیم حاصل کرنے پر صرف کر دی جائے بلاشبہ درست تھا۔ اس کے بغیر وہ جدید ہندوستان کی تعمیر میں کوئی موثر رول ادا نہیں کر سکتے تھے۔“

(آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سو سال مرتبہ امان اللہ خاں شیروانی، مطبوعہ علی گڑھ،

# پروفیسر سید محمد سلیمان اشرف رحمہ اللہ کی دیگر کتب



اَلَا اَبَاكُم نَاشِئَاتُ لَآلِئِ